حالات

قسطنطنیہ

جزو اوّل و دوم

جس میں اسلامی دار الخلافہ قسطنطنیہ کی بناء کی مختصر تاریخ کے بعد انگلستان کے مشہور زندہ عالم پروفیسر میکس مولر اور اُن کی لیڈی صاحبہ اور زندہ سیاح مومن کرافورڈ کی کتابوں کا جن میں انہوں نے چشمدید حالات۔ سلطانی نوازشات اور اپنی سیر کے واقعات تحریر کئے ہیں ترجمہ دیدیا گیا ہے۔

اور

جا بجا مناسب موقع مفید حواشی اور فٹ نوٹ بھی ایزاد کر دیئے گئے ہیں

مترجمہ و مؤلفہ مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد ضلع گوجرانوالہ
سابق ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر و حال ایڈیٹر اخبار وطن لاہور

سنہ ۱۳۳۰ھ

باہتمام

مولوی محمد انشاء اللہ منیجر حمیدیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپا

مختصر فہرست کتب دفتر وطن و حمیدیہ الجنسی لاہور

ہماری نجات و فلاح بلکہ کل دنیا کی حقیقی بہتری عمل بالقرآن اور کلام اللہ کے سمجھنے اور سمجھانے پر موقوف ہے ۔ اور بس۔

(۱) **قرآن مجید مترجم جلی قلم** مولوی ممتاز علی صاحب مہاجر مرحوم دہلی ثم مکی کے نایاب اصحف کا ہو بہو چربہ مع تحت لفظی ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۔ اور بر حاشیہ مولانا شاہ عبد القادر صاحب مرحوم دہلوی کی مختصر مگر جامع و مانع تفسیر موضح الفرقان ۔ ایسے نفیس مضبوط ۔ اور قیمتی کاغذ پر قرآن مجید آج تک کسی جگہ نہیں چھپا جن کے ہدیہ ہو جانے پر یہ گوہر نایاب عنقا روپیہ قیمت پر بھی نہیں مل سکیگا ۔

بادامی کاغذ بلا جلد کی قیمت . . . . صہ

شائقین جلد حسب منشاء عہ سے کر صہ تک کارخانہ کی معرفت تیار کرا سکتے ہیں ۔ اور تقطیع کلان $\frac{22\times29}{4}$ ضخامت تقریباً پونے آٹھ سو صفحات (۷۷۵)

(۲) **یہی قرآن مجید** سفید کاغذ پر بھی چھاپا گیا ہے ۔ جس کے اب بہت تھوڑے نسخے باقی رہ گئے ہیں ۔ بلا جلد کی قیمت سردست ہے علاوہ محصولڈاک ہے ۔ اِس کے بعد . . . . عہ

(۳) **قرآن مجید معرا جوبقلم ۱۲ اسطری** تقطیع کلان $\frac{20\times26}{4}$ اور تعداد صفحات (۸۵۶)

یہ قرآن کریم بھی جو بمبئی کے رسم الخط میں ہے ۔ مگر وہاں کے مطبوعہ قرآن کی نسبت اسکی صحت میں بدرجہا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے ۔ نہایت قیمتی اور مضبوط بادامی اور پیازی رنگ کے کاغذ پر چھپا ہے ۔ اور بمبئی کے کارخانوں کی نسبت ہدیہ بہت ہی کم رکھا گیا ہے ۔

یہ قرآن مجید مستورات اور سن رسیدہ کے لئے خصوصیت کے ساتھ مناسب ہے ۔ ہر رنگ کے کاغذ کے بلا جلد نسخہ کی قیمت . . . . للعہ

جلد حسب فرمائش عہ سے للعہ تک تیار ہو سکتی ہے ۔

(۴) **قرآن مجید معرا یونیہ ۱۳ اسطری** یہ سفید ۔ گلابی ۔ نیلے اور بادامی کاغذ پر بمبئی کے رسم الخط میں کامل

قسطنطنیہ حصۂ اوّل جزوِ اوّل

دیباچہ

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ

(۱) سلطنت روتہ الکبری میں آئے دن کی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں سے جب سخت ابتری پھیل گئی۔ فوجیں دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ اور سرحدی لوگ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر زور پکڑتے گئے۔ اور امرأ اور سینیٹ کے عیش و عشرت میں پڑجانے سے تمام ملکی کاروبار فوج کے ہاتھوں سے طے ہونے لگے۔ تو رفتہ رفتہ فوج کو سلطنت کے اندرونی معاملات میں یہانتک دسترس ہو گئی۔ کہ کوئی بادشاہ جسکو سینیٹ نے تخت نشین کیا ہو تخت کا سچا حقدار نہ سمجھا جاتا تھا۔ جب تک کہ فوج اسے منظور نہ کرتی۔ فوج جس بادشاہ کو چاہتی تخت نشین کرتی۔ اور جسے چاہتی معزول کر دیتی۔ آخر نوبت بانیجا رسید کہ سینیٹ کے انتخاب کردہ بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل و معزول ہونے لگے۔ اور فوج کے جرنیل اور سپہ سالار فوج کی رائے اور انتخاب سے بادشاہ بنائے جانے لگے جنہیں (اگر وہ فوج کی خلاف مرضی کوئی کام کرتے) فوج قتل کر دیتی۔ اور اس کی جگہ نیا سپہ سالار منتخب کیا جاتا۔

(۲) انیس ویں سن میں ڈایو کلیشین جسکے والدین (کہا جاتا ہے) روم میں غلام ہتے اور اپنی اوریا فتوں کی وجہ سے فوج کا سپہ سالار ہو گیا۔ اور فوج نے اسی اپنا بادشاہ مقرر کیا اور یہ فوج روم کے تخت پر تکیہ زن ہُوا۔ یہ بادشاہ عقلمند و دوراندیش تہا۔ اسے اچھی طرح سے روم کے پہلے بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل اور معزول کئے گئے ہیں۔ اور کس طرح فوج کی طاقت اور زور بڑھ گیا ہے۔ پس اُس نے ارادہ کر لیا۔ کہ جہانتک ممکن ہو سکے۔ فوج کے اس زور کو توڑنا چاہیئے اور اُس کو بخوبی بادشاہ کی تحت میں لانا چاہیئے۔ اس ارادہ کو سرانجام تک پہنچانے کے لئے

اس نے سلطنت کو چار حصوں میں تقسیم کیا:

ا۔ تھریس، مصر اور ایشیا پر وہ خود حکمران ہوا۔

ب۔ اٹلی اور افریقہ میکسی میئن[1] کے سپرد ہوئے

ج۔ فرانس، ہسپانیہ اور برطانیہ قسطنطیس کے ماتحت کئے گئے

د۔ صوبجات ملحقہ دریائے ڈینوب پر گلیریس حکمران کیا گیا۔

اس طرح سے فوج کی طاقت بالکل زائل ہو گئی۔ کیونکہ اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی فوج بغاوت کرتی یا باغی ہو جاتی تو دیگر تینوں اسکی سرکوبی کر دیتے۔ دوم فوجوں نے یہ خیال کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو قتل کرنا محض فضول ہے کیونکہ دوسرے تینوں اسکی سرکوبی کر دینگے۔ اور اس لئے انہوں نے اپنے حاکم کو قتل کرنا یا معزول کرنا بے حصول سمجھا۔ اور بالآخر زیر ہو گئیں اور بادشاہ کا سکہ ان کے دلوں میں بیٹھ گیا۔

(۳) سینیٹ کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔ اور آئندہ کیلئے رُوم دنیا کا پایۂ تخت نہ رہا۔ بلکہ ان چاروں نے وہ وہ مقام رہنے کو پسند کئے جہاں سے وہ سرحدی گولوں کی سرکوبی کر سکیں۔ اور سلطنت کو بیرونی حملوں سے بچا سکیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت حد سے بڑھ گئی اور وہ فوج میں بہت کم آنے جانے لگے۔ وہ بڑے بڑے قیمتی لباس زیب تن کرتے اور کروڑوں روپے انکی تیاری پر صرف کر دیتے۔ انکی شان و شوکت کو دیکھکر فوج انہیں انسان کی ایک اعلیٰ قسم خیال کرنے لگی اور ان سے خوف کھانے لگی۔

(۴) ڈائیوکلیشین نے ۳۰۵ء میں تخت و تاج چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ لیکن نو سالوں کے بعد آپ کو اپنے گوشہ سے باہر نکلنا پڑا۔ کیونکہ اوگسٹوں اور قیصروں میں خانہ جنگی ہو پڑی۔ جو ۳۲۳ء میں ختم ہوئی۔ اور فلیویس ویلیریس کانسٹن ٹائین یا قسطنطین اعظم تمام دنیا کا مالک ہو گیا۔ قسطنطین اعظم قسطنطیس قیصر کا بڑا بیٹا تھا۔ اور اپنے باپ کی وفات پر ۳۰۶ء میں برطانیہ کا قیصر ہوا تو وہ بڑا بہادر اور دانا تھا۔ ۳۱۴ء کی خانہ جنگی میں وہ دوسرے اگسٹس اور قیصر پر غالب آ گیا۔ اور ۳۲۳ء میں تمام رومن دنیا کا خود مختار ہو گیا۔

دینِ عیسوی کی اشاعت

اس ابتری اور خانہ جنگیوں کے دوران میں دینِ عیسوی رومن سلطنت میں آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ گرجوں اور معبدوں کی تعداد ہر ایک شہر میں دن بدن بڑھتی گئی گو روم کے شہنشاہ عیسائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور بہت سے قیصر نیرو کے ہاتھوں قتل بھی کئے گئے تھے

[1] ڈائیوکلیشین اور میکسی میئن اگسٹس کہلائے گئے۔ اور قسطنطیس اور گلیریس قیصر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ مترجم

اور وقتاً فوقتاً دین عیسوی کی اشاعت بند بھی کر دی جاتی تھی۔ کیونکہ رومی یہ خیال کرتے تھے کہ عیسائی لوگوں کو نافرمانبرداری اور فتنہ پردازی سکھلاتے ہیں۔ اور یہ کہ عیسائی فرمانبردار رعایا نہیں ہوتے۔ عیسائی لاکھوں و ہزاروں کی تعداد میں ٹراجان۔ ڈیسی ایس اور ویلیرین کے ہاتھوں قتل کیے گئے مگر تاہم وہ اپنے استقلال کی بدولت دن بدن بڑھتے گئے۔ اور قسطنطین اعظم کے زمانہ میں انہوں نے یہانتک زور پکڑا۔ کہ قسطنطین کو انکی بغاوت اور فساد کے خوف سے مجبوراً عیسائی مذہب اختیار کرنا پڑا۔ اور ساتھ ہی سے سلطنت کا مذہب عیسوی کر دیا۔

(۵) قسطنطین اعظم نے معلوم کر لیا۔ کہ نئے مذہب کے خیالات اور عیسوی مذہب کو روم میں رائج کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ رومی ہنوز اپنے پرانے خیالات اور پرانے مذہب پر ثابت قدم رہیں گے اور صدیوں کی تیار شدہ بنیاد کا دنوں اور ہفتوں میں توڑنا ناممکن ہے۔ اسی لئے اور نیز چونکہ قسطنطین ایشیائی بادشاہوں کی طرز پر رہنا چاہتا تھا اور یہ بات اس خاص روم میں نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے ایک مقام جو ... اور یورپ کے نزدیک ہو۔ اپنی رہائش کے لئے پسند کیا۔ اور وہاں ایک نئے روم کی بنیاد ڈالی۔ جو اسکے نام پر قسطنطنیہ کے نام سے موسوم ہوا اور عیسوی مذہب کا مرکز قرار پایا۔

توضیح لبعد البیان

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ مختصراً مذکور ہو چکی ہیں۔ لیکن اس کا مزید بیان کر دینا بعید از دلچسپی نہ ہوگا۔ وہ امورات جن پر اب خامہ فرسائی کی جائے گی۔ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) بائی زنٹیئم کی جائے وقوع۔ جب قسطنطین لیسی نی اس سے جنگ ختم کر چکا تو اس نے اپنی حکمت و تدبر کی بھی ویسی ہی شہرت چاہی جیسی کہ اسے فن سپہ گری میں حاصل ہو چکی تھی۔ اس نے خیال کیا۔ کہ بائی زنٹیئم کی جائے وقوع قدرتی طور سے محفوظ ہے۔ اور وہاں کسی دشمن کے حملہ کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نیز وہ تجارتی آمد و رفت کے فوائد کیلئے بڑی کار آمد ہے۔ قسطنطین کے زمانہ

حاشیہ صفحہ ۲ ـ۱ اس کا پورا نام لوسی اس ڈومی ٹیئس تھا۔ یہ ۲۷۰ء میں پیدا ہوا ۳۰۵ء میں فوت ہوا یہ شخص اس درجہ کا سفاک اور ظالم تھا۔ کہ چنگیز خاں کو بھی اسکا ثانی نہیں کہہ سکتے۔ اس نے ایکدفعہ آدمیوں سے بھرے ہوئے جہاز کو جلا دیا۔ کہ ان لوگوں کو اپنی آنکھ سے تڑپتا ہوا دیکھے۔ حاشیہ صفحہ ھذا ۱ـ مارکس الیئی ایس ٹراجانوس رومن قیصر ۵۳ء میں پیدا ۱۱۷ء میں فوت ہوا۔ ۲ـ یہ ۲۴۹ء میں قیصر ہوا اور پچاس برس کی عمر میں وحشی قوم گوتھ کے ساتھ لڑائی کرتا ہوا میدان جنگ میں قتل ہوا۔ گبن اسکی بہت تعریف کرتا ہے۔ ۳ـ پبلس لوسی نی اس ویلیریانس بھی

پہلے کے ایک پرانے مؤرخ نے اس جائے وقوع کے پُرزور عبارت میں فوائد بیان کیے ہیں۔ جہاں سے ایک کمزور یونانیوں کی نوآبادی سمندر کی مالک ہو گئی اور اس نے ایک آزاد جمہوری ریاست کی مستحکم بنا ڈالی۔

۲۔ قسطنطنیہ کی قطع وضع۔ بائی زنٹیم جس کا مبارک نام قسطنطنیہ ہے ایک مثلث کی شکل میں ہے اس کا ایک ضلع مشرق اور ایشیا کے کناروں کی طرف بڑھتا چلا گیا ہے۔ اور اس ضلع سے تھریشین باسفرس کی لہریں ٹکراتی ہیں۔ شہر کی شمالی جانب بندرگاہ سے گھری ہوئی ہے اور جنوبی بر بحیرہ مارمورا واقع ہے۔ لیکن اس کے گرد نواح کی زمین اور پانی کی قابل تعریف قدرتی ہیئت اور تقسیم واضح بیان کئے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی:

۳۔ باسفرس وہ پیچدار آبنائے ہے جس میں بحیرۂ اسود کا پانی بڑی سُرعت سے بہکر بحیرۂ روم میں گرتا ہے۔ باسفرس کے نام سے نامزد ہے۔ اس کے ڈھلوان اور پُر از سبزہ کناروں پر بہت سے مندر اور معبد بنے ہوئے تھے۔ جن سے یونانی ملاحوں کی تباہی، خطرات اور بے ہنری کی شہادت ملتی ہے ان لوگوں نے ارگونات[1] والوں کی پیروی کرکے بحیرۂ اسود کے خطروں کو معلوم کرنے کیلئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دی تھی۔ روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ اسکے کناروں پر فائنوز کا محل جسمیں محجوب پریاں بھری پڑی تھیں بنا ہوا تھا۔ اور یہیں ایمی کس[2] جس نے سیس ٹس کی لڑائی میں لیڈا کے بیٹے کو پچھاڑا تھا حکومت کرتا تھا۔ آبنائے باسفرس کے اختتام پر سینیس گھاٹیاں آباد ہیں ان گھاٹیوں کے بارہ میں مشہور ہے کہ یہ سطح آب پر تیرا کرتی تھیں۔ انکو لوگوں کی تعجب بھری آنکھ سے بچانے کے لئے دیوتاؤں نے بحیرۂ اسود کے رستہ کی حفاظت کیلئے اُنہیں ٹھیرا دیا سینیین گھاٹیوں سے لیکر بائی زنٹیم کے بندرگاہ تک باسفرس کا پیچیدہ رستہ قریباً سولہ میل لمبا ہے۔ اور اسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۱½ میل ہے۔ یورپ اور ایشیا کے نئے قلعے سکریپس اور جیوپیٹر یوری اسکے مشہور مندروں کی بنیادوں پر بنے ہوئے ہیں یونانی شہنشاہوں کے پرانے قلعے آبنائے کے اس تنگ مقام پر بنے ہوئے تھے جہاں سے بالمقابل کناروں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پانچسو قدم ہے۔ محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو ان قلعوں کو

۱؎ یونان کے جزیرہ تھاموریا کے شہر ارگوس کے رہنے والے ۲؎ یونانی قدیم افسانوں کا ایک دیوتا
۳؎ یونانی میتھالوجی کی ایک خوبصورت شہزادی جسپر دیوتا مشتری اُسے غسل کرتے دیکھکر عاشق ہو گیا اور ہنس کی شکل میں اُسے ملتا رہا۔ اور لیڈا کے دیوتا سے دو بیٹے ہوئے:

گرا دیا۔ اور انکی جگہ زیادہ مضبوط قلعے بنائے۔ لیکن ترکی فاتح کو غالباً اس امر کی خبر نہ تھی کہ اسکی سلطنت سے دو ہزار سال پیشتر دارا نے بھی دو براعظموں کو کشتیوں کے پل سے باہم ملا دینے کے لئے یہی مقام پسند کیا تھا۔ پرانے قلعوں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر کرسو پولیس[1] یا سقوطری کا شہر آباد ہے۔ جسے قسطنطنیہ کا ایشیائی حصہ خیال کرنا چاہیئے۔ باسفرس جب پرو پونٹس سے ملنے لگتی ہے تو بائی زنٹیم اور کلسیڈان کے درمیان سے گذرتی ہے۔ کلسیڈان کو یونانیوں نے بائی زنٹیم سے چند سال پیشتر آباد کیا تھا۔ اور اسکے بانیوں کے اندھے پن پر جنہوں نے ساحل مقابل کے فوائد کو نظر انداز کر دیا تھا۔ عام نفرت ظاہر کی جاتی ہے۔

۴۔ بندرگاہ قسطنطنیہ کا لنگر گاہ جسے باسفرس کا بازو سمجھنا چاہیئے قدیم زمانہ سے شاخ زرین کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا خم کسی قدر بارہ سنگا کے سینگ سے مشابہ ہے۔ لیکن زیادہ تر یہ بیل کے سینگ سے مشابہت رکھتا ہے۔ زرین کا لقب ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ ہوا دُور دراز ملکوں سے قسطنطنیہ کے وسیع اور محفوظ بندرگاہ میں کیا کیا دولتیں لاتی تھی۔ دریائے لائیکس جو دو ندیوں کے ملنے سے بنتا ہے۔ بندرگاہ میں تازہ پانی متواتر ڈالتا رہتا ہے۔ جس سے تہ صاف ہو جاتی ہے۔ اور مچھلیاں اس آرام دہ مقام میں جمع رہتی ہیں۔ کیونکہ لہریں ان سمندوں میں اکثر بحیرہ بالکل تھمی ہیں بندرگاہ کی گہرائی اس قدر ہے کہ جہاز اسباب کو کشتیوں کے بغیر ہی لنگر گاہ میں اتار سکتے ہیں اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض بعض مقامات پر بڑے بڑے جہاز مکانوں کی دیوار تک آ سکتے ہیں دہانہ لائیکس سے لیکر دہانہ لنگر گاہ تک باسفرس کا یہ بازو سات میل لمبا ہے داخل ہونیکا رستہ بالنسبہ تنگ چوڑا ہے۔ اور اکثر اوقات بندرگاہ اور شہر کو دشمن کے بحری حملے سے بچانیکے لئے ایک مضبوط زنجیر اسکے آر پار ڈال دیجاتی تھی۔

۵۔ پرو پانٹس۔ باسفرس اور ہلیس پانٹ کے درمیان اور ایشیا اور یورپ کے کناروں کے مابین بحیرہ مارمورہ جو زمانہ قدیم میں پرو پانٹس کے لقب سے ملقب تھا۔ واقع ہے باسفرس کے دہانہ سے لیکر ہلیس پانٹ کے آغاز تک جہاز رانی کا رستہ قریباً ایک سو بیس میل لمبا ہے ان جہازوں کے سوا جو بحیرہ مارمورا کے وسط سے مغرب کی جانب چلتے ہیں۔ تھریس[2] اور بی تھنیا[3] کی سطح آب سے بلند قطعات زمین اور کوہ اولمپس کی بلند چوٹیوں کو جو ہمیشہ برف سے

---

[1] ترک اسے اسکودار کہتے ہیں
[2] یورپین ترکی کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مامورا۔
[3] ایشیائی کوچک کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مذکور۔

ڈھکی رہتی ہیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ انکی دائیں جانب ایک گہری خلیج پڑ گئی جسکے سرے پر ڈائیو کلیشین کی شاہی رہائش گاہ شہر نکومیڈیا آباد تھا۔ اور گالی پولی ہیں جہانتک سمندر جو ایشیا اور یورپ کو علیحدہ کرتا ہے پھر ایک تنگ آبنائے رہ جاتا ہے لنگر زن ہونیسے پیشتر سنری کس اور پروکونی سس کے چھوٹے چھوٹے جزیرے انکے رستہ میں پڑیں گے۔

۶۔ ہیلس پانٹ جغرافیہ دان جنہوں نے نہایت ہوشیاری سے تحقیق کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ہیلس پانٹ کا پیچدار رستہ ساٹھ میل لمبا ہے۔ اور اس آبنائے کی معمولی چوڑائی قریباً تین میل ہے۔ لیکن آبنائے کا نہایت ہی تنگ رستہ پرانے ترکی قلعوں کے شمال کی طرف سیس ٹس اور ابی ڈس شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے کہ جہاں بہادر لی اینڈر نے اپنی معشوقہ کو ہاتھ میں لانیکی خاطر دریا کی بلاخیز موجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں خسرو نے بالمقابل کناروں کے درمیان جو پانچسو قدم کے فاصلہ پر ہیں اپنی سترہ لاکھ فوج کو یورپ میں داخل کرنیکے لئے کشتیوں کا پل بنوایا تھا۔ جو سمندر اس حد تک تنگ ہو اسے فراخ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہومر اور آرفیوز نے ہیلس پانٹ کو فراخ بیان کیا ہے۔ لیکن بڑائی اور چھٹائی نسبتاً قیاس کی جاتی ہے۔ وہ مسافر اور خاصکر شاعر جو کہ ہیلس پانٹ میں سے گذرتے ہیں۔ اسکے پیچدار رستوں کے خیال اور اس قدرتی و دہقانی نظارہ کے جو دونوں طرف برابر برابر چلا گیا ہے دیکھنے میں ایسے محو ہوجاتے ہیں کہ انہیں پیمائش کی خبر نہیں ہوتی۔ کہ وہ سمندر میں ہیں۔ اور انکا خیال اس مشہور آبنائے کو ایک ایسا تند اور تیز رفتار دریا قیاس کر لیتا ہے جو کہ درخت دار اور اندرونی ملک سے بہ کر آخرش ایک فراخ دہانہ کی راہ ایجیئن[1] یا آرکی پلیگو میں جاگرتا ہے۔ قدیم شہر ٹرائے سے جو کوہ ایڈا کی ایک چوٹی پر واقع تھا ہیلس پانٹ کا دہانہ جسمیں سیموس اور سکامنڈر کی دائمی اور ابدی ندیاں گرتی ہیں۔ بخوبی دیکھا جاتا تھا۔ اور یونانی فوج محافظ کا لشکر گاہ سیجئم سے لیکر ریسیٹئم کی پہاڑی تک کنارہ کے ساتھ ساتھ بارہ میل میں پھیلا ہوتا تھا۔ بانی زنیلیم کے موقع کے پسند آنے سے پیشتر قسطنطین نے اس وسیع میدان کو جو قدیم ٹرائے کے پاس ریٹئم پہاڑی اور ایجکس کی قبر کی طرف واقع ہے۔ اپنے نئے دارالسلطنت کیلئے پسند کیا تھا اور تعمیر کا کام بھی شروع ہوگیا تھا۔ مگر اسے جلدی ہی ترک کر دیا گیا۔ تاہم نامکمل دیواروں اور برجوں کے شاہانہ نقشے ان لوگوں کی توجہ کو جو ہیلس پانٹ کی آبناؤں سے گذرتے تھے مدتوں تک اپنی طرف کھینچتے رہتے ہے۔

[1] بحیرہ مجمع الجزائر۔

۷۔ فوائد قسطنطنیہ۔ قسطنطنیہ قدرتاً ایک ایسے مقام پر واقعہ ہے کہ اس کیلئے ایک بڑی سلطنت کا دار الخلافہ یا مرکز ہونا ضروری ہے۔ اسکی جائے وقوع سے بڑے بڑے فوائد ملحق ہیں۔ یہ شاہی شہر سات پہاڑیوں پر بنا ہوا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار و معتدل ہے۔ زمین سرسبز اور بندرگاہ محفوظ اور وسیع ہے۔ خشکی کے رستے اسکی طرف بڑھنا نہایت مشکل اور اسکی حفاظت بہت آسان تھی۔ باسفرس اور ہلیس پانٹ قسطنطنیہ کے دو دروازے خیال کرنے چاہئیں۔ یہاں کے بادشاہ ہمیشہ انکو دشمن کے جنگی بیڑہ جہازات کے برخلاف بند کر دیتے اور تجارتی جہازوں کی آمدورفت کیلئے کھلا رکھا کرتے تھے۔ قسطنطین کی یہ پالیسی تھی۔ مشرقی صوبجات کو محفوظ رکھے۔ چنانچہ یوکسائین کے باشندے جو زمانہ گذشتہ میں بحیرہ روم میں اپنی فوجیں لے آتے تھے لوٹ مار سے باز آگئے۔ اور ناقابل فتح حد پر حملہ کرنے میں مایوس ہوگئے۔ جب باسفرس اور ہلیس پانٹ کو دروازے بند کر دیئے گئے۔ تب تو دار الخلافہ کے وسیع احاطہ میں ہر ایک پیداوار مہیا ہوتی تھی۔ اور وہ اسکے بیشمار باشندوں کی ضروریات اور سامان عیش کیلئے کفایت کرتی تھی۔ تھریس اور بی تھینیا کے سواحل بحر گو بدقسمتی سے بہت کچھ برباد ہوگئے ہیں تاہم ابتک وہاں انگورستان۔ باغیچے اور فصلیں بہت اچھی حالت میں دیکھی جاتی ہیں اور مشہور ہے کہ پروپانٹس میں اس کثرت سے مچھلیاں موجود ہیں کہ انکو موسم بہار میں بغیر کسی مشکل یا محنت کے پکڑ سکتے ہیں اور پھر بھی انکا ذخیرہ ختم نہیں ہوتا۔ لیکن جبکہ تجارت کا رستہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر قسطنطنیہ یوکسائین اور بحیرہ روم کے جنوب اور مشرق کی قدرتی اور مصنوعی دولتوں سے مالا مال ہو جاتا تھا۔ اور وہ ذخائر وغیرہ جو جرمنی اور سیدیا کے جنگلوں میں ٹینی آس اور بورس تھنیز کے منبعوں تک سے اکٹھے کئے جاتے تھے جو کچھ یورپ و ایشیا کے کاریگر تیار کرتے تھے۔ مصر کا غلہ اور دور دراز ہندوستان کے جواہر موتی قسطنطنیہ کے بندرگاہ میں جسنے کئی زمانوں تک قدیم دنیا کی تجارت کو اپنی طرف کھینچ رکھا تھا۔ لائے جاتے تھے۔

۸۔ شہر کی بنا۔ خوبصورتی۔ مضبوطی اور دولت کا ایک مقام پر جمع ہونا قسطنطین کی پسند کی کافی تصدیق ہے۔ ہر ایک زمانہ میں رواج چلا آیا ہے۔ کہ جب کسی بڑے شہر یا قصبہ کی بنیاد ڈالی جاتی ہے تو اس کے بارے میں بہت سے قصے اور کہانیاں بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح قسطنطین نے قسطنطنیہ کی بنیاد ڈالتے وقت یہ اظہار کیا کہ مجھے اپنے ارادے کے پورا کرنے میں خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ پس میں خدا کے احکام کی فرمانبرداری میں اس شہر کی ہمیشہ تک قائم رہنے والی بنیاد ڈالتا ہوں۔ لیکن اس نے کبھی بیان نہیں کیا تھا کہ اسے الہام کس طریقہ سے ہوتا ہے۔ اس امر میں خاموشی اختیار کرنے سے مورخین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسے الہام نہ ہوا کرتا تھا۔ بلکہ جب وہ بائی زنٹیئم کی دیواروں کے اندر سویا کرتا تھا۔ تو اسکی وہم خوابیوں میں اسکے خیالات کی مجسم تصویر اسکے روبرو پیش کر دیا کرتے تھے۔ خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ پیرانہ سالی اور کمزوریوں کی وجہ سے

دبلی ہوئی معزز بوڑہی عورت جو شہر کی نگہدار چڑیل تھی دفعتہً ایک نوجوان دوشیزہ نازنین کی شکل میں بدل آئی ہے جسکو خود اُسنے اپنے ہاتھوں سے تمام شاہانہ عظمت کے نشانوں کے ساتھ ہار سنگار کیا ہے۔ یہ دیکھکر وہ چونک پڑا۔ اور یہ خواب اوروں کو سنایا۔ اور بغیر کسی تاخیر کے خدا کی مرضی کی تعمیل کی۔ رومنیز میں یہ رسم مدتوں سے چلی آتی تہی کہ جب کسی نئے شہر یا نو آبادی کی بنیاد ڈالی جاتی تو وہ بڑی خوشی مناتے اور جلسے کرتے۔ گو قسطنطین عام لوگوں کی رسموں کے ادا کرنیکا زیادہ خواہشمند نہ تہا۔ لیکن پھر بھی اُسنے عوام کے دلوں پر اپنا کچھ اثر جمانیکے لئے چند رسومات کو بڑی دہوم دہام سے ادا کیا۔ ایک جلوس شاہانہ کو ساتھ لیکر شہنشاہ پیادہ پا انکے آگے آگے چلا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تہا جس سے وہ نئے دارالسلطنت کی حدود کو نشان کرتا ہوا چلا گیا۔ اور اسکا محیط یہانتک بڑھ گیا۔ کہ اسکے نائبین دیکھکر حیران رہ گئے۔ لیکن شہنشاہ ابہی نشان کئے جا رہا تھا۔ آخر اُن سے نہ رہا گیا۔ اور یہ کہنے سے باز نہ رہ سکے۔ کہ حضور بس فرمایئے شہر کی حد بہت بڑھ گئی ہے قسطنطین نے جواب دیا۔ میں ابہی اور آگے بڑہونگا جبتک کہ میرا رہنما کسی کو نظر نہیں آتا۔ اور جو میرے آگے آگے چل رہا ہے۔ ٹھیرنا مناسب خیال نکرے۔ ہم اس عجیب رہنما کی خود کوئی تحقیقات کرنا نہیں چاہتے اور اسکو یہیں چھوڑکر قسطنطنیہ کی حدود اور وسعت کو بیان کرتے ہیں۔

۹۔ وسعت بقول گبن:۔ شہر کی اصلی حالتیں سراگلیو کے باغات اور محلات جو سات پہاڑیوں میں سے سب سے پہلی پہاڑی پر بنے ہوئے ہیں۔ ایکسو پچاس ایکڑ رقبہ پر ہیں۔ ترکی غیرت اور مطلق العنانی کی یہ نشیب گاہ گریشین جمہور کی بنیادوں پر بنی ہوئی ہے۔ لیکن یہ بتا دینا مناسب ہے۔ کہ باشندگان بائی زنٹیم بندرگاہ کی راحت و آرام کو مدنظر رکھکر سراگلیو یعنی قدیم محل شاہی کی موجودہ حدود سے پرے آباد ہے قسطنطین کی نئی دیواریں پرانی فصیلوں سے پندرہ سٹیڈیا۱؎ کے فاصلہ پر بندرگاہ سے لیکر پروپانٹس تک پھیلی ہوئی تھیں اور شہر بائی زنٹیم اور سات میں سے پانچ پہاڑیوں کے گرد جو ایک ناظر کی نظروں میں نہایت خوبصورت ترتیب سے اٹھتی چلی گئی ہیں۔ بنی ہوئی تھیں۔ بانی کی وفات سے ایک صدی بعد بندرگاہ اور پروپانٹس کے اطراف میں اور بہت سی عمارات بن گئیں۔ اور چھٹی پہاڑی کا تنگ کنارہ اور ساتویں پہاڑی کی فراخ چوٹی بھی اُن میں گھر گئی۔ شہر اور اسکی نواحیات کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ینگر و خورد تھیوڈوسی اس نے اپنے دارالسلطنت کے گرداگرد ایک بڑی مضبوط فصیل بنوائی۔ مشرقی پہاڑی سے لیکر زرین دروازہ تک قسطنطنیہ کی زیادہ سے زیادہ لمبائی تین یا ساڑھے تین میل تھی۔ محیط دس اور گیارہ میلوں کے بین بین تہا۔ اور اسکی سطح قریباً دو ہزار انگریزی ایکڑوں کے برابر تھی موجودہ زمانہ کے سیاحوں کی جو یورپ اور ایشیا کے متصلہ دیہات کو قسطنطنیہ کی حدود میں شامل بتاتے ہیں

۱؎ ایک سٹیڈیا = ۲۰۲ گز ۹ انچ

مبالغہ آمیز تحریروں کی تصدیق کرنی ناممکن ہے لیکن پیرا اور گلاٹا کے محلے گو وہ سمندر سے پرے واقع ہیں شہر کا ایک حصہ خیال کئے جاسکتے ہیں۔ اور یہ زمانۂ بائی زینٹیم کے اس مؤرخ کی تصدیق کرینگی جسنے قسطنطنیہ کے محیط کو سولہ یونانی میل بتایا ہے اتنی بڑی وسعت ایک شاہی رہائش گاہ کیلئے کچھ کم نہیں ہے۔ تاہم قسطنطنیہ قدیم بابل اور تھیبز۔ قدیم روم۔ لندن اور نیز پیرس سے نسبتاً چھوٹا شہر ہے۔

۱۰۔ صنعت و حرفت کی ترقی۔ ۔ رومن دنیا کے مالک نے جب اپنی سلطنت کی سطوت و شوکت قائم رکھنے کیلئے ایک یادگار بنانیکی تجویز کی۔ تو اس نے زر۔ محنت اور اپنی لاکھوں رعایا کی ہنر و فنون سے پورا پورا کام لیا قسطنطنیہ کی دیواریں رواق اور حوض بنانے پر پچیس لاکھ پونڈ کی لاگت آئی۔ ایوکسائین کے جنگلوں اور جزیرہ پروکونی سس کی سفید سنگ مرمر کی کانوں سے مصالحوں کا ذخیرہ سہولیت کے لئے کشتیوں پر لاد لاکر بائی زینٹیم کے بندرگاہ میں لایا گیا۔ کام کو انجام تک پہنچانیکے بیشمار مزدور اور کاریگر لگائے گئے۔ جنہوں نے بڑی جانفشانی سے کام کو تمام کیا۔ لیکن قسطنطنیہ کو اسوقت معلوم ہو گیا کہ صنعت و حرفت کی تنزل سے اسکی تجاویز شان و شوکت میں اسکے حسب منشا پوری نہیں ہوئیں اور یہ کہ عمارت کی خوبصورتی و زیبائش اس کی نسبتاً بہت ہی کم ہے۔ جو اسنے خیال کر رکھی تھی۔ پہلے صوبجات کے اعلیٰ حکام کے نام حکم نافذ ہوئی کہ ہر ایک جگہ سکول بنائے جاویں معلم مقرر کئے جاویں۔ اور انعام و اکرام اور حقوق کی امید دلاکر ذہین طلبا کی ایک کافی جماعت کو جنہوں نے معقول کتابی تعلیم پائی ہو صنعت و حرفت کی طرف مشغول کیا جاوے۔ نئے شہر کی عمارات اُنہی کاریگروں نے بنائیں جنہیں قسطنطین بوقت مہیا کر سکا۔ لیکن اُنکی زیبائش کا کام پیریکلنیز اور سکندر کے زمانہ کے لوگوں کے ہاتھوں سے انجام پایا۔ قدیم صناعوں فیڈیاس اور لسی پس کی الیفی ہانت کو از سر نو تازہ کرنا تو روشن شہنشاہوں کی حد قدرت سے اعلیٰ و برتر تھا۔ لیکن اعلیٰ فنون و ہنر کی یادگاریں جو وہ پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ بغیر کسی حفاظت کے ظالم کے ینما کے لئے کھولدی گئیں اسکے حکم سے یونان اور ایشیا کے شہروں سے قیمتی زیور و جواہرات لوٹ لئے گئے قابل یاد جنگوں کی نشانیاں مذہبی عزت کی اشیا ۔ اور قدیم زمانہ کے دیوتاؤں۔ بہادروں۔ رشیوں اور شاعروں کے نہایت ہی خوبصورت بت قسطنطنیہ کی نذر کر دیئے گئے۔

۱۱۔ عمارات۔ بائی زنٹیئم کے محاصرہ میں فاتح نے اپنا خیمہ دوسری پہاڑی کی چوٹی پر نصب کیا تھا اپنی فتح کی یادگار قائم رکھنے کیلئے اُسنے بڑی بھاری فورم (چبوترا) کے لئے جو دائرہ کی شکل میں یا کسی قدر بیضوی صورت میں ہے۔ یہی کار آمد مقام پسند کیا بالمقابل کے دو دروازوں پر بڑی بڑی عالیشان محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ اور رواقوں میں جو چبوترہ کے چاروں طرف بنے ہوئے تھے۔ بُت بھرے پڑے تھے اور اُسکے

وسط میں ایک بلند مینار بنا ہوا تھا۔ اور اس کا بدنما بچا کھچا حصہ اب برنٹ پلر (جلا ہوا ستون) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مینار ایکسو بیس فٹ بلند سنگ مرمر کے پائے ستون پر بنا ہوا تھا۔ اور اسمیں سنگ سماق کے دس ٹکڑے جن میں ہر ایک کی لمبائی دس فٹ اور محیط قریباً تینتیس فٹ تھا۔ لگے ہوئے تھے مینار کی چوٹی پر جو زمین سے ایک سو بیس فٹ بلند تھی۔ اپولو کا ایک بہت بڑا بت نصب تھا۔ یہ پیتل کا بنا ہوا تھا اور ایتھنز یا فرجیا کے کسی شہر سے یہاں لایا گیا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فیڈاس نے اسے بنایا تھا۔ یہ بت دن کے دیوتا کی تصویر تھی یا جیسا کہ بعد ازاں بیان کیا گیا ہے خود شہنشاہ قسطنطین کی تصویر تھی جسکے بائیں ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ اور دائیں میں کرۂ زمین اور سر پر ایک روشن تاج جگمگا رہا تھا سرکس یا ہپوڈرم ایک عالیشان عمارت تھی جسکی لمبائی چار سو قدم اور چوڑائی ایک سو قدم تھی۔ دونوں نشانوں کے درمیان کی جگہ میں بت اور مربع مینار بنے ہوئے تھے اور ابھی تک قدیم زمانہ کا بچا ہوا ایک حصہ موجود ہے۔ یعنی تین سانپوں کے جسم جو ایک تانبے کے مینار کی شکل میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ کسی زمانہ میں اُن کے تین سروں پر ایک طلائی تپائی رکھی ہوئی تھی جسے فتحمند یونانیوں نے خسرو کی شکست کے بعد ڈیلفی کے مندر میں نذر کر دیا تھا۔ ہپوڈروم کی خوبصورتی کو ترک فاتحوں کے سخت ہاتھوں نے بالکل بدنما کر دیا ہے یہ آت میدان (میدانِ اسپان) کے نام سے ابھی تک نکلے گھوڑوں کے مشق کا کام ہے تخت سے جس پر شہنشاہ بیٹھ کر سرکس کے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ ایک بیجد ارزینہ ایک عالی شان محل کو جو معہ اپنے ایوانوں اور رواقوں کے پروپانٹس کے کناروں پر ہیں۔ اور گرجا سینٹ صوفیا کے درمیان ایک بڑے احاطۂ زمین پر بنا ہوا تھا جاتا تھا۔ اسی طرح وہاں غسل خانے بھی تھے جو ابھی تک زیوکسی پس کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کو قسطنطین نے اپنے مالِ خیرات سے بنار سرور رایا تھا۔ اور ان میں مختلف قسم کے پتھروں کے بلند مینار اور ترلیسٹھ سے اوپر پیتل کے بت بنے ہوئے تھے۔ اگر شہر کی ہر ایک عمارت کا مفصل ذکر کیا جائے۔ تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائیگی۔ اسلئے یہ کہدینا کافی ہے کہ ایک بڑے دارالسلطنت کے زینت و زیبائیش اور اسکے باشندوں کے تفریح گاہ کے لئے جو کچھ ضروری ہے وہ سب قسطنطنیہ کی دیواروں کے اندر موجود تھا۔ اس کی بنیاد سے سو برس بعد جو حالات لکھے گئے ہیں اُن کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت قسطنطنیہ میں ایک تعلیم و تربیت کا اسکول ایک سرکس دو تھیٹر آٹھ حمام اور ایک سو ترپن پرائیویٹ غسل خانے۔ باون رواق۔ پانچ غلہ کے گھتے۔ آٹھ تالاب۔ سینٹ یا عدالت کے اجلاسوں کے لئے چار وسیع

کمرے - چودہ گرجے - چودہ محل اور چار ہزار تین سو اٹھاسی عالیشان اور خوب صورت مکانات تھے۔

۱۲- آبادی۔ قسطنطین کی دوسری بڑی خواہش یہ تھی کہ اُس کے پیارے شہر میں آبادی کی خوب رونق ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ روم کے شریف خاندان ممبران سینیٹ حکام اور ان کے بیشمار نوکر چاکر سب اپنے بادشاہ کے پاس بروبانٹس کے کناروں پر چلے آئے۔ اور پرانے دار الخلافہ میں صرف رذیل قومیں ہی آباد رہ گئیں۔ اٹلی کی زمینیں جن پر اب تک باغات لگے ہوئے تھے۔ خوب کاشتکاری کی جاتی تھی۔ فوراً زراعت اور آبادی سے محروم ہوگئیں۔ یہ خیال نہ کر لینا چاہئے کہ قسطنطنیہ کی آبادی انسان کی تعداد اور محنت میں اضافہ ہو جانے سے بڑھ گئی تھی۔ بلکہ یہ سلطنت کے دیگر شہروں کی تباہی سے بڑھ رہی تھی۔ روم اور شرقی صوبجات کے دولت مند سنیٹیرز کو قسطنطین نے مدعو کیا تھا۔ اور یہیں رہنے اور اپنی قسمت آزمائی کرنیکی فہمائش کی۔ تمام لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ اور سب کو رہنے کے لئے محلات زمینیں۔ وظیفے اور پونٹس اور ایشیا میں جاگیریں عطا کیں۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ سب کچھ بند کر دیا گیا۔ کیونکہ جہاں کہیں بادشاہ رہے وہیں وُزراء اُمراء اور دیگر باشندوں کو رہنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح دار السلطنت میں بہت ترقی ہوسکتی ہے۔ اور وہاں مزدوروں سوداگروں اور کاریگروں کی بہت مانگ رہتی ہے اس طرح قسطنطنیہ میں ہر قسم کا آدمی موجود پایا جاتا تھا۔ اور یہی اس کی آبادی میں ترقی ہونیکی وجہ تھی۔ باشندوں کی روز افزوں ترقی کے باعث پہلا احاطہ زمین کم ہوگیا۔ اور اس میں بہت سا قطعہ زمین شامل کر لیا گیا۔

قسطنطین اور شاہان روم کے زمانہ میں قسطنطنیہ کی یہ حالت تھی جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کئی ایک بادشاہ گردیوں اور انقلابوں کے بعد ترکوں نے اُس پر حملہ کیا۔ لیکن کئی دفعہ انہیں مُنہ کی کھانی پڑی۔ بایزید یلدرم سا بہادر بادشاہ جس نے ایشیا اور یورپ میں اپنا سکّہ بٹھا لیا تھا اسپر حملہ کرنے سے جھجکتا رہا۔ اور آخر شش جب اس نے فتح کر لیا تو تیمور کی پیش قدمی نے اُسے روک دیا۔ بالآخر سلطان محمد ثانی نے اسے فتح کیا۔ اور ترکی گورنمنٹ کا دار الخلافہ

قرار دیا۔ اس زمانے سے لے کر یہ آج تک خاندانِ عثمانیہ کا پایۂ تخت چلا آتا ہے
قسطنطنیہ کی فتح کے بعد بھی اس میں بہت سے تغیرّ واقع ہوئے۔ اور اس نوجوان
دوشیزہ نازنین نے آخرش آج کل وہ روپ اختیار کیا جسکی کیفیت بیان کرنے
کے لئے سینکڑوں جادو نگاروں نے زورِ قلم دکھایا۔ اور ہزاروں آئندہ
دکھاتے رہیں گے۔ قسطنطنیہ کی بنا۔ ایّام گذشتہ کی تاریخ۔ وہاں کی قدیم
عمارات۔ اور موجودہ شاہی محلّات کا مفصل بیان حصّۂ دوم میں درج کیا جائیگا۔
جو کافی مصالحہ بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے اب تک تیار نہیں ہوسکا۔ مگر مخدوم منشی
عزیز احمد صاحب لکھنوی مقیم گلاسگو کی امداد و نوازش سے یہ کمی تقریباً اب پوری ہوگئی ہے
اس حصّہ میں صرف موجودہ نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس
غرض کے لئے لیڈی میکس مولر اور ایف مورین کرافورڈ کی کتابوں کا بجنسہ ترجمہ دینا
کفایت کریگا۔ قسطنطنیہ پر یہ تازہ ترین تصنیفات یورپین کی ہیں۔ ترجمہ میں جابجا
حسب ضرورت حواشی بھی ایزاد کر دیئے گئے ہیں۔

(مترجم)

فہرست مضامین

(۱) قسطنطنیہ میں ورُود
(۲) پُل غلطہ (محررہ پروفیسر ایف میکس مولر)
(۳) محل سرائے ہمایوں و خزانۂ عامرہ
(۴) سلاملک
(۵) محل یلدز سرائے
(۶) رسول اللہ (پروفیسر میکس مولر)
(۷) مساجد و تُربتیں
(۸) محل سرائے یلدز میں دعوت
(۹) قدیم شہر پناہیں
(۱۰) باسفرس پر تفریحی پارٹیاں

(۱۱) دربار قربان بیرام (عید الضحیٰ)
(۱۲) نیا عجائب خانہ اور صیدان کے تعویز ہائے قبور
(۱۳) بروصہ
(۱۴) امام حسنؓ و حسینؓ
(۱۵) ترکی خاتونیں
(۱۶) آخری باریابی سلطانی بارگاہ میں

فہرست تصاویر عکسی

گوشہ محل سرائے
پل غلاطہ
جینی لی کوشک
سلاملک
جامع ایا صوفیا کا اندرونہ
محمود ثانی کی تربت
قدیم شہر پناہیں
والدہ بند
اسکندر اعظم کی قبر کا تعویز
بلوری سس کی قبر کا تعویز
بروصہ کی سبز مسجد
ترکی خاتون لشیق اور فرجہ میں

دیباچہ لیڈی صاحبہ

تین برس ہوئے جو خطوط میں نے قسطنطنیہ سے جہاں چند ایام میں نے نہائت خوشی اور مسرت سے بسر کئے تھے تحریر کئے تھے۔ اُن میں اور مضامین بڑہا کر یہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ میں وہاں اپنی خاوند کے ساتھ جسے آب وہوا کی تبدیلی اور آرام کرنیکی ضرورت تھی۔ اپنے بیٹے کو جو انگریزی سفارت کا سکرٹری تھا اور اب بھی ہے ملنے گئی تھی۔ ہمارے فرزند نے باسفرس کی بہار اور فریب خوبصورتی کے متعلق ہم کو اپنے خطوط میں مفصل لکھ کر بہت کچھ تیار کر دیا ہوا تھا۔ تاہم اُس دریا کی پُر فضا نظارے اور قسطنطنیہ اور اس کے قرب وجوار کی پرانی یادگاروں کے عجائبات اور دلکشی کے مشاہدہ سے ہم ششدر رہ گئے۔ سرکلیر فورڈ انگریزی سفیر اور سفارت کے تمام دیگر ارکان ہم سے کمال خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آئے اعلیحضرت سلطان المعظم نے ہمارے حال پر ایسی شاہانہ عنایات مبذول فرمائیں۔ کہ محض مسافروں اور سیاحوں پر پہلے شاذ ونادر ہی انکو کبھی مبذول کیا گیا ہوگا۔ ہمنے کئی ایسی چیزیں دیکھیں جو بہت کم اجنبیوں کو دیکھنی نصیب ہوئی تھیں۔ اور اکثر کو نہایت ہی اطمینان کے ساتھ خوب سیر ہو کر دیکھا۔ کیونکہ پورے تین مہینوں کی اقامت کے دوران میں محل سرائے ہمایوں کا ایک ایڈیکانگ ہمارے ساتھ رہا۔ اور اسکی سرکاری درباری وردی کی طفیل ہم کو کئی ایسے مقامات میں گذر اور دخل نصیب ہوگیا۔ جہاں اس کے بغیر خواہ ہم کتنی رقم انعام وبخشش پر خرچ کرتے۔ ہم کو ایک قدم بھی دہرنا ملتا۔ یاور کی ہمراہ ہونے کی وجہ سے ہم کو استنبول کے پر ہجوم بازاروں میں سے گذرتے وقت اور مساجد یا سلطنت قیاصرہ کی پرانی اور متروک الاستعمال عمارات اور یادگاروں کو جاتے ہوئے ذرہ بھر خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا ہم اس سیاحت واقامت سے ایسے خوش آئے کہ روانگی کے وقت ہمنے پھر بھی وہاں جانیکا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس امر کی ہمیں سخت تمنا اور خواہش رہتی۔ مگر افسوس پچھلے برس کے واقعات[1] سے اب اس تمنا کے پورے ہونیکے بہت کم آثار دکھائی

[1] مس میکس مولر صاحبہ جو انگلستان کی مشہور ومعروف پروفیسر اور ماہر علوم والسنہ مشرقی مسٹر میکس مولر کی زوجہ محترمہ ہیں ان واقعات سے آرمینیوں کی بغاوت اور قسطنطنیہ میں انکی پے درپے فساد وہنگامہ پردازی سے

دیتی ہیں نہ اب ہی توقع ہوسکتی ہے۔ کہ جس غرض سے یہ خطوط لکھے گئے تھے۔ وہ حاصل ہوسکیگی۔ اور ان کو پڑھکر اوروں کو بھی رخصت یا فراغت کے دن باسفرس کی لطیف آب و ہوا اور دلفریب منظروں میں بسر کرنے کی ترغیب ہو گی۔

ان خطوط میں سے چند ایک جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوجائیگا میرے خاوند کے لکھے ہوئے ہیں۔

جارجینا میکس مولر (جنوری ۱۸۹۷ء)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵ - مراد لے رہی ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اُن جیسی قابل اور منصف مزاج عورت ان واقعات سے یہ نتیجہ کس طرح اخذ کر رہی ہے۔ اگر اُن کا یہ منشا ہے کہ ان فسادوں سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ قسطنطنیہ میں جان و مال کی حفاظت کا اندیشہ ہے۔ اور سلطنت یا اور لوگ وہاں جانے سے خوف کرنے لگ گئے ہیں تو شاید بہت کم لوگ ان سے اتفاق کرینگے۔ آرمینوں کا فساد ایک اتفاقیہ معاملہ تھا۔ اور یورپ کا کوئی ایسا دارالخلافہ نہیں جہاں مفسد مذکورہ سے بڑھکر سخت اور قسطنطنیہ کی نسبت بہت زیادہ بلوے اور ہنگامے ہر سال نہ ہوتے ہوں اور اگر وہ انگریزی اخبارات کی تحریروں کو درست تسلیم کرکے ترکوں کی متعصب مزاجی اور عیسائیوں کے خون کی پیاسا ہونیکے اتہام پر یقین کر بیٹھی ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں آرمینوں کے قتل عام کی مبالغہ آمیز خبروں کو انہوں نے درست سمجھکر پھر قسطنطنیہ جانے کا ارادہ فسخ کر دیا ہے۔ تو یہ امر بھی انکی وسیع الخیالی اور انصفت پسندی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ ایسی مبالغہ آمیز خبروں کے مشتہر کنندہ اخبارات سے انکو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ کم و بیش جو سزا دیگئی۔ وہ آرمینوں ہی کو ملی تھی۔ کسی اَور فرنگی یا دیسی عیسائی کو مسلمان رعایا یا حکومت نے میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور ان فسادوں سے پہلے یا بعد دارالخلافہ یا صوبجات میں ان کو کبھی ذرہ بھر تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ ناظرین اس سے یہ خیال نہ کریں۔ کہ میں نے قسطنطنیہ میں اجنبی لوگوں کی آمد و رفت بغرض سیر و تفریح کے بند ہو جانے کو حکومت کیلئے مضر سمجھکر مس میکس مولر کی تحریر سے اختلاف ظاہر کیا ہے اس کے برعکس میری ذاتی رائے ہے۔ کہ ٹرکی میں بہت سی خرابیاں انہی اجنبی لوگوں کی آمدورفت کے حصہ کثیر کی طفیل ظہور میں آئی ہیں۔ اور اُن کی آمدورفت میں جس قدر کمی ہو۔ اُسی قدر ٹرکی کو اُن کا زیادہ ممنون ہونا چاہیئے مگر اسکے ساتھ ہی کوئی منصف مزاج یہ گوارا نہیں کرسکتا۔ کہ وہاں کی حکومت یا انتظام یا رعایا کے بہت بڑے حصہ پر بیجا بہتان یا الزام لگایا جائے اور وہ اسکی تردید یا تکذیب کی کوشش نہ کرے۔ خواہ وہ الزام مستند کرنیوالا ضروری مدعا کے حصول ہی میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کیسا ہی ممد کیوں نہ ہو۔

مترجم

قسطنطنیہ میں وُرود

مئی کا مہینہ تھا۔ اور ہمارا جہاز بحیرۂ مارمورا سے چلا جا رہا تھا۔ کہ صبح کے سات بجے ہماری کوٹھری کے دروازہ پر کسی نے آواز دی "اُٹھنے کا وقت آگیا ہے جزائر شہزادگان دکھائی دینے لگ گئے ہیں" اس کیلئے دوبارہ تقاضے کی ضرورت نہ تھی ہم سُنتے ہی جلد جلد کپڑے پہن جہاز کے تختہ پر چڑھ گئے مگر تاریکی اور دُھند کو دیکھکر ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ اسکی وجہ سے ہم اُن مشہور جزیروں کو جو استنبول سے ایک گھنٹہ کے دخانی سفر کی مسافت پر بحیرۂ مرمرا میں واقع ہیں۔ اچھی طرح دیکھ نہ سکے رات کے سات بجے کے قریب ہم ڈارڈنلز کے دہانہ پر پہنچے تھے۔ یوم ماقبل کو جہاز بحیرہ مجمع الجزائر سے گذرا تھا یہ دن نہایت صاف و دلاویز تھا۔ اور چلتے چلتے ہم کو دُور سے کئی جزیروں کا نظارہ ہو گیا تھا۔ جہاز پر ہم گہری شام کے وقت پائیرس (اتھنز دار الخلافہ یونان کا بندرگاہ) سے سوار ہوئے تھے۔ اسپر بھانت بھانت کے مسافر پہلے سے سوار تھے۔ جن میں سے بعض بہت ہی عجیب غریب تھے۔ تختہ زیریں[1] پر البانوی اور مانٹی نگروی وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ معاش کی تلاش میں استنبول کو جا رہے تھے۔ اُن میں سے جو عیال دار تھے۔ ان کے عیال بھی ساتھ تھے۔ وہ وحشی مزاج اور غلیظ شکل تھے اور کارفو میں سٹیمر پر سوار ہوتے وقت بڑی احتیاط کے ساتھ ان سب کے ہتھیار لیلئے گئے تھے تاکہ جہاز میں آپس میں یا کسی اور کے ساتھ دنگہ وفساد نکریں) وہ اپنے بستر۔ چٹائیاں اور کھانے پکانے کے برتن ساتھ لائے تھے۔ اور کھانے پینے سونے یا جب ان تینوں کاموں سے فارغ ہوں۔ تو جوا اور تاش کھیلنے کے سوا انکو اور کوئی کام نہ تھا جنکے پاس تاش کے پیکٹ تھے۔ وہ ان سے کھیلتے تھے۔ اور باقیماندہ نے کاغذ کے ٹکڑے پھاڑ کر اُن پر ایسی طرح جسکو وہ خود ہی اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ نشان کر لئے ہوئے تھے۔ اور معلوم ہو رہا تھا۔ کہ یہ ٹکڑے ان کو برابر چھپے ہوئے پتوں جیسا کام دے رہے ہیں۔ ہمارے کمرہ اور خزانہ کی درمیانی چوبی دیوار میں دریچے تھے۔ افسرانِ جہاز نے ہم کو خبردار کر دیا تھا۔ کہ ان کو کبھی کھلا چھوڑ کر باہر نہ آیا کریں۔ پہلی رات سخت گرمی ہونیکی وجہ سے میں نے انکو سونے کے وقت کھلا رہنے دیا تھا مگر لیمپ گل ہونیسے تھوڑی سی دیر بعد محافظ نے انکو آہستگی بند کر دیا۔ اول درجہ کے مسافروں نے ان عجیب الخصلت ہم سفروں کے پاس نیچے جانیکی کبھی کوشش نہ کی۔ ہم اکثر بالائی چھت پر کٹہرے کے پاس کھڑے ہو کر اُن کو

[1] معمولی جہازوں میں عموماً دو ڈیک یا نو تک ہوتی ہیں ایک بالائی یعنی چھت دوسرا زیریں جس کو خزانہ بھی کہتے ہیں یہ عموماً درمیانی

مختصر سے کھانے پکاتے ۔ تمکنت کے ساتھ تمباکو پیتے ہوئے تاش وغیرہ کھیلتے یا اپنے ملک کے دلیرانہ راگ گاتے ہوئے دیکھتے رہتے ۔ جن رومالوں یا دسترخوانوں میں وہ اپنے کھانیکی چیزیں چولہوں کے پاس لیجاتے تھے ۔ وہ نہایت ہی غلیظ اور گندے ہوتے تھے عورتیں الگ بیٹھی ہوئی بچوں کو بہلایا کرتی تھیں ۔ ان کے چہروں پر بھی مردوں سے کچھ کم وحشت نہ برستی تھی ۔ خیر ہم پائریس سے روانہ ہوئے ۔ فرانسیسی بیڑہ بندر مذکور کے قریب لنگرزن تھا ۔ اور اسکی کمانڈر نے شاہ وملکۂ یونان کی دعوت کی تھی ۔ چنانچہ رات پڑتے ہی بیڑہ کے تمام جہاز پر چراغاں کی گئی ۔ انکی روشنی نے سمندر کے شفاف پانی پر عجیب لفریب سماں باندھ دیا تھا ۔ اور جب ہمارے جہاز نے حرکت کی تو ہم رات کی تاریکی میں عرصہ تک اسکا نظارہ کرتے رہے ۔ جہاز پر ہمارے فرزند کا ایک یونانی دوست بھی سوار تھا ۔ وہ قسطنطنیہ کے محلہ پرا میں سوداگری کرتا ہے ۔ اسکی بیوی اور بیٹیاں بھی ساتھ تھیں ۔ بعد ازاں پرا اور تھیراپیا کی اقامت کے دوران میں ہمنے انکی صحبت میں کئی مرتبہ چند چند گھنٹے نہایت لطف سے بسر کئے

جزائر شہزادگاں تعداد میں نو ہیں ۔ بازنطینی قیاصرہ ان کو بہت پسند کرتے تھے اور تفریح و آرام کیلئے اکثر ان میں رہائش رکھا کرتے تھے ۔ اسی سے انکا یہ نام پڑگیا ۔ چار میں ابھی تک آبادی ہے ۔ باقی غیر آباد چٹان پڑے ہیں ۔ گو ان میں سے بھی بعض میں پرانے راہب خانوں کے کھنڈرات موجود ہیں ۔ بڑے چاروں جزیروں میں سے ہر میں کئی یونانی راہب خانے اب بھی موجود اور آباد ہیں ترک ان جزائر کو سرخ جزیرے کہتے ہیں جنکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں کے چٹان لوہا بہت زیادہ ہونے سے سرخ رنگ کے ہیں ۔ ہم ان میں سے صرف جزیرہ پلیٹ (ہموار چٹان) کے پاس سے گذرے ۔ اس پر سر ہنری بلور[1] نے جبکہ وہ قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تھا ۔ اینگلو سیکسن یعنی زمانہ متوسط کی انگریزی طرز کا) قلعہ تعمیر کرایا تھا ۔ اور افواہ ہے کہ اس میں بالکل ترکی پاشاؤں ایسے ٹھاٹھ اور تزک احتشام سے رہتا تھا ۔ اور کل لونڈی غلام بھی ترک ہی رکھے ہوئے تھے اب یہ تقریباً منہدم ہو گیا ہے ۔ اور اس کا بہت تھوڑا حصہ باقی کھڑا ہے سب سے بڑے جزیرہ کا نام " پرنکیپو " ہے قسطنطنیہ پہنچنے سے چند دن بعد ہم اپنے سفیر کے ساتھ یہاں آئے تھے ۔ اور ایک سربرآوردہ یونانی خاندان کے ہاں کھانا تناول کیا تھا ۔ یہ جزیرہ سمندر سے

[1] یہ انگریزی مدبر اور مصنف لارڈ لٹن مرحوم سابق گورنر جنرل ہند کا والد ۱۸۵۸ء میں لارڈ سٹریٹفورڈ دی ریڈ کلف سے بعد قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر ہوا ۔ ۱۸۰۴ء میں پیدا اور ۱۸۷۲ء میں فوت ہوا مترجم

بالکل سیدھا اُٹھا ہوا ہے اور دو پہاڑیوں سے بنا ہوا ہے جن کے درمیان ایک عمیق گھاٹی حائل ہے جزیرے
کے درمیانی حصّہ پر صنوبر کے گھنے جنگل موجود ہیں۔ دونوں پہاڑیوں میں سے شمال کی طرف کی بڑی ہے
اُس کے گرداگرد خوبصورت سڑک بنی ہوئی ہے جس پر کھڑے ہونے سے ایشیائی ساحل تک سمندر کا
خوب نظارہ ہوتا ہے سڑک کی بائیں پہاڑی پر خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں جنکی چاروں طرف
کمال روح افزا باغات ہیں جو ساحل کیطرف ڈھلتے چلے جاتے ہیں جیسی کثرت گلاب کے پھولوں کی میں
نے ان باغوں میں دیکھی ہے ویسی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انکی زرخیزی منطقۂ معتدلہ کی قوت نمو یہ اور
باروری کو خجل کرتی ہے۔ پرنکیپو کے بعد ہلکی[1] اور انٹی گونی باقی سب سے بڑے جزیرے ہیں۔ ہم ان میں سے
کبھی کسی پر نہ اُترے لیکن کئی مرتبہ اُن کے پاس گذرنے کا اتفاق ہوا۔ اُن پر بھی پرنکیپو کی طرح
خوب گھنے جنگل موجود ہیں۔ مگر ان کا ساحل نسبتاً زیادہ چٹانی ہے ان سب جزیروں کی آب و ہوا معتدل ہے
اور قسطنطنیہ یا تھراپیا کی نسبت آب و ہوا کی نسبت اس میں زیادہ یکسانی ہے۔ چنانچہ اگر گرمی جلد پڑنے لگ
جائے تو سفراء دول (شہری محلات کو چھوڑکر) باسفرس کے کنارہ کے بنگلوں میں جانے سے پیشتر اکثر
دن گذارنے کے لئے پرنکیپو چلے جاتے ہیں کیونکہ اس کے لئے انکو کوئی خاص تردد کرنا نہیں پڑتا
غلطہ کے برجی ربا پہلے پل اور جزیرہ کے درمیان ہر وقت سٹیمر آتے جاتے رہتے ہیں۔

جزائر شہزادگاں کے پاس سے گذرنے کے بعد ہم استنبول کے پہلے نظارہ کو دیکھنے کیلئے بڑی اشتیاق
سے منتظر ہو بیٹھے۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں سات پست قامت پہاڑیاں پر جن میں سے ہر ایک کی چوٹی
پر شاہی تاج کی طرح مسجد موجود ہے بنی ہوئے اور بتدریج اُٹھتے ہوئے خوبصورت شہر کا بعید ی
نظارہ دکھائی دینے لگ گیا۔ اسکا یہ نظارہ جسکا اتفاق ہم کو پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ گو ہمنے ایسے وقت کیا جبکہ
مطلع مکدّر اور موسم غلیظ تھا تاہم اُسے دیکھتے ہی ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ جتنے مقام ہمنے اب تک دیکھے ہیں
یہ اُن سب سے بڑھکر خوبصورت ہے۔ بعد میں اسی نظارہ کو اکثر مرتبہ اور مختلف وقتوں میں دیکھکر ہمنے
دل کے ارمان سیر ہوکر نکال لئے دوپہر کی تیز اور چلکتی ہوئی اور سہ پہر کی نرم روشنی میں۔ تاریک
رات کو جبکہ صرف مکانات کی بیشمار چراغوں سے شہر کے وجود کا پتہ ملتا تھا۔ اور چاند کی سہانی
چاندنی میں جسمیں سب سے بڑھ کر کیفیت حاصل ہوئی اور جو ایسی تھی کہ ایک ایک مکان جدا جدا
صاف صاف دکھائی دیتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا۔ کہ ہم نے اس میں اس نظارہ کا لطف نہ

[1] بحری فوج کے افسروں کی تعلیم و تربیت کیلئے اس جزیرے میں عالیشان سرکاری کالج ہے جسکی
مفصل حالات واقعات دوم سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مترجم

اُٹھایا ہو۔ یہ فخر قسطنطنیہ ہی کو حاصل ہے کہ اسے کسی وقت اور کسی روشنی میں مرمرا سے دیکھو۔ اسکے نظارے کی دلفریبی میں کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ پست پہاڑیوں کی بتدریج بلندی گوناں گوں رنگوں کی آمیزش اور شاندار عمارات ایک دوسری سے ملکر ایک مکمل نقشہ بنا رہی ہیں اگرچہ سٹاک ہولم[۱] وینس[۲]۔ اور خلیج نیپلز[۳] کی خوبصورتیاں سب ایک ہی جگہ اسمیں مجتمع ہو رہی ہیں۔ دھوپ میں طرح طرح کے رنگ ایسی شوخی سے چمکتے ہیں۔ کہ اُن پر نظر نہیں ٹھیر سکتی۔ نظر ایک مسجد سے دوسری مسجد کو جنکے برف ایسے سفید مینار سرو کے سیاہ درختوں کے مقابلہ پر جو ہر مسجد کے متصلہ قدیم اور متروک الاستعمال مزاروں یا سکوترے (اسکودرہ) پیرا کے پرلی جانب اور پرانی شہر پناہ سے باہر کے بڑے بڑے شہر ہائے خموشاں میں سیدھے کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں اور زیادہ سفید نظر آتے ہیں تیرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ تقریباً تمام ترکی مکانات کی چھتیں شوخ بادامی رنگ کی دکھائی دیتی ہیں۔ انکے دوش بدوش ہر باغ میں بلند صنوبر کے درخت کھڑے ہیں جن کے پتے سبزی میں طوطی کے پروں کی سبزی کو شرمندہ کر رہے ہیں۔ اور ان سب کے اوپر عظیم الشان چھتر کی طرح ایک صاف شفاف اور نیلگوں آسمان چھایا ہوا ہے۔ کہ چند ہفتوں کی اقامت کے بعد طبیعت خواہ مخواہ محض تغیر و تبدل کیلئے انگلستان کے مکدر اور غلیظ مطلع کیواسطے للچانے لگ جاتی ہے:۔

ہم دھندلے اور کہر میں سے جو کچھ نظر آسکتا تھا۔ اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں ہمیں خبر دیگئی کہ انگریزی سفارت خانہ کی دُخانی کشتی تیز رفتاری کے ساتھ جہاز کی طرف چلی آرہی ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں بھی وہ نظر آگئی۔ انگریزی علم کی بیرق اس پر لہرا رہی تھی۔ اور ہمارا بیٹا جو سفارت میں سکرٹری ہے اسپر سوار تھا۔ جبتک ہمارا جہاز محلسرائے کے گوشہ سرے جسپر سفید سنگ مرمر کے مکان اور سرسبز باغ موجود ہیں نہ مڑا وہ ہمیں برابر دکھائی دیتی رہی۔ جہاز "گولڈن ہارن" (خلیج قسطنطنیہ) کے دہانہ پر بیرونی یعنی غلطہ پل کے بائیں جا کر لنگر انداز ہو گیا۔ چند لحظوں کے بعد کشتی اسکے ساتھ آلگی اور ہمارا فرزند اوپر چڑھ [illegible]

[۲] اٹلی کے شمال مشرقی حصے کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے جو بحیرہ اڈریاٹک کے شمالی گوشہ میں واقع ہے۔ اس شہر میں سے زیادہ چھوٹی چھوٹی نہریں ہیں جو بازاروں کا کام دیتی ہیں۔ اور ان پر چار سو کے قریب پل بنے ہوئے ہیں یہ شہر سنہ ۴۲۱ء میں تعمیر کیا گیا تھا اور عرصہ دراز تک یہاں کی جمہوری ریاست کو اقتدار عظیم حاصل رہا۔ [۱] سویڈن کا دارالخلافہ۔ یہ شہر متعدد جزیروں اور اس موقع پر جہاں جھیل ملار بحیرہ بالٹک کی ایک کھاری کھاڑی سے ملتی ہے بنا ہوا ہے اسکا اکثر حصہ پلوں یا پشتوں پر بنا ہوا ہے آبادی دو لاکھ کے قریب ہے

[۳] نیپلز کی نسبت ایک عام انگریزی مثل ہے کہ مرنے سے پہلے اسے ایکدفعہ ضرور دیکھ لینا چاہیئے: مترجم

اس چہل پہل کا مزا لینے میں جو ہمارے اردگرد ہو رہی تھی ہمارے ساتھ شریک ہوگیا۔ ہماری داہنی طرف غلطہ و پیرا کے محلے۔ باسفرس کا دہانہ اور اسقوطری تھے۔ جو اسکے دوسرے ساحل پر واقع ہے۔ بائیں طرف محل سراء کا گوشہ اور تمام پرانا استنبول تھا۔ اور سامنے گولڈن ہارن خشکی کے اندر بیدرپے خمیدہ (پیچ و خم کھاتے) ہوئے شیریں تک چلی گئی تھی مگر اس وقت وہ غلاطہ پل کی وجہ سے ہماری نظروں سے پوشیدہ تھی۔ قدیم زمانہ میں جنگی جہازوں کو داخل ہونے سے روکنے کیلئے اسی گولڈن ہارن کے دہانہ پر بڑی موٹی آہنی زنجیر پھیلا دیجاتی تھی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور قائقین (ترکی سبک کشتی)، جہاز کو گھیرا ڈالے ہوئے تھیں اور ملاح مسافروں کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے یورپ اور ایشیا کی بھانت بھانت کی بولیوں میں چیخ چیخ کر ہانک رہے تھے اور گلے پھاڑ رہے تھے۔ سب سے اول حبشی البانوی اور ماٹی بنگو جہاز سے نیچے اُترے۔ البتہ دل و جتائیوں سمیت کشتیوں پر سوار ہوگئے کئی مسافروں کو کک اور گیز کمپنیوں کے ایجنٹ جہاز پر آکر اپنے ہمراہ پرمٹ خانہ کو لیگئے۔ اور جو مسافر شہر کے باشندے تھے ان میں سے اکثر اپنی اپنی قائقوں پر سوار ہوگئے۔ سفارت کے ایک قواص نے ہمارے اسباب کو احتیاط کے ساتھ جلد جلد کشتی میں رکھوا دیا جبکہ سفارت خانہ کی کشتی ہونیکی وجہ سے پرمٹ خانہ جاکر اسباب کا محصول ادا کرنیکی ضرورت[1] نہ تھی یہ ایسی بڑی عزت تھی کہ ہم اپنے دلوں میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اور بزعم خود سب مسافروں سے بڑے آدمی بنے ہوئے تھے۔ مسافروں کا تماشہ دیکھنے کے لئے ہم سب سے پیچھے جہاز سے رخصت ہوئے کشتی پر سوار ہوکر جسے اہالی پیرا موشی پکارتے ہیں ہم توپخانہ عامرہ کی گھاٹ کی طرف جو گوشہ محلسرای کے مقابل کے ساحل پر اس موقع پر جہاں خلیج باسفرس کی اور باسفرس مرمرا سے ملتی ہے بنی ہوئی ہے چلدیئے۔ ہمارے مقابل باسفرس سے پرے سقوطرے نظر آرہا تھا جسکو دیکھتے ہی ہمیں محاربہ کریمیا اور کئی پرانے دوست جو اس محاربہ میں اپنے ملک پر فدا ہوکر سقوطرے کے دلکش انگریزی قبرستان میں دائمی نیند سو رہے تھے یاد آگئے۔ کشتی سے خشکی پر اُتر کر ہم گاڑی میں جسکے آگے دو چھوٹے چھوٹے عربی گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ سوار ہوگئے۔ اور قواص کو اسباب اُٹھوانیکے لئے پیچھے چھوڑ گئے۔ گاڑی توپخانہ کے خوبصورت فوارہ کے پاس سے گذر کر جسکی جالیدار عمارت اور بیل بوٹے سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ ینی چارشی کے فراخ و خوبصورت بازار کو اور وہاں سے پیرا کے بڑے بازار کی طرف ہوگئے بہادر ننھے ننھے سے گھوڑے بلند بازار پر تیز رفتار کے ساتھ چڑھ گئے ان کو رستہ میں بار بار سوئے ہوئے کتوں کو بچنے کیلئے

[1] عثمانیہ گورنمنٹ نے اسلامی یا ایشیائی دریادلی سے کام لیکر ان تمام اسباب و اشیاء کا محصول در آمد معاف کر رکھا تھا جو دول اجنبیہ کے سفراء اور متعلقین کیلئے باہر سے آئے۔ سفراء کے ساتھ غالباً کسی اور ملک میں یہ رعایت نہیں کیجاتی۔ مگر افسوس ہونیکی بجائے اکثر قونصل اور سفیر اس رعایت سے بیجا فائدہ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں۔ مترجم

ادھر اُدھر ہو جاتا پڑا ہوتا تھا - سارا بازار کتوں سے بھرا ہوا تھا - کوئی سوتے تھے اور کوئی ادھر اُدھر بدر روؤں اور موریوں میں سے اپنی غذا ڈھونڈتے پھرتے تھے - اُن کی شکلوں سے معلوم ہوتا تھا - کہ زمانہ کے ہاتھوں وہ چنداں خوش نہیں ہیں - اور بمشکل شکم پری کرتے ہیں - چہرے بھوک سے ایسے سکڑے ہوئے تھے - کہ کتوں کی بجائے وہ زیادہ تر بھیڑیوں سے مشابہ معلوم ہوتے تھے - مجھے بدوران اقامت ان کتوں سے بتدریج ایک طرح کا انس سا ہو گیا - ہمارے ہوٹل کے قریب کے چوک میں تیرہ کتے رہتے تھے - میں ان سب سے واقف ہو گئی تھی - اور ہر صبح انکو فرداً فرداً رات کی آوارہ گردی اور قزاقانہ حملوں سے واپس آتا ہوا دیکھا کرتی تھی - یہ عموماً دن سونے میں بسر کرتے ہیں اور جو شخص انکے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اسکے ہمیشہ ممنون اور شکر گذار رہتے ہیں ان کا اصلی رنگ تو ہلکا سا زرد تھا - مگر اب سیاہ - سفید اور زرد رنگوں کی جسقدر آمیزشیں ممکن ہیں وہ سب اُن میں دکھائی دیتی ہیں اُن کے پلّے بھی جو بازاروں میں ہی پیدا ہوتے ہیں - نہایت شوخ اور بیباک اور پورے آوارہ گرد ہوتے ہیں -

بنی چارشی کی چوٹی سے ہم پیرا کے بڑے بازار کو مڑ گئے قسطنطنیہ کی بہترین دوکانیں اور اکثر سفارتخانے اسی بازار میں ہیں - ہم بازار کے اندر جانیکی بجائے عرضاً اُس میں سے گزر کر بائیں طرف کو مڑ گئے اور اپنی سفارت کے پھاٹک اور دیوار کے پاس سے گذر کر اس ہوٹل میں پہنچ گئے جہاں ہمارے لڑکے نے ہمارے لئے کمرے لے رکھے تھے - ان کمروں میں سے جو ہماری نشستگاہ کا کام دیتا تھا - اس سے ایسا وسیع اور دلاویز نظارہ دکھائی دیتا تھا - کہ اس کا عشر عشیر بھی بیان کرنا مشکل ہے - اسکے نیچے گولڈن ہارن اور سامنے استنبول تھا - گولڈن ہارن کا اندرونی پل کھڑکیوں کے نیچے کسی قدر فاصلہ پر ہٹ کر تھا اور اس سے اوپر خلیج میں دس یا بارہ خوشنما آہن پوش لنگر انداز تھے - یہ برسوں سے وہیں پڑے تھے اور ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے تھے - کہا جاتا ہے - کہ وہ ایسے بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ اگر ان کو حرکت دیجائے تو فوراً تہ سمندر میں چلے جائیں - ایک انگریز نے جو عثمانیہ بحری فوج میں امیر البحر ہے - مجھ سے ذکر کیا - کہ اُسے کبھی ان جہازوں میں سے کسی پر جانیکی اجازت نہیں دی گئی - میرا خیال ہے اُسے غالباً اس اندیشہ سے نہیں جانے دیا جاتا - کہ وہ انکی بوسیدہ حالت پر ضرور رپورٹ کر دیگا[1] -

بائیں جانب ہم کو وہاں سے محل سرا کا گوشہ واقع بر دہانہ خلیج اور گرجا سینٹ ارین و ایا صوفیا جو اس سے پیچھے ہیں - دکھائی دیتے تھے - ہمارے والے ساحل پر عین دریچوں کے نیچے فرانسیسی

[1] اس بارہ میں میں مسٹر سٹیڈ کے اعتراضوں کے جواب میں کتاب بست سالہ عہد حکومت اور واقعاتِ روم میں مفصل لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں مختصر طور پر یہی بتا دینا کافی سمجھتا ہوں -

قبرستان تھا۔ جو اب عرصہ سے متروک الاستعمال ہے اور اکثر ترکی مدفنوں سے بھی زیادہ خراب و خستہ حال ہو رہا ہے۔ اس سے ایک ڈھلوان رستہ خلیج کے ساحل والے بازار کو جو پیرا کے آباد تریں اور بارونق بازاروں میں سے ہے۔ جا کر غلطہ کے بڑے بازار کو جو قسطنطنیہ کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور انجینئروں کے ذریعہ سے چلنے والے ریلوے اور ٹریموے کی ذریعہ سے پیرا سے ملا ہوا ہے نکل جاتا ہے۔ ہماری وائیں طرف ہمارے اور اسلام بول کے درمیان خلیج محمد ایوب اور وہاں کی مسجد کو بڑھی چلی جاتی ہے۔ اس مسجد میں آج تک کبھی کوئی عیسائی داخل نہیں ہو سکا۔ اور غازی عثمان بانی خاندان عثمانیہ کی تلوار جو ہر نئے سلطان کو تخت نشینی کے وقت باندھی جاتی ہے۔ اسی مسجد میں بحفاظت رکھی رہتی ہے شمشیر بندی کی رسم جو ہمارے عیسائی بادشاہوں کی رسم تاجپوشی کے مساوی ہے۔ حال کھیلنے والے درویش ادا کرتے ہیں۔ گولڈن ہارن چشمہ ہائے شیریں محل سرائے۔ ایا صوفیا اور بازارات۔ ان سب چیزوں کے نام سُنکر ہزاروں باتیں گذشتہ زمانہ کی ہماری نظروں میں پھر گئیں اور ہم سخت بے قرار ہو گئے۔ کہ کب وہ وقت آتا ہے۔ جبکہ ہم بچشم خود اس خوبصورت شہر کی یادگاروں کا جو ہمارے سامنے پھیلا ہوا ہے اچھی طرح مشاہدہ کرینگے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ کہ مس میکس مولر صاحبہ کا بیان اس حد تک بالکل درست ہے کہ اکثر آہن پوش کئی برسوں سے اپنی جگہ سے متحرک نہیں ہوئے تھے۔ اور کہ عدم استعمال اور سکون سے ان کا وہ حصہ جو پانی میں غرق رہا۔ لازمی طور پر بہت کچھ مرمت طلب ہو گیا مگر یہ سہل انگاری یا لاپروائی عمداً نہ تھی۔ نہ ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ سمندر میں چلنے کے قابل نہ رہ گئے ہوں۔ جس امر کی تکذیب کالشمس فی النہار ۱۸۹۷ء کے محاربہ روم و یونان سے ہو گئی ہے۔ یہ جہاز پورے نو مہینوں سے سمندر میں حرکت کر رہے ہیں۔ اور ابتک اُن میں سے کسی نے غرق ہونے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ مگر جیسا کہ میں تسلیم کر چکا ہوں۔ مرمت طلب وہ ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس معمولی مرمت کے بعد جو سمندر کو جانے سے پہلے مئی و جون ۱۸۹۷ء میں کی گئی تھی۔ اب ان میں سے اکثر کی باقاعدہ مرمت بلکہ کلی تجدید کا کام شروع ہو گیا ہے۔ مترجم

غلطہ کا پُل

میں حیران ہوں۔ کہ وہ لوگ جو ہر سال بہ تعدادِ کثیر رہائن (واقع جرمنی) سوئٹزرلینڈ اور روما کو جاتے ہیں۔ کیوں قسطنطنیہ نہیں جاتے۔ وہاں دو چار دن کے مزید سفر سے وہ بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں ایک بالکل نئی دنیا انکے مشاہدہ میں آئے۔ اور وہاں کی آب و ہوا بھی سال کے بعض حصوں میں ایسی عمدہ صحت بخش اور کامل ہوتی ہے۔ کہ ویسی بہت تھوڑی جگہوں کو نصیب ہے۔ روما کے چشمہ ٹریوی اور دریائے نیل کی تعریف میں جو کچھ آجتک لکھا گیا ہے وہ باسفرس کے دریا پر بھی مو بمو صادق آتا ہے۔ جنے ایکدفعہ ان کا نظارہ کر لیا۔ اس کا دل ہمیشہ ادہر ہی کھنچا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے یہی تمنا رہتی ہے۔ کہ میں پھر وہاں پہنچوں۔ قسطنطنیہ بذاتہٖ نہ یہ آرام کی جگہ نہیں ہو سکتی۔ مگر ان لوگوں کی صحت کی تازگی اور دماغی تفریح کیواسطے جو دماغی محنت سے تھک کر کچھ عرصہ سستانا چاہتے ہوں۔ تہراپیا جیسا کہ خود اسکے نام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نہایت عمدہ اور مناسب مقام ہے۔ قسطنطنیہ کے قریب پہنچنے اور گولڈن ہارن میں داخل ہونیکا نظارہ ہزاروں جادو بیان تحریر کر چکے ہیں۔ تاہم میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ جو عظیم الشان نقشہ باسفرس میں داخل ہونے پر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اُسے نہ کوئی قلم بیان کر سکتی ہے۔ نہ کوئی مصوّر اس کا خاکہ اتار سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس پرستانی نظارہ کی پوری کیفیت صرف دھوپ ہی میں نظر آسکتی ہے۔ لیکن یورپ اس نواح میں کوئی نادر شے نہیں مئی مہینہ سے بعد موسم عموماً خوشگوار اور بحیرہ مرمرا طلائی کرنوں سے جگمگاتا رہتا ہے۔ مساجد کے سنہری گنبد۔ سفید موم بتیوں ایسے سپید ہے اور شفاف مینار جو ہر مسجد کے گرد موجود ہیں بیشمار قصروں اور محلات کی سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی چمکدار پیشانیاں ترکی مکانوں کی بادامی رنگت کی چھتیں اور سیلی رنگ کے چوبی جھروکے سمندر پر جھکے ہوئے۔ ان مکانوں کے اردگرد کے سیاہ سرو سہی اور آبنائے کے دونوں سواحل کی پہاڑیوں کے گھنے سبزہ زار اور بالآخر خود دریا بذاتہ نقرئی دھاریوں والے نیلگوں ساٹن کے رومال کی طرح بچھا ہوا۔ اور ہر رنگ کے بادبانوں سے از اوّل تا آخر بھرا ہوا۔ یہ سب باتیں ملکر ایسی عالیشان تصویر بنا دیتی ہیں جنکی دنیا میں

سلہ قسطنطنیہ کا مضافاتی موضع جو باسفرس کے یورپین ساحل پر بیرا اور لویوک درہ کے درمیان واقع ہے۔ اکثر سفراء موسم گرما میں وہاں رہتے ہیں۔ جنکی رہائش کیلئے وہاں عالیشان محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔
غلطہ کے مشہور پل پر پہلا قدم دھرتے ہی انسان متحیّر رہ جاتا ہے کہ یہاں کا نقشہ تو ہمارے گمان وخیال سے بھی بدرجہا بڑھا ہوا ہے سیّاح کو وہاں دنیا کی کل اقوام کے نمونے دیکھنے کی توقع ہوتی ہے۔ اور اس کی ہر توقع درست ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح نہیں جیسے کہ تھیئٹر کی سٹیج پر سوانگ بھر کر دکھا دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ تمام ممالک کے واقعی اور سچ مچ کے باشندے جو پل پر اس طرح سے چلے آتے ہیں۔ کہ گویا بابل کا مینار ابھی گرا ہے۔ اور یہ مخلوق شنار کے میدان سے امڈی چلی آرہی ہے۔

وہاں (لندن یا پیرس کی طرح) سامی نسل سے صرف ایک قسم کے یہودی ہی نظر نہیں آتے ہیں بلکہ سجیلے مضبوط اور چست وچابک عرب بھی۔ جنکے خط وخال واضح اور ناک کا انداز متکبرانہ، اپنے موٹے جھوٹے سفید یا خاکی جُبے پہنے ہوئے۔ عموماً برہنہ پا اور سروں پر سفید ململ کے عمامے باندھے ہوئے۔ افریقہ کی بد شکلی کے تمام نمونوں کے حبشی اور حبشنیں۔ حتیٰ کہ گول چہروں چھوٹی آنکھوں اور بے معلوم سی ناک والے اصل منگولی قوم کے آدمیوں کا وجود بھی وہاں ناپید نہیں۔ یہ لوگ نسبتاً بیشک بہت کم ہیں تاہم زرد فام دراز چوٹی والے جو صرف آسمانی بادشاہت (چین) یا جزائر ملایا ہی کے باشندے ہوسکتے ہیں کہیں کہیں برابر دکھائی دے جاتے ہیں۔ آریا نسل کے ایشیائی اور یورپین دونوں اقسام کے نمونوں کی تو کوئی کمی ہی نہیں۔ ان میں سب سے نمایاں سفید شلوار اور سنہری حاشیہ دار واسکٹوں کے پہننے والے خوبصورت یونانی۔ گھیرے دار جُبّوں اور سیاہ ٹوپیوں کے شائق ایرانی۔ قدیم پوشاک بھیڑی کی کھال کی پوستیں پہننے والے البانزی اور آرمینیوں کے گروہ در گروہ ہیں جو عموماً ترکی لباس اور سُرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہوتا۔ یہ بانکے ٹیڑھے اور وحشی مزاج پیش قبض لگائے سینہ پر کارتوسوں کو جمائے اور تلوار کو پرتل سے لٹکائے کون جارہے ہیں؟ یہ چرکس ہیں۔ دنیا کے تمام حصص کے درویش لمبی خاکی کلاہیں سروں پر رکھے ہوئے۔ اور ہندوستان دنجارا کے باشندے ان سب کا مدبا دونوں طرف ترکوں کے دل بادل سے جو کم وبیش اپنی قومی پوشاک مگر سُرخ فیس بالالتزام پہنے ہیں بہتا چلا جارہا ہے۔ راہروؤں میں عورتیں بھی ہیں۔ اور سیّاح کی توقع سے زیادہ جو مردوں کے جمِ غفیر سے بے خوف وخطر پل پر سے گذری چلی جارہی ہیں

اُن کی پوشاکوں کے سُرخ سبز - نیلگوں - ارغوانی اور سفید اور شوخ اور چمکدار رنگ تو سب کو نظر آ رہے ہیں - مگر سیاہ آنکھوں کے سوا جو انکے باریک و شفاف نقاب کی تہوں میں سے چمک رہی ہیں اُن کے چہروں کا باقی حصہ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے - ایشیائیوں کے چہرہ کا بہترین حصہ بھی عموماً یہی سیاہ آنکھیں ہوتی ہیں - نزدیک سے شفاف نقاب میں سے چہرہ کو بغور دیکھا جائے تو چہرہ کو دیکھکر طبیعت خوش نہیں ہوتی - اور جس حُسن و خوبصورتی کی توقع ہوتی ہے - اُس کا نام و نشان نہیں پایا جاتا[1] - ترکی - ایرانی - یونانی اور چرکس عورتیں اپنے بدشکل جبّوں اور سایوں کے رنگوں کی شوخی دوسروں سے بڑھانے میں جنکو فرجہ پکارا جاتا ہے - ضد بضد کوشش کرتی ہیں - اکثر یشمک یا نقاب پہنتی ہیں اور بعض اپنے چہروں کو سفید کاج کی تہوں سے اسطرح لپیٹ لیتی ہیں کہ گویا دانتوں کا علاج کرانیکے لئے معالج امراض دندان کے پاس جا رہی ہیں - ان کی رفتار خوش ادا نہیں - پیر و جوان دونوں مٹک مٹک کر چلتی ہیں - البتہ پیرا کی فرنگن خاتونیں جنمیں سے بعض کی پوشاکیں پیرس کے تازہ ترین نمونہ اور فیشن کے مطابق ہوتی ہیں ویسی ہی سبک خرامی اور خوش ادائی اور تیزی کے ساتھ چلتی ہیں جسطرح انکی دوسری بہنیں یورپین شہروں کی گول سڑکوں پر چلتی ہیں - رہروؤں کے جھگھٹے میں طرح طرح کے گداگر بھی موجود پائے جاتے ہیں جنکی کپڑوں میں کوئی ایسا رنگ نہیں جس رنگ کا چیتھڑا نہ لگا ہو - اور اگر سارے کپڑے کا رنگ سفید ہی تو اسکی بھی چیتھڑے لٹک رہی ہیں - ان بوسیدہ کپڑوں کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے - کہ وہ انکو اتارتے اور پہنتے کیونکر ہیں میرا خیال ہے وہ کبھی ایسا کرتے ہی نہیں مگر انکا مذہب (یعنی اسلام) دن میں ایکدفعہ کامل (یعنی غسل[2]) اور پانچ دفعہ جزوی غسل (وضو سے مراد ہے) کا حکم دیتا ہے -

غلطہ کے پل پر ہر وقت چہل پہل رہتی ہے - شور و غل کبھی بند نہیں ہوتا یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو خلیج کے اس طرف یا دوسری طرف یعنی پیرا یا استنبول میں بہت ہی ضروری کام ہے - لوگ اندھا دھند قدم اُٹھاتے اور ایک دوسرے کو کندھوں سے اِدھر اُدھر دباتے چلے جاتے ہیں حتی کہ متین اور فربہ ترکوں

---

[1] ایشیائی پروفیسر صاحب کے اس بیان پر برافروختہ نہوں ہر ایک قوم کا مذاق اور حُسن کا معیار جدا جدا ہے - یعنی بعینہ وہی بات ہے جس طرح ہم لوگوں کو ان لُعبتانِ فرنگ سے جو دُور سے اندر کے اکھاڑے کی پریاں معلوم ہوتی ہیں نزدیک سے دیکھنے پر ۹۹ فیصدی چڑیلوں سے بھی بدشکل نظر آتی ہیں - مترجم

[2] مسلمان ناظرین کو بارہ میں پروفیسر صاحب کی غلط فہمی بتانیکی کوئی ضرورت نہیں انکو بخوبی معلوم ہے کہ گو یومیہ غسل کیسا ہی مستحسن اور مستحب ہے - مگر سوائے خاص خاص صورتوں کے یومیہ غسل مسلمانوں پر فرض یا واجب نہیں ہے - مترجم

بھی اس سیلاب کی رو میں آ کر وہی رفتار اختیار کرنی پڑجاتی ہے۔ گداگروں جیب کتروں اور رہنماؤں سے
جو نو وارد کو دیکھکر انہیں جھپٹ جاتے ہیں با حذر رہنا لازم ہے۔ گاڑیاں اور گھوڑے بھی بکثرت پرانے
پل پر سے گذرتے جارہے ہیں اور وہ انکے بوجھ سے لرز اور آہ سرد کھینچتا ہے۔ ادھر دوسری طرف
سٹیمر برابر چلتے رہ کر جبتک کہ راہرو پل سے نہ گذر جائے اسکا دماغ چاٹتے رہتے اور نہایت ہی سخت
غلیظ دہواں چھوڑ کر اسکی آنکھوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ ہر پیدل کو آدھ آنہ اور ہر گاڑی کو
۵ محصول سرکاری ادا کرنا پڑتا ہے پر یہ آمدنی اس محصول کی چار سو پونڈ ترکی ہوتی ہے ترکی پونڈ (سوا) اٹھارہ شلنگ کا ہوتا
قسطنطنیہ کو دیکھتے ہی انسان کو اسکی جانداری کا یقین ہوجاتا ہے اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ زمانہ وسطی
کا اجڑا ہوا بازنطیم (قسطنطنیہ کا ابتدائی نام) یا بیرونق قصبہ نہیں ہے۔ وہ دنیا کی خوبصورت
قطعات میں سے ہے۔ نصف ایشیائی اور نصف یورپین اور کل دنیا کی تجارت کے لئے بہترین منڈی
ہے۔ ترک اسپر جتنا ناز کریں بجا ہے۔ اور اگر انکے ہمسائے اُسے ہی نبوتھ کا باغ سمجھکر اسپر نگاہ رکھے
ہوئی ہیں۔ تو اس پر انکو متعجب ہونا چاہیئے۔ قسطنطنیہ چیز ہی ایسی ہے جسے دیکھکر بے اختیار ہر ایک
سلطنت کے منہ سے رال ٹپک پڑتی ہے۔ ترکوں کو لاکھ "مرد بیمار" کہو حیات کی بے شمار
علامتیں موجود ہیں کہ ترک ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور جو کوئی انکو نگلنے کا خواہشمند ہوگا
حلق انکو نرم نوالہ کی بجائے خشک ہڈی سے بھی سخت پائیگا۔ خالص ترک برابر مضبوط اور ثابت قدم ہیں
اور جسپر وہ چار سو برس سے زیادہ عرصہ کا اپنا پکارتے ہیں اسکو حوالہ کرنے سے پہلے آخری دم تک جان
توڑ کر لڑنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ ترکوں کے خصائل سے واقف ہونا اور انکے اوصاف اور نقصوں کو
معلوم کرنا مشکل کام ہے میں ان لوگوں کی شرح چشمی پر اکثر متحیر ہوتا ہوں۔ جو دس لاکھ میں سے
صرف ایک شخص کے راہ و رابطہ ہوجانے پر اسی سے کل قوم کے عام کیرکٹر اور خصائل کو قیاس کرکے
اپنا قیاس نتیجہ مشتہر کر دیتے ہیں۔ میں بھی یہی استقرائی غلطی کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے جو کچھ ترکوں
کی نسبت کہا ہے وہ صرف انہی معدودے چند آدمیوں پر صادق آتا ہے جن سے قسطنطنیہ کی اپنی
مختصر سی اقامت میں میری ملاقات ہوئی۔ یہ کام میں دوسروں پر چھوڑتا ہوں کہ اگر چاہیں تو وہ خود
میری تحریر کے دائرہ کو وسیع کر کے عام قاعدہ وضع کر لیں۔ علاوہ بریں جہانتک مجھے ذاتی تجربہ کرنے کا
موقع ملا ہے میں نے یہی پایا کہ ترک اجنبیوں سے ہرگز لمبی چوڑی باتیں کرنا انکو اپنے خیالات یا راز
بتانا نہیں چاہتے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ انکی خانگی طرز معاشرت تو ہماری نظروں سے بالکل ہی
پنہاں ہے۔ تاہم بات یہ ہے کہ بارونق اور بھرے ہوئے بازاروں میں بھی انسان ان کی ثقاہت

اور متانت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا - نو وارد بھی اکثر یہ مشاہدہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ غریب ترین ترک بھی اپنی اولاد سے کیسی محبت کرتا ہے - فقیروں کو خیرات کرنے سے دریغ نہیں کرتا - اور بے زبانوں کے ساتھ کیسی شفقت سے پیش آتا ہی جیسی نرم دلی سے قسطنطنیہ میں کتوں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے ویسا دُنیا کی کسی قصبہ میں نہیں ہو سکتا - اور نہ کتے ہی ویسے - ایذا رساں اور خونخوار ہیں جیسا کہ اکثر سیاحوں نے جو چند دنوں کیلئے بھولے بھٹکے قسطنطنیہ پہنچ گئے - ان کو ظاہر کیا ہے - انہوں نے شہر کو اپنے درمیان تقسیم کر رکھا ہے - اور ہر ایک گلی کو پانچ یا دس بیس کی ٹولی اپنا ملک سمجھتی ہے - اگر کوئی اجنبی کتا خاصکر اگر وہ یورپین اور خوب صاف ستھرا ہو کسی محلہ میں داخل ہو گیا ہو تو سمجھو اسکی شامت آ گئی قدیم روما کی طرح وہ ہر اجنبی کو دشمن تصور کرتے اور اسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں - اسکے سوا اور ہر طرح سے گلیوں کے کتے نہایت شریف امن پسند اور کمال شکر گذار حیوان ہیں - جسنے انکو کبھی ہڈی کا ٹکڑا پھینکا ہو یا کوئی اور مہربانی کی ہو - اس کا احسان کبھی فراموش نہیں کرتے - انکی مذمت میں ابتک جو لکھا گیا ہے وہ غلط ہو یا صحیح - ان میں یہ وصف تو بالضرور موجود ہے - کہ جب انہوں نے کبھی ان کا شکریہ ادا کرنا ہو تو بعینہٖ دوسرے کتوں کی طرح دم ہلاتے ہیں اپنے مالک ترکوں کی طرح وہ بھی تقدیر کے قایل معلوم ہوتے ہیں بازاروں میں لیٹے ہوئے ہیں - اور گاڑی بالکل پاس سے گذر رہی ہے مگر اٹھ کر پرے ہٹ جانیکا نام نہیں لیتے - اگر کار قضا کبھی پہیہ انکے اوپر سے بھی گذر جائے تو ایک دفعہ پُر درد نعرہ مار کر راضی برضا ہو جاتے ہیں کوچبان گو گاڑیوں کو سرپٹ دوڑاتے ہیں مگر خوابیدہ کتوں کو بے آرام نکرنے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اور گاڑی کو ایک طرف کر لیتے ہیں کہ انکو او انکے کثیر التعداد کنبوں (پلّوں) کو ایذا نہ پہنچے - مجھ سے کسی نے ذکر کیا - کہ چند برس ہوئے سخت جاڑا پڑنے پر بلقان کے بھیڑیئے بھوک سے لاچار ہو کر میدانوں کو اتر آئے اور شہر کے قریب پہنچ گئے - پس شہر کے تمام کتے باہمی جھگڑوں اور مقامی تنازعوں کو فراموش کر کے متفق ہو گئے اور بھیڑیوں کے ساتھ لڑائی کرنیکے لئے سینکڑوں کی تعداد میں شہر سے باہر جا کر اتنے حملہ آوروں کو قتل کیا کہ باقیماندہ اپنی اصلی پہاڑی مسکنوں کو دم دبا کر بھاگ گئے - اور فاتح و منصور واپس آ کر ہر جماعت پھر اپنے اپنے محلوں میں چلی گئی - اور اتحاد سے پہلے جو تنازع تھے - وہ پھر ان میں برپا ہو گئے اور کوئی فریق دوسروں کو اپنے محلہ میں گھسنے نہ دیتا ۔

شہروں کے بازاروں کے فرش عمدہ نہیں - علاوہ بریں ٹریموں - گاڑیوں اور حمالوں کی وجہ سے پیدل چلنا آسان کام نہیں اور نہ تیز قدمی کے ساتھ ہی چلا جا سکتا ہے - بازاروں میں بہت غل برپا رہتا ہے عام لوگ بہت بلند بولتے ہیں مگر لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے ہیں اور سب سے بڑی بات جسے کبھی

فراموش کرنا چاہیئے یہ ہے کہ بدمست مرد یا عورتیں کہیں نظر نہیں آتیں اور اگر شاذ و نادر کوئی ایسا شخص پایا ہی جائے تو یہ یقین رکھو کہ وہ ترک مرد یا عورت نہیں ہے۔ اسکا جو کچھ مطلب ہو سکتا ہے اُسے وہ لوگ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں جنکو معلوم ہے۔ کہ ہمارے ملک میں ہر فساد بلکہ تقریباً ہر جرم کا اصل موجب یہی میخواری اور بدمستی ہے۔ ایک انگریز بشپ (لاٹ پادری) نے ایک دفعہ اپنی رائے ظاہر کی تہی۔ کہ مجھے انگلستان کو مجتنب الخمر یا غیر مخمور دیکھنے کی نسبت آزاد دیکھکر زیادہ خوشی ہو۔ ترک مجتنب الخمر یا غیر مخمور ہیں اور بشرطیکہ یہ خبریں درست ہوں کہ اعلیٰ جماعتوں کے بعض افسر شام ہینی بکر یا وہ تیز شرابیں بالکل آزادی کے ساتھ پیتے ہیں اور انکو کوئی روک ٹوک نہیں تو اسکے ساتھ ہی وہ آزاد ہی ہیں اعلیٰ جماعتیں ہر جگہ مستثنیات میں داخل ہیں اور یہی کلیہ ٹرکی کی ایسی جماعتوں پر حاوی ہے کل قوم کی نسبت متوسط اور ادنیٰ درجہ کی جماعتوں سے رائے قایم کرنی چاہیئے۔ نہ کہ نام نہاد طبقۂ امرا کو دیکھکر یہ متوسط اور ادنیٰ طبقے جو کہ قوم کی واقعی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ ابتک میخواری اور بدمستی کی برائی سے محفوظ اور بچے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کسی دباؤ یا قانونی تعزیر کے خوف سے نہیں بلکہ محض اپنے خود مختارانہ مرضی اور اپنے رسول کریم کے فرمان کے لحاظ سے۔

اگر ادنیٰ جماعتوں کے لوگ کبھی شراب کے عادی ہوجائیں۔ تو ٹرکی میں اس سے جو خرابی پیدا ہو جائے اس کو خیال کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم اس تندمزاجی کو جو ترکوں کو اپنے تاتاری اور منگولی (مغل) آبا و اجداد سے ورثہ میں ملی ہے۔ اب تک بہت کم نرم کرسکی ہے۔ جب کوئی عیسائی سیاح انکو مساجد میں جمع دیکھتا ہے تو اسکے دل میں فوراً وسوسہ پیدا ہوجاتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ کسی ذرا سے اشتعال پر یہ شیر و پلنگ مجھپر کود نہ پڑیں مگر یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے۔ کہ ترک عیسوی مذہب سے نفرت کرتے ہیں نہیں اسکے برعکس وہ اس مذہب کا ادب کرتے ہیں۔ اور وہ عیسائیوں سے انکے عیسائی ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ بلغاری۔ ارمنی۔ روسی وغیرہ ہونیکی حیثیت سے نفرت کرتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک میں غیر مذاہب والے ٹرکی کی طرح اعلیٰ ترین عہدوں پر مقرر نہیں کئے جاتے۔ اور نہ غالباً کئے جائینگے۔ وہاں عیسائی وزیر ہی نہیں بلکہ ممالک غیر کے سفرا بھی ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سفرا کو سلطنت کے نہایت ہی اہم راز لازمی طور پر بتانے پڑتے ہیں یہ درست ہے کہ جب کوئی شخص قتل ہوچکا ہو۔ اوسوقت یہ حد مقرر کرنا کہ آیا وہ بحیثیت ایک بلغاری ہونیکے یعنی بلحاظ قومیت قتل کیا گیا ہے۔ یا بحیثیت عیسائی ہونیکے مشکل امر ہے اور نہ یہ تعیین متوفی کے کسی کارآمد ہوسکتی ہے۔ خواہ باعث کچھ ہو۔ مرنے والا تو مرچکا۔ تاہم جو کچھ اسبارہ میں میں اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ سے کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ نفرت اور بغض کا اصل باعث قومی عناد ہے

نہ کہ مذہبی۔

ترکوں کو بوجہ ہمسائیگی یورپ کی تہذیب سے سابقہ پڑتا ہے اُسے دیکھکر ایک حد تک دنگ و داغ متحیر سے تو ہو گئے ہیں اور کبھی کبھی انہیں رشک بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر وہ اصل اہل یورپ اس کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں انکے اعلیٰ طبقوں میں یورپین تہذیب کا دخل ہو گیا ہے۔ اور تعلیم یافتہ ترک سے ملکر جیسی طبیعت خوش ہوتی ہے۔ اور کسی دوسرے کی صحبت سے نہیں ہوتی ہم کو یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ من حیث القوم ترک یورپین نہیں ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ نہ کبھی ہونگے وہ جسمانی قوت کے لحاظ سے اور نیز اخلاقاً بھی قابل تعریف زبردست مضبوط اور توانا ہیں اور طبعاً تند خو بھی ہیں انکی خون کی حرارت اور تیزی انکی ماؤں کی خون کی آمیزش سے جو اکثر ترکیہ نہیں ہوتیں ممکن ہے ایک درجہ تک کم ہو گئی ہے باہم باین ہمہ ترک خوش نہیں معلوم ہوتے۔ وہ یورپ کو اپنا مناسب ٹھکانا سمجھتے معلوم نہیں ہوتے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یورپ کی اقوام ہنوز اجنبی سمجھتی ہیں۔ اور ہم صلیبی لڑائیوں کے زمانہ کی طرح اب بھی صرف یورپ کی عیسائی سلطنتوں کی باہمی رقابت کے طفیل یورپ میں ٹھہرے ہوئے ہیں پس جبتک وہ پل جو ایشیا اور یورپ کے درمیان ہے۔ انکے قبضہ میں ہے۔ وہ ان دھمکیوں کی جو ان کو دیجاتی ہیں خس برابر پرواہ نہیں کرتے۔ وہ روسیوں کی بائیزنطیم کی پرانی فصیلوں سے ایک گولی کے ٹپہ پر بمقام سین سٹیفانو دیکھ چکے ہیں جہاں سے وہ اگر انگریزی بیڑہ ڈارڈنلز سے گذر کر روسی فوج کے غیر محفوظ کیمپ پر آتشبازی کی دھمکی نہ دیتا۔ تو قسطنطنیہ پر گولہ باری کر سکتے۔ اور بآسانی تمام حملہ کر کے اُسے فتح کر سکتے تھے حکمران جماعتوں کا عندیہ خواہ کچھ ہو مجھے خیال ہے کہ ترکی آبادی کے حصہ کثیر کو ایشیا واپس چلا جانا چنداں ناگوار نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اسے اپنا کل مال و اسباب ساتھ لے جانے دیا جائے۔ اُن کا قدیم مذاق خانہ بدوشی تھا۔ اور اب تک بھی یہ مذاق اُس میں باقی ہے۔ میری رائے میں وہ پشت توسن پر اپنے دیوان خانوں کے گدیلے دار تختوں سے زیادہ خوش رہیں گے۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہو گیا۔ تو اس وقت شام۔ آرمینیا۔ اور شاید مصر کا بھی جو کچھ حشر ہوگا۔ اس کو قیاس کرنا مشکل کام ہے۔

قسطنطنیہ کے بازاروں کا ایک اور عجیب خاصہ دیکھکر یورپین سیاح متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے وہ اُن میں علانیہ حرام کاری کا کوئی وجود نہیں پائیں گے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں ایسا ہو بھی تو وہ اور اقوام کی عورتیں ہونگی ترکی عورت ایک بھی نہیں ہوگی۔ گداگروں کی البتہ کثرت ہے۔ خاصکر غلطہ پل پر۔ ان میں سے بعض نہایت مکروہ اور غلیظ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی

جب پولیس کی دوڑ پڑتی ہے۔ تو وہ تھوڑی دیر کیلئے غائب ہو کر پھر اپنے اپنے پہلے اڈوں پر آکر ڈٹ جاتے ہیں۔

انگلستان کی طرح یہاں بھی لڑکے اور لڑکیوں کے غول درغول مدرسوں کو جاتے دیکھکر طبیعت بہت خوش ہوتی ہے۔ مدرسے ابتدائی ہیں۔ اور سرکاری خرچ سے چلائے جاتے ہیں۔ ان میں کر اکثر سلطان حال[1] کی ہمت دکوشش اور تحریک سے قائم ہوئے ہیں۔ جناب ممدوح تخم بو رہے ہیں۔ جس کا پھل دوسرے اٹھائینگے۔ پرانے خیال والوں اورخاصکر طبقہ علما نے سرکاری ابتدائی مدارس قائم کئے جانیکی بہت ہی سخت اور زبردست مخالفت کی تھی جسپر سلطان المعظم کو وہ اپنے خرچ سے قائم کرنے پڑے اور ان کا خرچ اپنی ذاتی آمدنی سے دے رہے ہیں۔ جو شخص بینا آنکھیں رکھتا ہے۔ اُسے قسطنطنیہ کے بازاروں میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی اور قابل دید چیز دکھائی دیگی۔ صراف۔ بازیگر جپسی۔ رنٹ، مٹھائی فروش خوانچے والے۔ ناچنے والے۔ ریچھ اور قلندر۔ جنازے۔ گدھوں والے۔ حمال بڑے بڑے بوجھ اٹھائے ہوئے سیاہ فام خواجہ سرا سفید رو۔ کوڑھی۔ الغرض ہزاروں ایسی چیزیں نظر آئینگی۔ جن کو یورپین نظروں نے پہلے نہ دیکھا ہو۔ جس مکان کے دریچے جالی دار ہوں۔ فوراً سمجھ لو۔ یہ کسی ترک کا مکان ہے۔ کبھی کبھی ان دریچوں میں سے مکان کے اندرونی حصہ کی کیفیت نظر آ جاتی ہے۔ مگر یہ اندرونی حصہ عموماً سلاملک یعنی مردوں کی رہائش کے کمرے ہوتے ہیں جالی دار کھڑکیوں کے پیچھے حرم خانہ تو نہیں رہتی ہیں۔ ان کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہاں بس نامحرم کا گذر نہیں۔ یا شاذ و نادر کبھی دیکھنے کا اتفاقیہ موقع مل جائے تو بقول ع

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

---

[1] سلطان حال سے مراد سلطان عبدالحمید خان غازی ہے جو اندنوں معزول ہے۔

محل سراء اور خزانۂ عامرہ

قسطنطنیہ کی نہایت مشہور قابل دید چیزوں میں سے ایک قدیم محل سرائے کا خزانہ عامرہ ہے وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ اس کے دیکھنے میں اس قدر تخشیش دینی پڑتی ہے کہ اس خرچ کے بنانے کے لئے عموماً بڑی بڑی جماعتیں بنا کر اس کی سیر کو جایا جاتا ہے۔ خاص حکم کے بغیر جس پر خود سلطان المعظم کے دستخط ہوتے ہیں کوئی شخص وہاں نہیں جا سکتا۔ درخواست سفرائے دول میں سے کسی ایک کی معرفت کی جاتی ہے۔ اور سلطانی حکم بھی انہی کی معرفت وصول ہوتا ہے مقررہ دن کو جماعت اس سفارت میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور محلسرا ہمایوں کا ایک ایڈیکانگ سلطانی پروانہ لیکر وہاں پہنچ جاتا ہے اور جماعت کو اپنی نگرانی میں لے لیتا ہے۔ اس سلطانی حکم کے بغیر اورطہ کپو (درمیانی دروازہ) جس سے گذر کر محل سرا کے اندرونی صحن میں پہنچا جاتا ہے ہرگز نہیں کھل سکتا۔ درخواست پر میرے خاوند کا نام بھی درج تھا۔ اور غالباً اُسی سے سلطان المعظم کو اسکے ورود کا علم ہوا تھا۔ جماعت میں بلجیم کا سفیر اسکی لڑکی۔ کئی دیگر انگریز سیاح اور چند شہر کے باشندے شامل تھے کیونکہ شہر والے اپنے لئے سلطانی حکم تقریباً قطعاً حاصل نہیں کر سکتے سب تعداد میں بیس سے اوپر تھے۔ ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار ہو گئی تھی سب سے آگے منیر پاشا رئیس التشریفات کا نوجوان بھتیجا نجیب بک سلطانی یاور تھا۔ اس سے بعد بھی ہم کو کئی دفعہ مختلف سفارت خانوں اور نیز اسکے چچا کے مکان پر نجیب بک سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کمال خوش اخلاق اور راحت بخش راہنما ثابت ہوا۔

اس پہاڑی یا گوشہ کے مشرق اور جنوب میں جس پر محل سراء ہے بحیرہ مرمرا اور شمال میں خلیج ہے۔ اس کے اوپر تلے تین تختے ہیں۔ بلند ترین تخت پر مختلف متعدد کوشکیں جن سے ملکر محلسراء بنا ہوا ہے۔ منگجر یو کا صحن اور سینٹ ارین کا گرجا ہے جو اب اسلحہ خانہ کا کام دیتا ہے۔ پچھلے دونوں تختوں پر باغات تھے۔ انگریزی سفارت سے چلکر ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار پیرا کی نشیب دار سڑک سے تیزی کے ساتھ اتر کر غلطہ کے پل پر سے استنبول میں داخل ہو گئی۔ اور پھر بائیں ہاتھ کو ہو کر ٹریم لائن کے ساتھ ساتھ پہاڑی پر چڑھ کر ایک چھوٹے سے دروازہ سے جو محل سرائے کی بیرونی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ قدیم شاہی باغات میں داخل ہو گئی۔ کسی زمانہ میں یہ باغات جو اب حالت کس مپرسی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دنیا میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے یہیں بناتے وقت

جو محل سرائی گوشہ کے گرد اگرد جاتی ہے۔ یہ کم و بیش برباد کر دیئے گئے تھے پہلے یہ تالاب دریا تھے۔ اب ریل کی سڑک بیچ میں حائل ہو گئی ہے۔ جب آہنی سڑک کیلئے زمین کھودی جا رہی تھی۔ تو ایک بہت بڑی مسقف ڈھلوان سرنگ محل سرائے سے مرمرا کو جاتی ہوئی برآمد ہوتی تھی جس کے رستہ وہ بدقسمت حرمیں اور کنیزیں جو سلطانی غضب کی مورد ہو جاتی تھیں بوروں میں سی کر سمندر کو لڑھکا دی جاتی تھیں یہاں تک سے گذر کر ہم کو ایک سیدھی بلندی پر جہاں سڑک بُری حالت میں تھی۔ چڑھنا پڑا مضبوط عرب گھوڑے اس مرحلہ کو بھی مردانگی کے ساتھ طے کر گئے۔ بعد ازاں چینی لی کوشک اور دو تین دیگر منفرد کوشکوں کے پاس سے گذر کر جن کی کل عمارت پر چینی کا کام تھا۔ ہم بالائی منزل پر پہنچ گئے۔ چینی لی کوشک اب عجائب خانہ کا کام دیتی ہے اس کو ہم نے پھر بعد میں دیکھا تھا۔ ہم اب گاڑیوں سے اتر پڑے اور باب ہمایوں یعنی محل سرا کے بڑے دروازہ سے گذر کر اندر داخل ہو گئے۔ سلطان المعظم ہر سال رمضان کے مہینہ میں (خرقہ شریف کی زیارت کیلئے) بجلوس شاہانہ اس دروازہ سے محل سرا میں داخل ہوتے ہیں دروازہ کے قریب ہی باہر کی طرف احمد ثالث کا فوارہ ہے جو ان تمام خوبصورت عمارتوں میں سے خوبصورت ترین گنا جاتا ہے۔ وہ ایک چھوٹے سے مکان کے برابر ہے اور سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ حاشیہ پر نیلگون اور سبز میناکاری کا اور چار و طرف پتھر کو تراش کر باریک جالی کا کام اور طلائی کتبے کندہ ہیں۔ یہ گذشتہ صدی کے شروع میں تعمیر ہوا تھا۔ مگر ایسا صاف اور چمکدار ہے۔ کہ گویا کل کام ختم ہوا تھا۔ دروازہ میں داخل ہونے سے پہلے تھوڑی دیر ہم اُسے دیکھتے رہے تھے۔ دروازہ سے گذرنے پر ہم ینگچریوں کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بحیرہ مارمورا کے اوپر سے کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیوں تک نظر کام کرتی تھی۔ کوہ اولمپس ایشیائے کوچک کے صوبہ بیتھنیا میں ہے۔ اور بروصہ اس کے دامن میں آباد ہے۔ اس صحن میں ہم گرجہ سینٹ آئرین یعنی اسلحہ خانے کے پاس سے گذرے۔ ہمیں داخل ہونے کی ہم نے بعد ازاں کئی مرتبہ کوشش کی۔ کیونکہ روایت مشہور ہے کہ بعض نادر یونانی قلمی کتابیں وہاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ قلمی نسخے خواہ کسی جگہ کہیں ہوں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ متلاشیان صنادید کی نظروں سے ان کو بڑی احتیاط سے بچا کر رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ سلطانی یاور صادق بک بھی جو سلطان المعظم نے ہمراہ ساتھ کر دیا ہوا تھا ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہ دلا سکا۔ وزیر حرب کے پاس جب درخواست کی گئی تو اس نے جواب دیا۔ "یہ محض وہم ہے۔ کتاب وہاں کوئی نہیں"۔

چنانچہ ہم کو محاربہ کریمیا کے ایک پرانے افسر جنرل کنٹ کی زبانی جو اسوقت ہمارے والے ہوٹل

میں ٹھہرا ہوا تھا معلوم ہوا کہ جب اُس نے بارکوں اور جنگی مدارس وغیرہ کا معاینہ کیا تو سلطانی اجازت سے گرجا سینٹ ارین کو بھی دیکھا تھا۔ اور چونکہ اُسے معلوم تھا کہ پروفیسر کو ان قلمی نسخوں کی دریافت کرنیکی بڑی خواہش ہی اُسنے اسلحہ خانہ میں سب جگہ اونکی تلاشی کی۔ مگر اس میں سے اُسے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جسکی نسبت گمان کیا جا سکتا کہ یہ نادر کتابیں اس میں رکھی ہونگی جرنیل کو غالباً اسلئے اجازت ملگئی ہوگی کہ اس کو پرانی چیزوں کا کوئی شوق نہ تھا۔ بہرحال مجھے اس گرجہ کو نہ دیکھ سکنے کا افسوس رہا۔ کیونکہ اس کے گرداگرد چند بڑے بڑے تعویز رکھے ہوئے ہیں۔ جن پر صلیب اور مسیح کا طغرا بنا ہوا ہے انکی نسبت خیال ہی کہ وہ بعض یونانی قیاصرہ کی قبروں کے تعویز ہیں اور قسطنطین اعظم کی قبر کا تعویز بھی ان میں ہی۔ مگر اس بحث کو چھوڑ کر میں بر سر مطلب آتی ہوں۔

ینگچریوں کے صحن کا نام ہی ہم کو سخت مہیب معلوم ہوا۔ ہمکو ایک روش کے دوسرے سرے پر ان کا وہ مشہور صنوبر کا درخت دکھائی دے رہا تھا جسکے نیچے وہ بغاوتوں کی بحث کرتے۔ یا جن وزیروں سے خفا ہو جاتے تھے۔ اونکی ہلاکت یا برطرفی کا سلطان سے مطالبہ کرنیکے متعلق صلاح و مشورہ کرنیکے لئے جمع ہوتے تھے انکی بارکیں ایا صوفیہ سے پرے آت میدان میں تھیں۔ مگر انکی سطح محل سرائے کی سطح کے متوازی تھے یعنی دونوں یکساں بلندی پر تھیں بغاوت کے اظہار میں وہ اپنی دیگچیوں کو الٹ دیا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ کہ حکمران سلطان سے وہ آئندہ کوئی رسد نہیں لیں گے۔ اس اعلان سے تمام شہر پر دہشت چھا جایا کرتی تھی صحن کے گرداگرد اصطبل اور غلاموں کی رہائش کیلئے مکان بنے ہوئے ہیں اس سے گذر کر ہم اورطہ کپو پہنچے۔ وہاں سلطانی حکم دکھا کر ہم اندر داخل ہوئے۔ اب تو اس دروازہ کی قطع وضع بالکل سیدھی سادی ہے۔ مگر کسی وقت اس کے دونوں سروں پر مضبوط پھاٹک لگے ہوئے تھے اور دونوں پھاٹکوں کے درمیان کی گنبددار جگہ مقتل کا کام دیتی تھی جہاں سیاہ فام بہرے اور گونگے اس صدر اعظم یا وزیر کو جو معتوب ہو گیا ہو۔ سلطان کے آخری سلام سے واپس آتے وقت فی الفور کمان سے ہلاک کر دینے کیلئے ہر وقت تیار کھڑے رہتے تھے اس دروازہ سے ہم جس صحن میں داخل ہوئے۔ اس میں درخت اور پھول لگے ہوئے ہیں اور دائیں طرف کو نو باورچیخانے ہیں۔ یہ گنبددار ہیں اور ہر گنبد میں دھوئیں کے نکلنے کے لئے ایک ایک سوراخ ہے۔ پہلا باورچیخانہ سلطان کے لئے۔ دوسرا سرکردہ حرموں کیلئے اور اسی طرح درجہ بدرجہ نواں باورچیخانہ سب سے ادنیٰ درجہ کے خادموں کیلئے ہوتا تھا ہم ایک خوشنما روش کے رستہ جسکے دونوں طرف خوبصورت سروں کی قطاریں تھیں باب سعادت پہنچے اور اس میں سے محل سرائے کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے۔ خزانہ کا محافظ ہمکو اسکی سیر کرانیکے لئے

ابھی تیار نہ تھا۔ ہم ذرا سویرے پہنچ گئے تھے۔ اس لئے اسکے تیار ہونے تک نجیب بک ہمکو مجیدیہ
کوشک میں لیگیا۔ یہ کوشک ایک خوبصورت گلشن میں بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے ایک طرف ہم کو جزائر
شہزادگان تک بحیرہ مارمورا اور اولمپس کی برفانی چوٹیاں۔ اور بائیں طرف خلیج کا دہانہ اور ایشیا
اور یورپ کی پہاڑیوں کے درمیان نقرئی دہاری کی طرح پیچ در پیچ گذرتا ہوا باسفرس کا دریا دکھا
دیا۔ اسکی آرائش فرنچ طرز میں کی گئی ہوئی ہے۔ چوطرفہ کے نظاروں سے سیر ہوکر ہم اسکے بڑے کمروں
میں سے ایک میں چلے گئے اور وہاں ہمارے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ دعوت میں ایک عجیب واقعہ گذرا۔
ایک خدمتگار بلوری برتن میں کوئی لیسدار شیرینی یا مربہ لاکر مہمانوں میں تقسیم کر رہا تھا۔ کہ جونہی وہ
ایک لیڈی کے قریب پہنچا۔ اسکا پاؤں فرش کی نہایت ہی صاف اور چکنی چوبی تختہ بندی سے
جسپر سیپ اور ہاتھی دانت کا کام تھا پھسل گیا۔ اور اس وقت جب وہ آگے کو جھکا تو مربہ برتن سے
اچھل کر لیڈی مذکورہ۔ فرش اور اسکے کپڑوں پر گر پڑا۔ اس سے کوئی چنداں نقصان نہ ہوا۔ تھوڑے
سے پانی سے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ مگر غلام کے چہرہ پر کچھ ایسی مردنی سی چھاگئی ہوئی تھی
کہ ہم سب کو خیال پیدا ہو گیا۔ کہ اس غریب کو کوئی بہت ہی سخت سزا ملیگی۔ کھانیکے بعد سگرٹ تقسیم کئے
گئے۔ بعد ازاں خادموں کی ایک جماعت جن کی پوشاک اور عمامے سفید تھے۔ طلائی طاشتوں میں
قہوہ کی پیالیاں لیکر آئے۔ جو پیالیاں مرد مہمانوں کو دی گئیں۔ انکی پرچیں ٹھوس سونے کی تھیں۔
جن پر نقش و نگار کا بہت کام تھا۔ اور جو لیڈیوں کو دیگئی تھیں۔ انکی پرچیں نہایت ہی نفیس
طلائی تاروں سے بُنی ہوئی تھیں اور اُنپر اسقدر ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ کہ تل بھر جگہ خالی نہ
تھی۔ سب سے آخر قہوہ چی آیا۔ وہ اپنی بائیں بازو اور کندھے پر نہایت ہی بیش قیمت قرمزی دسترخوان
جسپر طلائی بیل بوٹے کاڑھے ہوئے تھے۔ ڈالے ہوا تھا۔ اُسکو ایک دوسرے غلام نے اٹھا لیا۔ اور
اس وقت ہم کو معلوم ہوا کہ اُسنے ایک لمبی اور نازک قہوہ دانی خالص سونیکی ہاتھ میں پکڑی ہوئی
تھی جس سے اُسنے ہماری پیالیوں میں قہوہ ڈالدیا۔ جب ہم نے پیالیاں واپس کیں تو انکو بڑی احتیاط سے
گِن لیا گیا۔ خدام کی اس احتیاط اور خبرداری کو ہم بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔

آخرش نجیب بک نے ہم کو اطلاع دی کہ اعلیٰ خزانچی تیار ہو گیا ہے ہم سب جلد عمارت کے دروازہ
پر پہنچ گئے۔ اسکی پیشانی پر بھی چینی کا کام بنا ہوا ہے۔ دروازہ صرف اسی وقت کھولا گیا۔ جبکہ
ہم داخل ہونیکے لئے تیار ہو گئے۔ خزانہ تین کمروں میں ہے۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے ہیں۔ ہر ایک
چیز بلوری الماریوں میں بند ہے۔ پھر بھی ہر ایک کمرہ خادموں سے بھرا ہوا تھا۔ جو کسی وقت بھی

ہم سے نظر نہ ہٹاتے تھے۔ سب سے عجیب چیز پہلے کمرہ میں ہی ہے۔ یہ خالص سونے کا بہت بڑا تخت ہے سونے پر مینا کاری ہے۔ اور بیشمار الماس لعل۔ زمرد اور موتی اسپر جڑے ہوئے ہیں یہ ایران سے غنیمت میں ملا تھا۔ ایرانی دستکاریاں نزاکت اور چمک دمک میں شہرہ آفاق ہیں یہ دونوں باتیں اس تخت میں بھی پائی جاتی ہیں اس ستار کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی ایذا رساں چمک یا حسیات عظیم انسانی نہیں پائی جاتی۔ وہ شکل میں ایک بہت ہی بڑی ایسی مدور کرسی کے مشابہ ہے۔ جو لکھنے پڑھنے کے کمروں میں استعمال کی جاتی ہیں جواہرات میں سے موتی بالخصوص بڑے بڑے اور کمال آبدار ہیں۔ اور خوب موقع بہ موقع نصب ہیں۔ اسی کمرہ کی گیلری (برآمدہ) میں ایک اور تخت ترکی ساخت کا رکھا ہے۔ وہ آبنوس اور چوب صندل کا ہے جسپر سیپ اور سونے چاندی کا نفیس کام بنا ہوا۔ اور لعل زمرد اور موتی جڑے ہوئے ہیں اس کا چھتر خالص سونے کا ہے جسکے وسط میں مرغی کے انڈے کے برابر ایک زمرد لٹک رہا ہے۔ وہ گاؤں کٹا ہے۔ اور تر چھوا کر درست نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم آب و تاب میں بےمثال ہے۔ دیواروں کے گرداگرد کے تمام خانے اور اسلحہ اور زرہوں سے بھرے ہوئے ہیں یہ سب کے سب اعلیٰ درجہ کے مرصع ہیں۔ اور بعض دمشق کی ساخت ہیں جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ ایسی کئی تلواریں ہیں۔ جن کے قبضے از سرتا پا جواہرات سے ڈھنپے ہوئے ہیں۔ زیتون کے چار جامے اور گھوڑوں کے ساز و یراق جملہ اقسام کے قیمتی پتھروں سے مرصع ہیں اور انہی بیش بہا چیزوں کے دوش بدوش بالکل بےقیمت اور ناکارہ چیزیں مثلاً فوق الیھڑک کلاک معمولی چینی اور گلٹ کے برتن۔ جو غالباً پیرس کے شاہی محل سے حاصل کی گئے تھے بناؤ سنگار کے فضول لوازمات باجے اور معمولی ریوالور اوپر تلے کسی سلیقہ یا لیاقت کے بغیر رکھے ہوئے ہیں ایک کمرہ کے وسط میں خانہ دار گول میز ہے۔ اس میں سونے اور چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے پیالے رکھے ہیں۔ دنیا کا کوئی سکہ نہیں جو وہاں نہ ہو اکثر بہت ہی پرانے زمانے کے ہیں۔ جن میں ایران کے ساسانی بادشاہوں کے وقت کے ایسے طلائی سکے بھی ہیں۔ جو پرانے سکوں کے شائقین کی نظر سے ابتک نہیں گذرے ہر ایک پیالہ میں جدا جدا قسم کے سکے ہیں۔ دوسری میز میں ان کٹے جواہرات قسم وار متعدد پیالوں میں اتنے لتنے رکھے ہوئے ہیں۔ کہ انسان ان کی کئی مٹھیاں بھر سکتا ہے یا بالفاظ دیگر اگر چاہے تو جواہرات سے ہاتھوں کو غسل دے سکتا ہے۔ دوسرے کمرہ کی دیواری الماریوں میں سلطان محمد فاتح سے لیکر جس نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا سلطان محمود ثانی

مصلح تک جو ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا۔ کل سلاطین کی درباری پوشاکیں رکھی ہیں آخر الذکر سلطان نے ہی عماموں کی جگہ فیض کو رواج دیکر قدیم ترکی لباس بڑی بڑی شلواروں اور وزنی خمدار تلواروں کو ترک کرکے موجودہ سادہ ترکی لباس رائج کیا تہا۔ یہ لباس بیش قیمت ریشمی زربفت کے ہیں جن پر طلائی اور نقرئی کام بہت کثرت کے ساتھ ہے۔ اور ہر ایک کے کمر بند میں ایک ایک بیش بہا پیش قبض لگا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک کا قبضہ ایک سالم بڑے زمرد کا ہے۔ ہر ایک شاہی دستار کے ایک طرف مرصع کلغی ہے۔ خدا نے ہم کو کمروں میں پھیلنے نہ دیا۔ نہ ایک ہی چیز کے سامنے زیادہ عرصہ ٹھیرنے دیا۔ گو جیسا کہ میں اوپر لکھ چکی ہوں۔ ہر ایک چیز بلوری خانوں میں بند اور محفوظ ہے۔ خزانہ سے باہر نکلنے پر ہمیں بتایا گیا۔ کہ اس سامنے کی عمارت میں جو چھوٹی سی مسجد معلوم ہوتی ہے۔ ملبوسات متبرکہ یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ۔ علم نیز ان کا عصا۔ تلوار اور کمان رکھے ہوئے ہیں سلطان سال میں ایک دفعہ بماہ رمضان معہ اعیان و امراء وہاں جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے جبّہ مبارک کو نکال کر پہلے خود چومتے ہیں اور پھر باقی کل حاضرین کو اسکی زیارت کراتے ہیں پیغمبری جھنڈا اگر کھڑا کیا جائے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا کے کل مسلمان غزا کے لئے اسکے گرد جمع ہوجائیں اسلئے اس کو صرف سلطان بحیثیت خلیفہ اور بادشاہ کھڑا کر سکتے ہیں۔ اسی ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود مصلح نے ینگچریوں کے مقابلہ کیوقت باہر نکالا تھا جس لڑائی میں ینگچریوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے معدوم ہوگئی۔ اور مردانہ مقابلہ کے بعد ان کے سات ہزار آدمی تلوار اور توپ کا شکار ہوئے تہے نوعمر سلطان نے جسے اونہی نے تخت پر بیٹھایا تہا۔ ان کو ایسا نیست و نابود کردیا تہا۔ کہ وہ اسکے لیے پرنہیں چلتے تہے۔ استنبول اور پیرا کے تمام باشندے کمال تردد اور فکر سے لڑائی کے نتیجہ کا انتظار کر رہی تہے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے تہے کہ اگر ینگچری غالب آگئے۔ تو وہ کل آبادی سے نہایت سنگدلی اور سفاکی کے ساتھ بدلہ لیں گے۔ خزانہ کے بعد ہم نے کتبخانہ کی سیر کی اس میں کہا جاتا ہے۔ کئی ہزار قلمی نسخے عربی۔ فارسی۔ اور ترکی زبان میں موجود ہیں۔ اور ممکن ہے گمشدہ یونانی نسخے بہی شاید کسی دن یہیں سے برآمد ہوجائیں مگر ہمنے وہاں ایک کتاب یا قلمی نسخہ نہ دیکھا۔ سب اونچی اونچی بلند الماریوں میں جو دیواروں کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ مقفّل تھیں بند تھیں۔ اور مکان کی ظاہری صورت دیکھکر اسکے کتب خانہ ہونیکا کبھی گمان بھی نہیں ہوسکتا تہا۔ چنانچہ اس مایوسی بخش کمرہ سے ہم جلد جلد باہر نکلکر دیوان یعنی ایوان تخت شاہی کو چلے گئے۔ وہاں سلاطین ایک جالی دار کٹھرے کے پیچھے تخت پر

بیٹھ کر سفرائے دول کو شرف باریابی عطا کیا کرتے تھے۔ ایوان کی تمام دیواروں پر عجیب و غریب بیل بوٹوں اور چینی کا کام ہے۔ اور ایک بہت بڑا دیوان یا تخت جسکے چھتر پر قیمتی تیجے جڑے ہیں۔ ایوان کے بہت سے حصّے کو روکے ہوئے ہے۔

ناظرین کو خیال ہو کہ ۱۸۶۵ء کی عظیم آتشزدگی میں کئی کوشکیں اور چھوٹے چھوٹے محل جل گئے تھے۔ مگر سلاطین اس سے پہلے محل سرا کی رہائش ترک کر کے باسفرس کے جدید قصرات چراغان اور دولما باغچہ میں چلے گئے تھے۔ اس میں اب صرف سابق سلاطین کی حرمین اور منظور نظر کنیزکیں رہتی ہیں۔ جن میں سے بعض بہت ہی معمّر ہیں۔ دیوان خانہ سے نکلکر بغداد کو شک کو جاتے وقت ہم محل سرا کے ایسے حصّے سے گذرے۔ جہاں دوسرے حصوں کی نسبت باغات عمدہ حالت میں تھے۔ اور بنا و سنگار کی نقرئی اشیاء کی کچھ مقدار دھوپ میں پڑی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ انکو ابھی صاف کیا گیا ہے۔ میرے بیٹے نے پتہ لگایا کہ یہ چیزیں اُن منظوران نظر میں سے بعض کی ملکیت ہیں جو کسی وقت سیناء و سفید کی مالک رہ کر اب محلسرا کی ان کوشکوں میں جن کی حالت باقی سے بہتر ہے موت کے دن پورے کر رہی ہیں۔ آخری سلطان جو محل سرا میں سویا وہ عبدالعزیز مرحوم تھا۔ جو معزولی کے بعد پہلے وہاں بھیجدیئے گئے۔ اور پھر چند دنوں کے بعد چراغان محل کو جہاں وہ فوت ہوئے بھیجدیئے گئے تھے۔ بغداد کوشک بلندی پر واقع ہے۔ اور سنگ مرمر کے زینوں پر چڑھ کر اس تک پہنچا جاتا ہے۔ جس قدر تُرکی عمارتیں اس وقت موجود ہیں۔ وہ سب سے خوبصورت تصوّر کی جاتی ہے۔ دیواریں از سرتا پا نیلگوں چینی کی ہیں۔ دروازے ہاتھی دانت اور سیپ کے اور جس قدر قالین دیوان اور پردے اس میں موجود ہیں۔ وہ سب مشرقی صناعی اور دستکاری کے بہترین نمونے ہیں۔ گو رنگ شوخ ہیں مگر ایسی استادی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ کہ کل مجموعہ کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی بیہودہ بھڑک نہیں پائی جاتی۔ اس کوشک سے ہم نے خلیج (یا بندرگاہ) سے پرے جو ہلکی پھلکی قایق سے لیکر بڑے بڑے بدشکل سٹیمروں تک ہر ایک قسم کی مرکب تری سے پرُ تھی پیرا اور غلطہ کا خوب نظارہ کیا۔ یہ بڑے سٹیمر جن سے عموماً ہر وقت غلیظ دھوئیں نکلتا رہتا ہے۔ باسفرس میں یا جزائر شہزادگان تک بحیرہ مرمرا میں آمد و رفت کرتے رہتے ہیں۔ کوشک کے بائیں میں جو باغات تھے۔ ان میں ہمنے

کارنتھی طرز کی ساخت کا ایک ستون دیکھا۔ جو قصر تھیوڈوسی اس اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسپر ایک آدھ مٹا کتبہ ہے جس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ستون قیصر کلاڈی اس گوتھی کس کے وقت کا ہے۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہے۔ تو ستون مذکور شہر کی قدیم ترین اشیاء میں شمار کئے جانیکا مستحق ہے۔ سب سے پرانی چیز وہ ستون باران ہے۔ جو آت میدان میں کھڑا ہے۔ اور اسپر کسی وقت دلفی کے مندر کی بت اپولو کی پجارن کا طلائی ترسولا نصب تہا۔ اس کو قسطنطین وہاں سے بانی قسطنطنیہ لایا تہا۔ سانپ کے تینوں سر اب غائب ہیں ایک کو سلطان محمد فاتح نے فتح کے دن ایاصوفیا کو جاتے وقت اپنے گرز سے توڑا تھا۔ تین میں سے ایک سر عجائب گھر میں پڑا ہے۔ ابتدائی قیاصرہ کے زمانہ میں محل سرائے گوشہ پر کئی سرکاری عمارات موجود تہیں۔

ہم اب محل سراء کے اس حصہ میں تھے۔ جو حرم سرا کا کام دیا کرتا تہا۔ بغداد کوشک حرم کے وسط میں واقع ہے۔ ہمارا دل تو یہی چاہتا تہا۔ کہ خوبصورت بغداد کوشک میں اور عرصہ ٹھیر رہ کر اس کے نرم اور گدگدے دیوانوں پر استراحت کریں۔ اور اس وحشیانہ شوکت۔ سفاکیوں اور پُراز درد و غم واقعات پر جنکو یہ باغ مشاہدہ کرتے رہے ہیں خیال کریں یا ایک کمرے سے دوسرے میں گلگشت کرتے پھریں۔ مگر وقت گذر تا جاتا تہا اور ہم نے خلیج کے پار جاکر ابھی بگلر بک اور دولما باغچہ کے محلات کو بھی دیکھنا تہا۔ چنانچہ ہم متروک الاستعمال اور سنسان صحنوں میں سے واپس ہوتے ہوئے جن میں کبھی وزراء امراء۔ عساکر۔ غلامان شاہی۔ خواجگان۔ اور مشرقی مطلق العنان بادشاہوں کے دوسرے وسیع و عظیم لوازمات اور خدام و حشم کا جمگھٹا لگا رہتا تہا۔ اورطہ کاپو سے باہر نکل آئے اور ہمارے قواص نے جو ہر دروازہ اور ہر عمارت میں علیحدہ علیحدہ انعام و اکرام خدام کو دیتا رہا تھا۔ آخری بخشش۔ محافظ اورطہ کاپو کو دی۔ وہاں سے ہم گاڑیوں پر سوار ہو کر پل کو دوبارہ عبور کر کے غلطہ کے پرے بازاریں سے تو پخانہ کی گھاٹ پر پہنچے۔ وہاں خاص سلطانی قائقین جن میں سے ہر ایک پر دس دس چپے تہے۔ ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں جیسا آرام اور مزہ اس کشتی پر حاصل ہوتا ہے۔ اور کسی قسم کے جہاز یا مرکب تری کی سواری میں نہیں ملتا۔ اُن پر میں اور میرا خاوند پہلی مرتبہ سوار ہوئے۔ شاہی قائقچی بڑی گھیرے دار شلواریں۔ بروصہ کے سفید باریک ریشمی کپڑے کے کھلے کُرتے جن پر طلائی ڈوری

لگی ہوئی تھی۔ اور نیس پہنے ہوئے تھے۔

ان پر ہم پہلے محل دو لما باغیچہ کو گئے۔ سفید سنگ مرمر کی یہ عظیم الشان عمارت باسفرس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اور موجودہ مذاق کے مطابق نہایت شان و شوکت کے ساتھ سجائی گئی ہوئی ہے۔ وہاں کی سب سے عجیب چیزیں بڑا درباری ہال (ایوان) جس کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ اور عجیب و غریب حمام ہے۔ حمام بھی وسعت میں لاثانی ہے۔ اسکی دیواریں شفاف سنگ سفید کی۔ اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ ہم وہاں کے مرقع یا کمرہ تصاویر کو دیکھکر بہت حیران ہوئے۔ اس میں زیادہ تر فرانسیسی یا دیسی مصوّروں کی تصاویر تھیں جو سب کی سب نہایت ادنیٰ درجہ کی تھیں۔ درباری ایوان سے پرے حرم سرا ہے۔ جس میں اب وہ کنیزیں رہتی ہیں۔ جو منظور نظر نہیں رہ گئیں۔ انکے واسطے محل میں ایک خوبصورت باغ بھی ہے۔ اس موقع سے بعد ہم کئی دفعہ گاڑی پر سوار اس محل کے پاس سے گذرے۔ مگر خشکی کی طرف بیرونی دیواریں بہت بلند ہیں جنکی وجہ سے محل نظر نہیں آتا اس دیوار میں جُدا جُدا دو نہایت ہی خوبصورت پھاٹک ہیں۔ سلطان المعظم بیرام کے دن اُن میں سے ایک میں سے اپنے درباریوں سمیت جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ گذر کر محل میں رونق افروز ہوتے ہیں اور وہاں عید کا دربار کرتے ہیں۔ محل کا وہ حصّہ جو باسفرس کی طرف ہے۔ کمال دلاویز اور خوشنما ہے۔ سنگ مرمر کے زینے محل کی لیکر جسکی عمارت نفاست کے ساتھ ہی پائیدار بھی غضب کی ہے۔ پانی تک چلے گئے ہیں۔

یہ تمام سلطانی محلات سے بہت ہی بڑا ہے۔ مگر سال میں صرف دو دفعہ چند گھنٹوں کے لئے سلطان المعظم کے استعمال میں آتا ہے۔ اسکے سیر سے فارغ ہو کر ہم پھر کشتیوں پر سوار ہو کر باسفرس کو عبور کر کے ایشیائی ساحل پر پہنچ گئے جس براعظم کی سرزمین پر ہم میں سے اکثر نے اب پہلی مرتبہ قدم دھرا۔ بگلر بک کا خوبصورت محل جسے بے نصیب عبدالعزیز نے تعمیر کرایا تھا خالص سنگ مرمر کا ہے۔ اس میں اب کوئی نہیں رہتا۔ اور گو سلطان المعظم وقتاً فوقتاً اس میں اپنے شاہی مہمانوں کو اتارتے رہتے ہیں۔ مگر وہ ابھی تک پورا مکمل بھی نہیں ہوا۔ اس کی اندرونی آرائش کمال شاندار اور بالکل ایشیائی مذاق کے مطابق ہے پہلی منزل میں ایک بڑا ستون دار ایوان ہے جس کی وسط میں سنگ مرمر کا حوض معہ فوارہ بنا ہوا ہے۔ محل کے اس حصّے کے دریچے جالی دار ہیں جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی وقت یہ حرم سرا کے

کا کام دیتا تھا۔ ہمارے چند رفقاء چڑیاخانہ دیکھنے کے لئے جسے عبد العزیز نے بنایا تھا۔ اس پہاڑی باغ پر جو محل کے پچھواڑے میں ہے چڑھ گئے۔ لیکن اکثر نے چونکہ دن بہت گرم تھا۔ سنگ مرمر کی ایک خوبصورت اور سرد کوشک میں جو باسفرس کے ساحل پر تھی استراحت کرنیکو ترجیح دی۔ گلاب ہر کنج و گوشہ میں بافراط اُگے ہوئے تہے۔ باغبان نجیب بک کے حکم دینے پر ہمارے لئے اُن کے گلدستے بنالائے۔ یہاں سے ہم نائیقون پر سوار ہوکر توپخانہ کی گھاٹ کو واپس گئے۔ وہاں قائقجیوں کو فراخ دلی سے انعام و اکرام دیکر رخصت کر دیاگیا۔ ہمارے رفیق ایک دوسرے سے جدا ہوکر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ اور اس دن کی یہ تفریح بخیر و خوبی ختم ہو گئی۔

۴۔ سلاملک

ہمیں قسطنطنیہ میں آئے۔ چند دن ہی ہوئے تہے۔ کہ ایک دن ہمارے سفیر نے ہم کو کہا۔ "ہمیں سلطان المعظم کا پیغام پہنچا ہے۔ کہ حضور ممدوح اب تک پروفیسر کے ورود کی اطلاع نہ دیئے جانے پر حیران ہیں۔ جلالت مآب کی اس شفقت آمیز یادآوری کے جواب میں تم پر واجب ہے کہ اگلی سلاملک میں ضرور موجود ہو جاؤ۔ سلطان المعظم اس حاضری کو حاضر ہونے والے کی طرف سے آداب بجالائے جانے کے برابر تصور کرتے ہیں" سلاملک جمعہ کے دن سلطان المعظم کے بجلوس شاہانہ مسجد کو جانیکی رسم کو کہتے ہیں۔

چنانچہ جمعہ کے دن ہمارا بیٹا گیارہ بجے کے وقت گاڑی لیکر پہنچگیا۔ اس کے کوچ بکس پر سفارت کا ایک قواص بیٹھا ہوا تھا۔ قواص ان دیسی ملازموں کو کہتے ہیں جنہیں سلطان المعظم سفراء اور ایلچیوں کی حفاظت کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ ان کو تنخواہ اور وردی سفراء دیتے ہیں۔ اور سلطان المعظم کے حضور وہ اپنے سفراء اور ان کے ماتحتوں کی حفاظت کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ زمانہ سابق میں اگر سفارت کے کسی عہدہ دار پر کوئی حادثہ ہو جاتا تھا۔ تو بدنصیب قواص خواہ اس کا قصور ہو یا نہ ہو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔ جن لوگوں نے پال بانوٹ کا قصہ پڑھا ہے۔ ان کو یاد ہوگا کہ آیا صوفیا سے سکندر یانوٹ کے نامعلوم طور پر گم ہو جانے سے قواص کے کیسے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ انگریزی سفارت میں چھ قواص ہیں۔ ان کی غیر رسمی وردی سیاہ نیلگوں کپڑے کی جسپر گنجان سیاہ ڈوری بھری ہوتی ہوتی ہے۔ پیٹی سنہری اور چوڑی ہوتی ہے۔ اور کندھوں پر پرتل بھی سنہری ہوتی ہے۔ وہ سب تلوار اور نیز ایک

سنہری چرمی تھیلے میں جو کمر بند سے لٹکا ہوتا ہے۔ ریوالور رکھتے ہیں۔ اُن کی رسمی پوشاک ہلکی سی قرمزی رنگ کی ہے جس پر ڈوری بھی اسی رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ صرف درباری موقعوں پر جبکہ وہ سفیر کے ساتھ ہوں پہنی جاتی ہے۔

ہم سب صباحی پوشاک میں تھے قسطنطنیہ کے سفراء اور انکے ماتحت رسمی لباس بہت کم پہنتے ہیں ہم پہلے بڑے بازار کے نئے حصہ سے گذرے۔ کل پیرا میں یہی بازار خوبصورت ہے وہ ۱۸۷۰ء کی عظیم آتشزدگی کے بعد جسمیں انگریزی سفارت خانہ بھی جل گیا تھا۔ از سرِ نو تعمیر کیا گیا ہے۔ تمام بہترین دوکانیں۔ کلب گھر اور ہسپانوی سفارت خانہ یہیں ہے۔ اس بازار سے دائیں طرف چکر کاٹ کر ہم قبرستان کی طرف ہو گئے۔ اس میں ابھی تک مردے دفن کئے جاتے ہیں۔ یہ پہلا ترکی قبرستان تھا۔ جو ہماری نظر سے گذرا۔ مردوں کی قبروں کے سرہانے جو ستون کھڑے کئے جاتے ہیں۔ ان پر شناخت کیلئے عمامہ بنا دیا جاتا ہے۔ کئی ستون گر گئے ہوئے تھے اور باقی میں سے بھی سیدھا کھڑا ہوا کوئی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کم و بیش سب ٹیڑھے ہو رہے تھے تمام ترکی قبرستانوں کی یہی کیفیت ہے جس سے دیکھنے والے کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ترک اپنے قبرستانوں کو درست رکھنے کی چنداں پروا نہیں کرتے۔ اسکے مقابلہ پر اچھی بات یہ ہے۔ کہ ہر قبرستان میں چھوٹا ہو یا بڑا سینکڑوں سرو اتنے بڑے قدوقامت کے لگے ہوئے ہیں جس کا انگلستان میں کبھی خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ شہر کو دور سے دیکھنے پر خواہ کدھر سے اور کب دیکھا جائے۔ انکی وجہ سے بہت دلاویز نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر مسجد کے گرداگرد کھڑے ہیں۔ اور چمکدار سفید میناروں کے مقابلہ پر ان کی سیاہ سبزی عجیب بہار دکھاتی معلوم ہوتی ہے۔ سقوطری اور قبرستانوں کی طرح پہاڑیوں پر بھی سیاہ ستونوں کی مانند سر بفلک کھڑے ہیں۔ ترکی مستورات قبرستانوں میں قالین بچھا کر سارا سارا دن انکے سایہ میں گذار دیتی ہیں۔ وہ ایسا اس لئے نہیں کرتیں۔ کہ انکو متوفیوں سے کوئی گہری محبت ہوتی ہے۔ برعکس اس کے ترک مردہ جسم کی جبکہ وہ ایک دفعہ آغوشِ لحد میں چلا جائے بہت کم پروا کرتے ہیں ان کا قول ہے۔ کہ جسم کے قبر میں پڑتے ہی روح بہشت میں پہنچ جاتی ہے۔ اور روح ہی وہ چیز ہے۔ جس سے ہم کو الفت تھی۔ اسی وجہ سے ترک لوگ اپنے جنازوں کو ایسی جلدی سے لیکر چلتے ہیں کہ ہم عیسائی لوگوں کو یہ حرکت بہت نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ جلدی اس لئے کر رہے ہیں۔ کہ جس قدر جلد مردہ قبر میں جائیگا۔ اسی قدر اس کی

روح کو بہشت میں جلد جانیکا موقع ملیگا۔ اگر کسی نیک بخت اور متقی ترک کے پاس سے جنازہ گذرے تو وہ جنازہ برداروں کا جو جلد جلد چلنے سے جلد تھک جاتے ہیں ضرور ہاتھ بٹائیگا ایسا کرنے والا اگر چالیس قدم چلے تو اس کا ایک کبیرہ گناہ بارگاہ خداوندی سے معاف ہو جاتا ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ ترکی مستورات تفریح کے لئے قبرستانوں کو جاتی ہیں۔ قلعہ رمیلی حصار کے بائیں ایک چھوٹا سا متروک الاستعمال قبرستان ہے جو باسفرس کے کنارہ تک ڈھال کہا تا چلا گیا ہے۔ اس نواح کی ترکی مستورات کیلئے وہ عام تفریح گاہ ہے۔ مجھے خیال ہے کہ کبھی باسفرس سے نہ گذرے ہوں گے۔ جبکہ ہم نے قبرستان میں ادہر اُدہر اور بالخصوص اسکی حد پر کے خوبصورت سرو کے درخت کے نیچے سبزہ زار پر چمکدار قالین بچھائے ہوئے ان پر سفید پوش مستورات کے جہرمٹ کو نہ بیٹھا دیکھا ہو۔ عورتوں کی قبر کے سرہانے پتلے سے سیدھے ستون کہڑے کئے جاتے ہیں جنپر سنہری رنگ سے ایک شاخ بنادی جاتی ہے۔ اور جسقدر متوفیہ کے بچے ہوں۔ اسی قدر اس شاخ پر پھول بنادیئے جاتے ہیں جو پتوں میں باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں جس قدر ستون مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں سے بہت ہی کم ایسے تہے جن کی شاخوں میں فقط پتے ہی ہوں۔ پھول کوئی نہ ہو۔ سرو کی میٹھی اور بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے قبرستان میں زیادہ عرصہ بیٹھنے سے کوئی مضرت نہیں پہنچتی۔

پہلے قبرستان کے مقابل جرمنی سفارت کا گرانڈیل محل ہے۔ جہاں سے باسفرس کے اوپر سے دور تک نظارہ ہوتا ہے۔ سڑک یہاں بہت ڈھالو اور پیچ در پیچ ہے۔ اسپر سے ہم سنگ مرمر کے محل دولمہ باغچہ پہنچے یہ باسفرس پر ہے۔ اور صرف عیدین کے بڑے درباروں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے سلطان عبد المجید نے بنایا تھا۔ وہ اور اس کا جانشین بدقسمت عبد العزیز اکثر اسی میں رہائش رکھتے تہے۔ عبد العزیز جب ۱۸۷۶ء میں معزول کئے گئے تہے تو وہ اس وقت اسی محل میں سکونت گزین تہے۔ یہاں سے پہلے ان کو محل سرا اور پھر چراغان محل کو جو اس سے کچھ پرے باسفرس پر ہے۔ اور جہاں ان کی زندگی کا بے وقت خاتمہ ہوا بھیجدیا گیا تہا۔ محل مذکور سے لیکر لشکر طاش کے کل مضافات کی سڑک فوج سے بھری ہوئی تہی۔ جو سلانک کو چلی جا رہی تھی۔ ہر چوک پر ہم کو سالم کی سالم کمپنیاں ملیں جو غبار آلود سڑکوں پر لمبا سفر کرنیکے بعد وردیوں اور بوٹوں کو جہاڑ رہی تہیں۔ کئی رجمنٹیں سلانک کے موقع پر استنبول کے بعید ہی حصوں بلکہ شہر پناہ کے باہر سے

آتی ہیں۔ ان کے افسر زرق برق وردیاں پہنے قہوہ خانوں کے دروازوں پر جو بازار میں
بہ تعداد کثیر موجود ہیں۔ آرام کر رہے اور قہوہ و تمباکو پی رہے تھے۔ وہاں سے بائیں طرف خشکی
کی جانب سیدھا چکر کاٹ کر ہم اس سیدھی چڑھائی پر ہو گئے۔ جو یلدز محل کو جاتی ہے۔
سلطان المعظم ہمیشہ اسی محل میں رہتے ہیں۔ اور صرف مسجد کو جانیکے لئے جو محل سے ایک گولی
کے ٹپہ پر ہے۔ یا عیدین کے موقع پر دولمہ باغچہ میں اعیان و اراکین سلطنت کو شرف باریابی
عطا کرنیکے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔ خرقہ شریف کی زیارت کیلئے جو رمضان میں
کی جاتی ہے۔ وہ ہر سال قدیم محلسراء کو نہیں جاتے۔ اور جس سال وہ جانیکا عزم کر لیتے ہیں۔ تو
جس رستہ سے تشریف لے جانیکا قصد ہو اسے آخری وقت تک خفیہ رکھتے ہیں تاکہ اعداء
اور مفسدین انکی ذات خلافت پناہی پر کسی قاتلانہ حملہ کا کوئی انتظام پہلے سے نہ کر سکیں۔
پہلے جبکہ سلاطین باسفرس کے ساحلی محلات میں سے کسی ایک میں رہتے تھے۔ تو شاہانہ
جلوس بڑی بڑی گلٹ شدہ قائقوں پر جو ایک سو فیٹ لمبی ہیں اور ہر ایک میں ۲۶ قائقچی
ہوتے تھے۔ باسفرس کو رستہ محل سرائی گوشہ کے بائیں تک جاتے تھے اور وہاں قائقوں سے
اتر کر سب شاندار گھوڑوں پر سوار ہو کر باغوں میں سے باب ہمایوں کو جاتے تھے۔ اب یہ کشتیاں
خلیج کے دہانہ پر ایک عمارت میں جو بندرگاہ پر بنی ہوئی ہے بند ہیں۔ اس درباری جلوس کا
نظارہ واقعی بہت ہی شاندار اور خوشنما ہوتا ہو گا۔ کیونکہ تمام درباری اور امراء وزراء سلطان
کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ پہلے سلاطین میں سے اکثر رمضان کے آخری سات راتوں کو جن میں قرآن
شریف آسمان سے نازل ہوا۔ ایا صوفیا کو بھی جایا کرتے تھے۔ اور ان موقعوں پر بھی تزک و احتشام
اور ٹھاٹھ ہوتا تھا۔ جیسا اب عیدین کے دربار کیلئے دولمہ باغچہ کو جاتے وقت ہوتا ہے۔ فرق
صرف یہ ہوتا تھا۔ کہ ان جلوسوں میں تمام بڑی بڑی مساجد کے امام بھی جلوس میں شامل ہوتے تھے
موجودہ فرمانروا نے ایا صوفیا جانا بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔ مکانوں کی جالی دار کھڑکیوں سے معلوم ہو
رہا ہے کہ یہ سارا محلہ (بشکطاش) ترکوں کا ہے۔ غربا کے مکانات کے کل دریچے جنکی مستورات کو
گھر کا کل کاروبار کرنا پڑتا ہے بجالی دار ہیں اور متمولوں کے مکانوں میں جنکے پاس خدمتگاری
کے لئے باندیاں موجود ہوتی ہیں۔ صرف حرم سراء کے دریچے اس طرح محفوظ ہیں سلاملک
یعنی مردانہ حصوں کے دریچے جن میں مستورات کبھی داخل نہیں ہوتیں بلا جالی ہیں پست قامت
مگر مضبوط و چالاک عربی گھوڑے سیدھی پہاڑی پر ایسی تیزی سے چڑھے کہ ہمکو ان پیدلوں کی

متعدد جھنڈوں کو بھی جو ایک ہی جگہ جانیکے لئے پہاڑی پر چڑھے چلے جا رہے تھے۔ دیکھنے کا پورا موقع نہ ملا۔ کہیں عرب عمامے باندھے اور لمبے لمبے بے تشکل جبّے پہنے۔ کہیں متین ونفقہ ترک فیس اور لمبے کوٹ پہنے اور ان میں سے بعض بعض اپنے خوردسال بچّوں کو بھی جو نیز اسی طرح کوٹ اور فیس ڈانٹے ہوئے تھے۔ ساتھ لئے ہوئے تھے۔ کہیں ادنی اجماعتوں کی مستورات سفید برقعے لئے۔ کہیں درویش لمبی لمبی بھوری کلاہیں اوڑھے۔ اور کسی جگہ ترکی سائیس زرق البھڑک وردیوں میں اپنے اپنے آقاؤں کیلئے جو پہاڑی کی چوٹی پر محل کے قریب منتظر کھڑے تھے۔ خوبصورت اور شاندار گھوڑے جن پر ساز بھی نہایت زرق برق کے پڑے ہوئے تھے لئے چلے جا رہے تھے ان کے علاوہ علماء شیوخ اور مفتی گروہ در گروہ سڑک پر موجود تھے۔ جو سب کے سب سلطان المعظم کے دیدار کیلئے جن کا وہ بحیثیت اپنے شہنشاہ کے ہی نہیں۔ بلکہ بحیثیت نائب رسول اللہؐ وخلیفۃ المسلمین بھی ادب وعزت کرتے ہیں چلے جا رہے تھے۔

آخر ہم مسجد (جامع حمیدیہ) کے مقابل ایک پست سفید عمارت کے سامنے جا کر جس کی دریچوں سے وہ لوگ جنکو سفارتی وکلاء اور ایلچی ساتھ لیجائیں یا معرفت کرائیں جلوس کو دیکھ سکتے ہیں۔ گاڑی سے اتر پڑے اور صحن میں سے گذر کر جس میں وہ لوگ جن کے پاس داخلہ کے ٹکٹ نہ تھے۔ اور نیز بیشمار پاشا اور یاور اپنے اپنے مقررہ مقام پر قائم ہونیکے وقت کے پہنچنے کے انتظار میں کھڑے تھے۔ گذر کر دروازہ پر پہنچگئے۔ اور اپنے نام کے کارڈ دیکر عمارت کے اندر داخل ہوگئے۔ ہم کسی قدر سویرے پہنچ گئے۔ ابھی ساڑھے دس بجے نہیں رُکے تھے۔ جس سے ہم کو ایک دریچہ میں اگلی کرسیاں مل گئیں اور گو جلوس کے آنے میں کچھ دیر تھی۔ مکان سے باہر میدان میں خاصی چہل پہل اور رونق ہوگئی ہوئی تھی۔ ہمارے سامنے سڑک سے پرے وسیع پختہ فرش پر وہ چھوٹی سی سفید مسجد تھی۔ جس میں سلطان نماز ادا کرتے ہیں دائیں طرف اس سڑک کے پرے کنارہ پر جسکے رستہ ہم پہاڑی پر چڑھے تھے۔ فوج سواران کے دو زبردست بیڑے پرے باندھے کھڑے تھے۔ ایک بیڑہ کے گھوڑے سمندر اور دوسرے کے بادامی رنگ کے تھے۔ سواروں کے ہاتھ میں نیزے تھے۔ جنکی سرخ بیرقیں دھوپ میں آب وتاب کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ انکے سامنے کئی سو ترکی عورتیں سروں پر سفید ململ کا بڑا رومال برقعہ کا کام دینے کے لئے باندھے ہوئی کھڑی تھیں۔ یہ غریب لوگوں کی مستورات کا لباس ہے۔ امراء اور متموّلین کی عورتیں لیشمک یعنی باریک ململ کا نقاب پہنتی ہیں۔ غریب عورتیں اس رومال

کا ایک سرا منہہ کے اوپر سے بہی باندھ لیتی ہیں۔ مرد تماشائی طرح طرح کی پوشاکیں پہنے جہاں
انکے سینگ سما سکے کہڑے تہے۔ تھوڑی ہی دیر میں پہلے بینڈ (فوجی باجہ) کی آواز سنائی
دی۔ اور پیدل رجمنٹیں یکے بعد دیگرے بسرعت پہاڑی پر پہنچکر ان تمام سڑکوں پر جو مسجد کے ارد
گرد ہیں اپنے اپنے موقع پر صف بستہ ہوگئیں۔ بعدازاں ذوا وقوں کی دو رجمنٹیں جنکے
عمامے سبز سرخ ڈہیلی شلواریں اور سفید گیٹرز تہے۔ ہماری کہڑکیوں کے نیچے صف آرا
ہوئیں۔ وہ محل کی طرف سے پہاڑی کے اوپر سے یہاں آئی تھیں۔ باجہ ان کے آگے آگے
بجتا آتا تہا۔ اور سپاہیوں کے قدم نہایت سُبک اُٹھتے تہے۔ جنکی رفتار واقعی سپاہیانہ
اور کمال بانکی اور خوش وضع تہی۔ ہمارے بالمقابل سڑک سے پرے بحری سپاہیوں کی
رجمنٹ تھی۔ اس کے سپاہیوں کے کالر ملاخانہ یعنی بہت اونچے تہے۔ الغرض ہر ہفتہ مسجد
کے گرد جملہ تقریباً آٹھ ہزار سپاہ جمع ہوجاتی ہے۔ اور یہ فوج ہی بذاتہا کچھ کم فرحت بخش نظارہ
نہیں۔ کیونکہ ترکی سپاہی اعلیٰ درجہ کے قواعد دان ہیں۔ اور ان کی وردی بہی بہت عمدہ
اور نفیس ہے۔ ان کے افسروں کی وردیاں سنہری ایسی سے آنکھوں میں چکاچوند ڈال دیتی
ہیں۔ اور بالعموم تمام افسروں کے سینے نشانوں اور تمغوں سے ڈھنپے ہوتے ہیں۔ ہماری
کہڑکیوں کے نیچے ایک ایک دو دو کر کے اسپ سوار افسروں کی درخشاں جماعت جمع ہوگئی
تھی۔ اور سامنے بیش بہا وردیاں پہنے ہوئے لڑکوں کا ایک گروہ تھا۔ سلطان المعظم کے فرزند
اور وہ لڑکے تہے جو انکے ساتہ تعلیم پاتے ہیں۔ دیدار سلطانی کی منتظر فوج کی صفوں میں سقّے
پانی پلاتے پہرتے تہے۔ پہلی صف والوں میں سے اکثر کو ہم نے سقوں سے کٹورے لیکر پچھلی
صف والوں کو دیتے دیکہا۔

اتنے میں ہمارے قریب کسی نے آواز دی "ہز ایکسلنسی وہ چلے آرہے ہیں"۔ اسپر ہمنے
باہر جہانک کر دیکہا تو ہمارے سفیر کی گاڑی پہاڑی پر چلی آرہی تہی۔ اور دو قواص سرخ درباری
لباس میں آگے بیٹھے ہوئے تہے۔ اسی وقت بالو سے بہری ہوئی متعدد گاڑیاں آگئیں
انکے آگے گدہے اور ٹٹو جتے ہوئے تہے۔ ان میں سے جھٹ پٹ ہمارے سامنے کی سڑک پر
جسپر سے سلطان المعظم نے گذرنا تہا۔ ریت بچھادی گئی یہ آخری انتظام تہا جسپر تمام افسر جو نیچے کھڑے تہے خبردار ہوگئے۔ نوکر
چھوٹے چھوٹے سیاہ چرمی بکس لیکر مسجد کو دوڑ پڑے۔ ان میں ان کے آقاؤں کے رجونشانات وغیرہ
لگائے بغیر گھوڑوں یا گاڑیوں پر مسجد کو چلے گئے تہے۔ اور اس کے دروازہ پر جلوس میں شامل

ہونے بغیر سلطان المعظم کا استقبال کرینگے، نشان تمغے اور کندھوں کے سنہری جھالرین نہیں تھیں۔
اس وقت اعلیٰ خواجہ سراء جو دراز قامت مضبوط جسم معمر حبشی ہے صحن سے آہستہ
آہستہ نیچے اتر کر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک خادم اسکے نشانات وغیرہ کا بکس لئے ہوئے آگے آگے تھا
اعلیٰ ترین ارکین سلطنت (آلتی سی) میں اس کا درجہ تیسرے نمبر پر ہے یعنی خدیو مصر پر بھی
فوقیت رکھتا ہے۔ عین اس موقع پر ہمیں پیغام پہنچا کہ ہم اپنے سفیر کی کو[illegible] جو اس عمارت
کی نسبت محل سے زیادہ قریب ہے آجائیں ہمنے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے پہلی جگہ سے بدرجہا بہتر
نظارہ ہوسکتا تھا۔ ایک طرف یلدز کے پھاٹک دکھائی دیتے تھے۔ اور دوسری طرف وہ
پہاڑی جو فوج سواران کے عقب میں تھی ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ کسی نے آواز دی "وہ
دیکھو خاتونانِ حرم آرہی ہیں"۔ وہ نہایت خوبصورت چھ بند گاڑیوں میں سوار تھیں۔ جو یکے
بعد دیگرے یلدز سے نیچے اتر کر ہمارے دریچوں کے سامنے سے گذرتی ہوئیں مسجد کی صحن کے
آہنی پھاٹک پر پہنچگئیں۔ وہاں وہ ایک دوسری کے پیچھے کھڑی کر دیگئیں۔ گھوڑے کھول
دیئے گئے اور خاتونیں جلوس کا نظارہ کرنیکے لئے گاڑیوں میں ہی بیٹھی رہیں۔ جن کے دریچوں کے
پردے آدھے اُٹھے ہوئے تھے ہر گاڑی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ایک ایک بدشکل مکروہ حبشی
خواجہ سرا ہوتا ہے۔ والدۂ سلطان سب پر فوقیت رکھتی ہیں۔ موجودہ والدہ سلطان فی الحقیقت
سلطان المعظم کی دایہ ہیں۔ انکی حقیقی والدہ انکے پیدا ہونیکے وقت فوت ہوگئی تھیں گاڑیوں
کے مقابل سے گذرتے وقت انکے نیم بر داشتہ چلمنوں میں سے ہم صرف بیگمات کی گلابی۔ نیلگون
اور زرد زربفت کی پوشاکوں کی ایک جھلک دیکھ سکے۔ البتہ سلطان المعظم کی ایک خوردسال
دختر بلند اختر کا چہرہ جسکی عمر ابھی اتنی نہ تھی کہ اُسے نقاب پہنایا جائے۔ اور جس نے چلمن کے
اوپر سے طفلانہ اشتیاق اور اجنبیت کی نظر سے ہماری طرف دیکھا ہمکو اچھی طرح دکھائی دیا۔
اس وقت تک مسجد کا صحن پاشاؤں۔ پادروں اور ہر قسم کے عہدہ داروں سے جو زرق برق کی
وردیاں پہنے ہوئے تھے بھر گیا۔ صرف سلطان المعظم کی گاڑی اور انکے ہمرکاب افسروں کیلئے جگہ باقی
رہی۔ اب بارہ بجکر کچھ منٹ ہوگئے تھے۔ موذن مازنہ کی گیلری (برآمدہ) پر جو مینار کی چوٹی پر اسکے
گرد اگرد بنی ہوئی ہے نمودار ہو گیا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ جونہی جلالت مآب کی سواری محل سے
روانہ ہو اذان دینا شروع کرے۔ اب تک تمام رجمنٹوں کے بینڈ باری باری بجتے رہے تھے موسیقی
بالکل یورپین تھا۔ مگر اب وہ رک گئی۔ اور موذن کی پہلی صدا اللہ اکبر ہوا کی لطیف جھونکوں نے ہم تک پہنچا دی

وہ گیلری پر جنوب کی طرف گھوم گیا تھا - اور اسطرح اسکی اور ہمارے درمیان میناء کو حائل ہوجانے کی بدنصیبی ہماری نظر سے اوجھل ہوگیا تھا
وہ گیلری پر گھومتا ہوا اَللّٰہُ اکبر - اللّٰہُ اکبر - اللّٰہُ اکبر - اللّٰہ اکبر - اشھد ان لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ -
اشھد ان لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ - اشھد انّ محمدؐ رسول اللّٰہ - اشھد ان محمدؐ رسول اللّٰہ - حیّ
علی الصّلوٰۃ - حیّ علی الصلوٰۃ - حیّ علی الفلاح - حیّ علی الفلاح - اللّٰہ اکبر - اللّٰہ اکبر - لا اِلٰہ
اِلّا اللّٰہُ - کے موثر فقرے دہراتا گیا - اور اسکی بتدریج ہماری طرف کو گھومتے آنیسے اسکی آواز زیادہ بلند
ہوگئی - اتنے میں تازہ بچھائی گئی ریت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی - یہ ان پاشاؤں کی لمبی قطار تھی -
جو جلوس کے اگلے سرے پر تھے اسکی وردیوں پر جو تمغوں سے ڈھکی ہوئی تھیں - نظر نہیں ٹھیر سکتی تھی -
وہ سڑک کے دونوں کناروں پر ایک دو سرے کے پیچھے قطار باندھے محل سے نکلکر پہاڑی سے نیچے اترتے
ہوئے مسجد کے دروازہ پر پہنچ گئے اور وہاں ان لوگوں کے آگے جو پہلے سے منتظر کھڑے تھے - صف
باندھ کر کھڑے ہوگئے - انکے بعد پانچ پانچ یا چھ چھ دوسرے عہدہ دار گذرے - یہ وزراء تھے - اور
سڑک کے بیچوں بیچ چل رہے تھے - اس وقت ہم کو سلطانی ترانہ "حمیدیہ راگ" کی ابتدائی سریں
سنائی دیتی ہیں یہ اس امر کا نشان تھا کہ جلالت مآب یلدز کے پھاٹک سے باہر رونق افروز
ہوگئے ہیں - اب تو سب کی گردنیں موکب ہمایوں کی اوّل جھلک دیکھنے کے لئے محل کی طرف مڑ گئیں -
سنو! سنو!! یہ پرزور صدائیں کیسی ہیں؟ یہ ہر ایک رجمنٹ کے خلوص دل سے بلند کئے
گئے - نعروں کی آوازیں ہیں - جو وہ سلطان المعظم کے انکے مقابل سے گذرتے وقت نوبت
بنوبت بلند کر رہی ہیں - یہ نعرے انگریزوں کے پرآواز اور گونجتے ہوئے فوجی نعروں
(ہرّاہ) یا اہالی سویڈن کے نعرہ ہائے "راہ راہ" یا جرمنیوں کے نعرہ ہائے "ہاک ہاک"
یا اہالی اٹلی کے مختصر نعرہ "یوا" کے مشابہ نہیں بلکہ عمیق با جذبہ اور ثقہ مگر ساتھ ہی
موثر اور جرأت انگیز مسلسل سریلی گونج کی سی آواز سے مشابہ ہیں - چند لمحوں کے بعد ازسرتا
پا سنہری گلٹ کی ہوئی بروشن (ایک قسم کی چوبہیہ گاڑی) جس پر سبز میناکاری تھی -
دکھائی دینے لگ گئی - اسکے آگے دو شاندار مشکی گھوڑے جن پر طلائی ساز پڑا ہوا تھا - جتے
ہوئے تھے - کوچبان شوخ نیلگوں رنگ کی وردی جو طلائی کام سے ڈھکی ہوئی تھی پہنے ہوئے تھا
دونوں طرف بھی وردیاں پہنے ہوئے سائیس گھوڑوں کو تھامے ہوئے شانہ بشانہ ساتھ تھے اور تمام
طرف جہانتک نظر کام کرتی تھی - بحری - فوجی - ملکی - ملازم و آقا ہر ایک شخص کے سر پر یہی کمال
رواج یافتہ اور کمال زیبندہ فس ہی فس نظر آتی تھی - گاڑی میں ایک میانہ قامت مگر باجلال

شخص سیدھا سادہ فوجی اورکوٹ (لمبا کوٹ) پہنے ہوئے بیٹھا تھا سینہ پر کوئی تمغہ یا نشان کسی قسم کا نہیں
صرف ایک خنجر اشمشیر کمر سے بندھی ہوئی ہے - اور سر پر باقی تمام لوگوں کی طرح فیز رکھی ہے - خمدار لمبی ناک بتا رہی ہے
کہ انکی والدہ ارمن تھیں گذرتے ہوئے انہوں نے اپنی تیز نگاہ اٹھا کر ہمارے دریچہ کی طرف دیکھا اسوقت انکے
انداز سے معلوم ہورہا تھا - کہ انہوں نے چند کی چہروں کو پہچان لیا ہے - مگر بظاہر ان کا چہرہ بدستور ساکن
اور برقرار رہا - اُسپر کوئی حرکت یا جنبش نہ پائی گئی - نہ کسیکو انہوں نے سلام کا جواب دیا - گو انکے تمام
جسم ایک خفیف سی ڈولتی ہوئی حرکت پائی جاتی تھی جو ایسی خفیف تھی - کہ ممکن ہے وہ صرف گاڑی
کی حرکت سے پیدا ہو رہی ہو - اور عمداً نہ ہو - اعلیحضرت کے مقابل مشیر پلیونا عثمان غازی
بیٹھے تھے - صرف غازی ممدوح ہی ایسے شخص ہیں جو جلالت مآب کے ہر وقت رفیق و مصاحب ہیں
اور جنپر سلطان المعظم کو پورا اعتبار اور بھروسہ ہے - گاڑی کے پیچھے نہایت ہی شاندار زرین سواری کے
چھ خالص عرب گھوڑے آرہے تھے جنکو ایک ایک سائیس تھامے ہوئے تھا -

چمکدار گاڑی آہستہ آہستہ گذر کر مسجد کے دروازہ میں داخل ہوگئی - تمام پاشا نعرے بلند کرتے ہیں
اور گاڑی ان سنگ مرمر کے زینوں کے پاس جو عام کی آمد و رفت کے دروازے سے بائیں طرف ہیں کھڑی ہو جاتی
ہے - جب سلطان المعظم جو اس تمام شان و شوکت اور جاہ و جلال کے مرکز اور ممدوح و روان ہیں - اپنی
سیدھی سادی صوفیانہ پوشاک میں گاڑی سے برآمد ہوئے - تو موذن مینار کی گیلری کے کٹہرے پر
جھک گیا اور حضور ممدوح کو مخاطب کرکے یہ فقرہ جو صرف اسی موقع پر کہا جاتا ہے - با آواز بلند کہا "یاد رکھ
کہ تجھ سے بھی ایک بڑا موجود ہے" - اس کے بعد سلطان مسجد میں داخل ہو کر نظر سے اوجھل ہوگئے اور

[1] اس مسجد کی اندرونی کیفیت سے ناظرین کو آگاہ کرنیکے لئے میں مولانا شبلی کے سفرنامہ سے سلاملق کا پورا
بیان یہاں درج کرتا ہوں - تاکہ اس ہفتہ وار شاہانہ جلوس اور مذہبی رسم کی پوری حالات سے ناظرین کو واقفیت
حاصل ہوجائے - اور ایک سیاح کے بیان کردہ حالات کی کمی دوسرے کی تحریر سے پوری ہوجائے - مولانا شبلی
حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں :-

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پر اثر اور دلچسپ نہیں ہے - سلاملق ترکی لفظ ہے جس کا لفظی
ترجمہ سلام کرنا ہے - چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں اسلئے اس رسم کو
سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے - سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے - صرف نماز جمعہ
پڑھنے کیلئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں - اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے حقیقت یہ ہے
کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے - زبان یا قلم کے ذریعہ سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل

پاشا عام دروازہ کے راستہ نماز میں شریک ہونیکے لئے جلد جلد اندر چلے گئے - جب نمازی زیادہ ہوں -
اور جامع حمیدیہ جو دوسری جامع مسجدوں سے بہت چھوٹی ہے بھر جائے - تو مصلی مسجد کے صحن میں ہی
بچھائے جاتے ہیں - تاکہ سب نماز میں شریک ہو جائیں مسجد کے کھلے دروازوں اور دروں سے امام کی گنگناتی
ہوئی آواز ہم کو سنائی دیتی رہی - اور ہم صحن والے نمازیوں کو ہر تکبیر پر ایک ساتھ کمال باقاعدگی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ - اور سخت مشکل ہے - باوجودیکہ مہینے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع
پیش آتا ہے - اور اسوجہ سے اسکو ایک معمولی چیز کہا جا سکتا ہے - تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے
کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھکر تماشہ دیکھتے ہیں یورپ کے اکابر او سیاح جو قسطنطنیہ
کی سیر کو آتے ہیں - اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے - موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے
معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے - چنانچہ ہر ایک جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا
ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے - بیشتر اوقات میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ
کی سیر کو آئے تھے - اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے -

میں ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا - اسلئے قسطنطنیہ پہنچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا
ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہو گئی تھی ساتھ لیا - اور جامع حمیدیہ پہنچا - وہاں پہنچکر دیکھا
تو دور دور تک سپاہیوں کی پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے - مجبوراً واپس آیا
حسین حبیب آفندی جو کسی زمانہ میں بمبئی میں ترکش کانسل تھے - اور اب قسطنطنیہ میں پولس کمشنر ہیں
وہ مجھکو اس ذریعہ سے جانتے تھے - کہ محاربہ روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی
کے ذریعہ سے قسطنطنیہ روانہ کی تھی - اسی تعارف کی بنا پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا - وہ نہایت
مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن مسجد حمیدیہ میں آنا - تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھوں گا -
لیکن بدقسمتی سے (اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہنچا تو وہ وہاں موجود نہ تھے
دیر تک مسجد کے دروازہ پر انکا انتظار کرتا رہا - قریباً ایک بجے سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو
فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہو گئیں اور تمام راستے رک گئے - میں مسجد میں
مایوس ہوکر داخل ہوا - اور افسوس کرتا تھا - کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا - تھوڑی ہی دیر گذری تھی - کہ ایک گرج
کی سی آواز سنائی دی - اور تمام میدان گونج اٹھا - معلوم ہوا - کہ سلطان کی سواری قریب آ پہنچی
اور یہ "پادشاہم چوق یشا" کا نعرہ تھا - جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے - یہ نعرے پے در پے تین بار
بلند ہوئے - گونج سلطانی مسجد تک آ پہنچا - اور نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ مؤذن نے جو سلطان

رکوع و سجود اور قیام کرتے دیکھتے رہے - اب ہم کو اپنے دوستوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملگیا ہمکو فرنچ سفیر سویڈن کے ایلچی اور دوسرے حاضرین سے روشناس کرایا گیا۔ اور وردی پہنے خدام نہایت اعلیٰ قسم کی چاء لائے - اور سب میں سگرٹ تقسیم کئے گئے - اور سلطان المعظم کی مراجعت کے انتظار کا وقت بڑے خوشی و لطف میں بسر ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص تشریفات سب کو اپنے آقا نامدار کا سلام پہنچانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰ - کے مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا - اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا - دونوں آوازیں ملکر عجیب اثر رکھتی تھیں سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے - چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے - یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہنکر نہیں جا سکتے ہیں - گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھیری - مسجد دو منزلہ ہے - اور اوپر کی منزل میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے - سلطان گاڑی سے اترکر اوپر کی منزل میں گئے - اور انکے جانیکے ساتھ گیلری کے دریچوں پر اطلسی پردے چھوڑ دیے گئے - کہ اب کسی کی نگاہ نہ پڑسکے -

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا - افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا عرب نہ تھا - یعنی اسکے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی - جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے - تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہوا - اور اسنے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کرکے جوش کے الفاظ میں یہ الفاظ پڑھے - اَللّٰھُمَّ انصر ھٰذا السُّلْطان ابن السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان تو عجب کیفیت پیدا ہوئی - میرا یہ حال تھا - کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے - اور دیر تک بے اختیار دعائیہ الفاظ نکلتے رہے - عین اسی موقع پر یکبارگی پندرہ بیس شخص جنکے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اٹھ کھڑے ہوئے - یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے - اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے - عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تھا - بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کرکے زمین تک جھکے - اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما - اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے آداب اور سکوں کے خلاف تھیں - تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں - دریافت سے معلوم ہوا - کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا - وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں - اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر حلیمانہ اور فیاض ہے - اس طریقہ کو بند نہیں کیا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے - اور شکایت کی کہ میں تمکو ڈھونڈتا پھرتا تھا تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا - لیکن میں تمہارے لیے اس کے زیادہ عمدہ موقع

کے لئے داخل ہوئے۔ اور ہم کو پیغام دیا کہ انگریزی اور فرانسیسی سفراء کے بعد جلالت مآب ہمیں پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرمائیں گے۔ اس غیر مترقبہ خسروانہ کرم گستری اور عزت افزائی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱:۔ نکالتا ہوں۔ نماز پڑھکر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی۔ اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا آکر ٹھیرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کے دائیں طرف صف باندھکر کھڑے ہوئے حسین حسیب نے مجھ کو اسی صف میں لاکر کھڑا کرادیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں ایک معزز افسر حسن اخلاق کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ اور میرے لئے جگہ خالی کردی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی۔ ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے سامنے سے گذرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازہ سے داخل ہوتی تھیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتی تھیں صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ۔ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک۔ کرد۔ عرب کے جدا جدا دستے۔ موزون اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق اسلحے۔ مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں۔ فوجوں کا پے درپے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے شہنشاہ کے سامنے سے گذرنا۔ ایسا عجیب وغریب سماں تھا۔ جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپریل گارڈ ہے۔ ان کے سروں پر عمامے تھے۔ اور سبز شملے ہوا میں اڑکر عجیب لطف دکھاتے تھے۔ متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا۔ اور کم وبیش دس ہزار فوجیں گذریں۔ اخیر میں دو نوں سلطان شہزادے آئے۔ اور عجب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا۔ کمر سے تلواریں بندھی تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان کے چہروں سے جس جرات اور شان کا اظہار ہوتا تھا۔ بیان میں نہیں آسکتا۔ شہزادے بھی جاچکے تو سلطان زینہ سے اترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعتہ سلام کو جھکیں میں ابتداء سے محو حیرت تھا۔ اور آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤں گا۔ لیکن ازخود رفتگی کا یہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے۔ اور وہ بھی قصداً نہیں۔ بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی۔

سے ہم حیران سے ہو گئے۔ جب موسم خنک ہو۔ تو نماز کے بعد سلطان المعظم ایک چھوٹے سے
بالاخانہ میں جو ہمارے گرجوں کے بغلی کمرہ کی طرح مسجد کے متصل ہی۔ رونق افروز ہو کر دریچہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲ پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے فیروں نے دوبارہ سلامی دی۔ اور وہ عجیب و غریب سماں دفعتہً آنکھوں سے چھپ گیا ع دیدن بانہ بجز اہم بنود
سلطان جسوقت زینہ پر سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑھے۔ ہماری صف سے ان تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تہا۔ اور اس وجہ سے میں اچھی طرح ان کو دیکھ سکا۔ سلطان کا حُلیہ یہ ہی قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا۔ بدن چھریرا۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہی بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ۔ اور معمولی ترکش ٹوپی ہے۔

ترکوں میں سلامی کا طریقہ ایک مدّت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہے اس سے فقط شانہ جاہ و جلال کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصّہ کا جائزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پائے تخت اور اسکے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں سلطانِ وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے۔ اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں۔

میں یہ تماشہ دیکھکر قیامگاہ پر واپس آیا۔ تو دل جوش اور اثر سے معمور۔ تہا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے تہے۔ کاغذ و قلم لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کئے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی بڑھکر سامان ہو گا۔ اس کو بھی دیکھ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے جس قدر اشعار اسوقت تک موزوں ہو گئے تہے لکھکر چھوڑ دئیے۔ تمہید کے آخر کے ان اشعار سے

وین کہ پرسید کہ زان جلوہ گاہ ٭ تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ

اس شعر تک۔

بزم چو از جلوہ زیبا پرست ٭ دامن چشم از تماشا تہی ست

اور فوج کے دستے باری باری سے انکے سامنے سے گذرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اسدن سخت گرمی تھی۔ اور فوجیں باجہ بجانے کے بغیر آہستہ آہستہ روانہ ہونی شروع ہوگئیں فوج سواران دائیں طرف کو چلی گئی۔ اور گھوڑوں کی سموں سے گردوغبار اُٹھ کر دور تک ہم کو اس سڑک کا پتہ بتاتا رہا جس پر سے وہ واپس جارہی تھی۔ انکے بعد کئی دوسری رجمنٹیں بھی واپس چلی گئیں اور صرف وہ باقی رہگئیں۔ جو مسجد اور محل کی درمیانی سڑک پر دورویہ صف لبتہ کھڑی تھیں۔ ہم دیکھتے رہے تھے۔ کہ سلطان المعظم جس پلٹن کے پاس سے گذرجاتے تھے۔ وہ اپنا رخ سڑک کی طرف سے ہٹاکر مسجد کیطرف کرلیتی تھی۔ آدھ ایک گھنٹہ کے بعد مُصلّے اٹھائے گئے اور پاشا مسجد سے نکلکر پھر صحن میں جمع ہونے شروع ہوگئے۔ اسوقت ایک چھوٹے قامت کی فٹن سنگ مرمر کے زینوں کے پاس لائی گئی۔ اُس میں برف ایسے سفید دو کمال خوبصورت نقرئی گھوڑے جو قیصر آسٹریا نے تحفتہً ارسال کئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳ :- بھی پر اثر اور پرجوش نظارہ مراد ہے۔

عید کے دن سلاملق نہ تھی۔ اور اسوجہ سے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان و شوکت جاہ و جلال جوش وا نثر سلاملق سے بھی کچھ بڑھکر تھا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تانتا بندھا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دُور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں۔ معلوم ہؤا کہ تمام وزراء۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آرہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدھ میل تک تھیں۔ اور انکی وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ شانوں پر زرّین پھول دامن اور آستینوں پر کلابتون کی تحریر۔ سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹھا۔ یہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہاں آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا۔ اور ہر قدم پر اس زور سے بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا۔

میں یہ سماں دیکھکر واپس آیا۔ تو قلم دوات لیکر بیٹھا کہ جو کچھ خود دیکھا ہے وہ دوسروں کو بھی کہا سکوں لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی جو تصویر مینے کھینچی ہے وہ بالکل ناکمل تصویر ہے۔

تھے- جتنے ہوئے تھے- سلطان باہر برآمد ہوئی پاشاؤں نے زمین تک جھک کر فرشی سلام کیا- امیرالمومنین گاڑی پر سوار ہو گئے- اس کا پچھلا پردہ اٹھالیا گیا- اور جلالت مآب باگیں خود پکڑ کر تیزی سے محل ہمایوں کو روانہ ہو گئے- سائیس- یاور اور پاشا دُبلے موٹے سب کے سب پا رکاب ساتھ ساتھ دوڑے گئے- جلالت مآب نے واپس جاتے وقت دائیں بائیں کسی کی طرف توجہ نہ کی- اور آناً فاناً محل کے دروازہ میں داخل ہو کر نظروں سے پنہاں ہو گئے- اور سلاملق کا جلوس ختم ہو گیا ؛

(۵) محل یلدز سراء

میں اس پیغام کا اوپر ذکر کر چکی ہوں کہ سلاملک کے بعد سلطان المعظم ہمکو پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرمائیں گے- جب سلطانی حاجب ہم کو ایک دو کمروں میں ایک چھوٹے سے دیوانخانہ میں لے گیا- اسکی آرائش سیدھی سادی صوفیانہ تھی- البتہ قالین نہایت قیمتی بچھے ہوئے تھے دیوانخانہ میں ہم نے اعلیٰ حضرت گرینڈ ماسٹر آف سیری مینئرز (رئیس التشریفات) انگریزی سفیر اور اسکے اول ترجمان کو پایا- جلالت مآب سے گفتگو آخرالذکر کی وساطت ہوئی- کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ سلطان المعظم ترکی کے سوا اور کسی زبان میں تکلم نہیں کرتے- اور گو وہ فرنچ زبان کے بڑے عالم ہیں یہ آداب ہی میں داخل ہے- کہ وہ کسی غیر زبان کو سمجھ سکنے کا بھی اظھار نہ کریں پس حضور ممدوح جس سے گفتگو کر رہے ہوں- اگر وہ فرنچ زبان میں ہی کیوں نہ کچھ کہے- جسے سلطان المعظم بخوبی سمجھتے ہیں- ترجمان کو اس کا ترجمہ ترکی زبان میں کر کے سلطان کو سُنانا پڑتا ہے

جلالت مآب میرے خاوند سے ایسی خوش اخلاقی کے ساتھ اور مجھ سے اور میرے فرزند سے ایسی شفقت اور نوازش سے پیش آئے کہ نہ وہ صرف ہماری توقع سے ہزارہا درجہ بڑھ کر تھی- بلکہ اس سے زیادہ کوئی خوش اخلاقی اور شفقت ہو نہیں سکتی- حضور ممدوح نے خود سگرٹ پیش کئے- اور دست مبارک سے دیاسلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی- ہم سب دائرہ کی شکل میں کرسیوں پر بیٹھے- مجھ کو سلطان المعظم نے اپنے دائیں ہاتھ بٹھایا- اور ارشاد فرمایا کہ ہمنے پروفیسر کی ایک تصنیف کا فرانسیسی ترجمہ مطالعہ کیا تھا- انکے خوبصورت دارالخلافہ کا جس قدر حصہ ہم اب تک دیکھ چکے تھے وہ اسکی تعریف ہماری زبان سے سنکر بیت محظوظ ہوئی

اور جب ہم کو رخصت کرنیکے لئے کرسی سے اُٹھے تو میرے خاوند کو مجیدیہ تمغہ عطا فرمایا۔ اور مجھ کو اپنے بازو کا سہارا دیکر کمرہ کا دروازہ تک چھوڑنے آئے۔ عزت افزائی اور شاہانہ تواضع کا یہ انتہائی درجہ تہا۔ اور دوسرے ہی دن کل اخبارات نے اس کا لمبا چوڑا ذکر کر کے ہم کو بڑی بڑی مبارک بادیں دیں۔

سلطان المعظم نے ازراہ عنایت خسروانہ بدوران ملاقات ارشاد فرمایا تہا۔ کہ ہمکو حضور ممدوح کے پرائیویٹ عجائب خانہ۔ کتب خانہ اور باغ کبھی معائنہ کرایا جائیگا۔ چنانچہ ہم ایوان سے باہر آئے تو ہمنے ایک چیمبرلین (حاجب) اور اعلیٰ داروغہ اصطبل کو اپنے انتظار میں ایستادہ پایا۔ کہ بارگاہ سلطانی سے برآمد ہونے پر ہمکو محل سراء سلطانی کے وہ مقامات دکھلائیں۔ جہاں اجنبیوں کو بار نہیں ملتا۔ مشہور سیاح پروفیسر ویمبری کے بعد جو سلطان المعظم کا بے تکلف اور گاڑھا رفیق ہے غالباً ہم ایسے پہلے اجنبی ہیں جنکو محل کے یہ حصے دیکھنے کا اتفاق حسنہ ہوا ہے۔ جس کوشک میں ہم کو شرف باریابی عطا کیا گیا تہا۔ وہ اس کمرہ کے عین عقب میں ہے۔ جہاں سے سفراء جلوس سلاملق کو معائنہ کرتے ہیں کوشک مذکور سے باہر نکلکر ہم پہاڑی کی اس ڈھالو رستہ پر جسپر اکثر سلطان المعظم گاڑی پر جامع مسجد کو تشریف لیجاتے ہیں اوپر کو چڑہے اور یلدز سراء کے بڑے پھاٹک میں سے گذر کر بائیں طرف کو مڑگئے۔ دائیں جانب حرم سراء کی سر بفلک بے دریچہ دیواریں کھڑی تہیں جنکے برابر انگلستان کی کسی جیلخانہ کی بھی دیواریں بلند نہیں ہم ایک بند دروازہ کے رستہ جسپر پرُست پہرہ موجود تہا۔ ایک چار دیواری کے اندر داخل ہوئے۔ بائیں ہاتھ ایک خوبصورت کوشک بنی ہوئی تہی اسکے قریب سے ایک تنگ روش کے رستہ ہم اچانک ایسے موقعہ پر پہنچگئے جہاں کا نظارہ عجب کیفیت بخش اور تحیر خیز خوبصورت تہا۔ محل یلدز قسطنطنیہ کی سب سے بلند پہاڑی پر واقعہ ہے۔ وہاں ہمیں اپنے سامنے ایک کلاں جھیل یا مصنوعی دریا پھیلا ہوا نظر آیا۔ وہ ہر قسم اور وضع کی کشتیوں اور قایقوں سے پٹا ہوا تہا۔ ان میں ایک کشتی ایسی بھی تھی جو برقی طاقت سے چلائی جاتی تھی۔ چاروں

لہ یہ شخص نہایت ہی دلفریب ہے۔ اور اسکی ملاقات سے طبیعت کو کمال فرحت حاصل ہوئی تہی۔ آج کل وہ جلاوطن ہے کیونکہ نوجوان ترکی پارٹی کا وہ بڑا سرگرم رکن ہے مصنفہ

نوجوان ترکی پارٹی کا لیبت سالہ عہد حکومت کے ضمیموں میں مفصل ذکر ہو چکا ہے لہذا توضیح وتشریح کی ضرورت نہیں مترجم

لہ اس ہنگرین پروفیسر کے بعض لیکچر کتاب لیبت سالہ عہد حکومت میں درج ہیں۔

مترجم ۱۲

طرف سے باغ ڈھال کھاتے ہوئے اسکے کناروں تک چلے آئے تہے - گھاس کے تختے سبزی میں انگلستان کے بہترین باغ کو مات کر رہے تہے - اور خود گھاس بہی کمال صفائی کے ساتھ ترشا ہوا تھا - ہر طرف نہایت خوبصورت چھوٹے چھوٹے پودے اور نمائشی کھجوریں لگی ہوئی تھیں اور پھولوں کے حلقے تو بیچ بیچ بقعۂ نور معلوم ہوتے تہے - ہوا نارنگی کے پھول کی خوشبو کے بوجھ سے دبی جاتی تہی - اور باغبان ہر تختہ میں گھاس بلکہ روشوں پر بھی جو کنکری سے بھر بھری ہو رہی تہیں چھڑکاؤ کرنے میں لگے ہوئے تہے - حرم کی دیوار جو اب ہمارے دائیں ہاتھ تہی اس جگہ چار دیواری کے بیرونی حصہ کی طرح برہنہ نہ تہی بلکہ بالکل ہی سفید گلاب - سوج مکھی - خوشبودار ور بنیا - صلیب نما پھولوں اور دیگر کئی اقسام کی بیلوں سے تا لبِ بام ڈھکی ہوئی تہی - اسکے ساتھ ایک بہت بڑا کبوتر خانہ بنا ہوا تہا - جو نصف کے قریب انہی بیلوں سے چھپا ہوا تہا - اور ہزاروں سفید و کبود کبوتر جس جانور سے رسول خدا کو بہت محبت تہی - اُڑتے ہوئے اس سے باہر نکل رہے اور اندر داخل ہو رہے تہے - اور اس کل مجموعہ کو مشرق کی چمکدار دھوپ جس میں ہر چیز ایسی صفائی سے دکھائی دیتی ہے - کہ انسان میں بُعدِ مسافت کی تمیز تقریباً معدوم ہو جاتی ہے سنہری رنگ سے رنگ رہی تہی - جھیل کے آخری سرے پر صحرائی مرغابیوں کو پھسلا نیکے لئے ایک بالشتو بطخ موجود رہتی ہے - وہاں سلطان المعظم اکثر شکار کھیلا کرتے ہیں اس کے پرے باسفورس کے کناری تک رمنہ (شکارگاہ) پھیلا ہوا ہے - اس کا کچھ حصہ ہمکو مندرجہ بالا موقعہ سے دکھائی دے رہا تھا -

ہم کبوتر خانہ سے پرے کی ایک عمارت میں داخل ہوئے - اسمیں ایک ہی لمبا سا کمرہ ہے - جو بیش بہا خزاین اور اشیاء سے معمور ہے اور یہی سلطان المعظم کا پرائیویٹ عجایب خانہ ہے اس میں تمام تحائف جو حضور ممدوح کو موصول ہوئے ہیں اور نیز انکے بعض متقدمین کے وقت بھی بیشمار قیمتی چیزیں نہایت سلیقہ اور خوبصورتی سے ترتیب وار رکھی ہیں بیشمار کلاک (دیواری گھڑیاں) اور جیبی گھڑیاں مرصع زر ہیں زمرد کی بنی ہوئی چیزیں - صندوقچے - کمال خوبصورت مجلد کتابیں - تمام قسم کے ظروفِ چینی بڑی اور چھوٹی تصویریں - مرصع زیورات ہر قسم کے - الغرض نوع نوع کی گوناگون بیش بہا اشیا اسمیں موجود ہیں - جو سب کی سب الماریوں میں اس طرح سے باسلیقہ چنی ہوئی ہیں - کہ ان ہر ایک کو فرداً فرداً بغور دیکھکر پورا حظ اٹھا سکتا ہے - اسمیں اس گڑبڑ اور خلط ملط کا نام و نشان نہیں جو قدیم محل سرا کے خزانہ میں پائی جاتی ہے - ایک سیدھی الماری میں سیورس[1] کی ساخت کی نہایت

---

[1] فرانس کا ایک شہر جو وہاں کی دارالخلافہ پیرس کے بجانب جنوب مغرب چھ میل کے فاصلہ پر واقع اور ظروف چینی کے لئے مشہورۂ آفاق ہے - وہاں کی آبادی سات آٹھ ہزار کے قریب ہے - مترجم

ہی خوبصورت ۴۸ رکابیاں نیلگوں چینی کی رکھی ہیں شہنشاہ نپولین نے بطور تحفہ بھیجی تھیں
ہر ایک رکابی نہایت و بیز مخملی خانہ میں سا کر۔ ۲۴ الماری کی ایک طرف ہیں۔ اور ۲۴ دوسری طرف
ایک ایک کابی صناعی دستکاری کا اعلیٰ اور کاملترین نمونہ ہے۔ چیزوں کی نام لکھنے میں بعض بعض جگہ
غلطی ہوگئی ہے۔ مثلاً ایک تصویر کی منسلکہ تختی پر جسے ہم نے پہچان لیا کہ لارڈ پامرسٹن[1] (مرحوم
سابق وزیر انگلستان) کی ہے۔ شوہر ملکہ معظمہ لکھا ہوا ہے۔ ایک ایک چیز کی پڑتال اور معائنہ میں
اگر ہم کئی کئی گھنٹے لگا دیتے تو بھی طبیعت سیر نہیں ہوسکتی تھی۔ مگر وقت تھوڑا تھا۔ اور ابھی
کل مقام دیکھنے تھے۔ یہاں سے ہم پرائیویٹ اصطبلوں کو گئے یہ بھی حرم سرا کی چار دیواری کے اندر
ہیں۔ ان میں خالص ترین عرب نسل کے بارہ عرب رہوار بندھے ہوئے تھے۔ سلطان المعظم یلدز سرا
کے رمنہ میں ان ہی پر زین سوار ہوکر یا انکو گاڑی میں جتوا کر ہوا خوری کرتے ہیں۔ وہ سب کے
سب نقرئی یا سمند تھے۔ ہمنے کتوں کا کہیں وجود نہ دیکھا مشرق میں انکی کوئی قدر و منزلت
نہیں ہا یہ سنا کہ سلطان المعظم کے پاس انگورہ (انقرہ) کی سفید بلیوں کی ایک نہایت ہی
خوبصورت اور بیٹظیر نسل ہے۔ ان سے انکو کمال محبت ہے۔ اور کبھی کبھی انکے بچے اپنے دوستوں
کو بھی عطا کر دیتے ہیں۔ مگر ہم نے ان بلیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ دل بہلانے والے جانوروں کی قسم
سے ہمیں صرف ایک کلاں جسم طوطا نظر آیا۔ جو حرم سرا کے دروازہ پر پنجرہ میں بند تھا۔ جب ہم
اسکے پاس ای گذرے تھے تو کسی کرنا معلوم زبان میں جو غالباً ترکی ہوگی۔ اسنے چند فقرے کہے حرم سرا
کے دروازہ سے باہر نکلنے پر حاجب ہم سے رخصت ہوگیا۔ وہاں دو گاڑیاں ہم کو شاہی
اصطبلوں میں پہنچانے کے لئے کھڑی تھیں ہم سوار ہو گئے۔ اور حرم سرا کی چار دیواری کے
گرداگرد خوبصورت درختوں کے رستہ میں سے پتھر کی ایک بڑی عمارت پر پہنچ گئے۔ ہم گو حرم سرا
کی چار دیواری سے باہر ہوگئے تھے۔ مگر ابھی تک یلدز سرا کی بیرونی چار دیواری کے اندر
ہی تھے۔ رمنہ ایسا پر فضاء تھا کہ اسکے پرے سرے پر ہمکو باسفرس کا دلفریب پانی نظر نہ
آرہا ہوتا تو بلا مبالغہ یہی گمان ہوتا کہ ہم انگلستان کے کسی رمنہ سے گذر رہے ہیں پتھر کی
اس عمارت میں صرف گھوڑیوں کا اصطبل ہے سیاہ فام اور سفید رنگ سائیس چمکدار وردیاں
پہنے ہر طرف مرصع بیرقع کھڑے تھے۔ طویلے دو رویہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طویلہ یا کمرہ
میں ایک ایک گھوڑی بندی تھی ہم گاڑیوں سے اتر کر درمیانی رستہ پر پیدل چلکر ان خوبصورت

[1] ۱۷۸۴ء میں پیدا اور ۱۸۶۵ء میں فوت ہوا۔ مترجم

جانوروں کو جن کی چمڑے ملائم اور چمکدار۔ آنکھیں مست اور تیز فہم اعضا کمال و صفا تھی دیکھتے گئے۔
میر داروغہ نے ان میں سے خوبصورت ترین گھوڑی کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا۔ کہ زین کس کر اسے ہمارے
سامنے پھرا کر دکھایا جائے۔ اس کا رنگ سفید براق تھا۔ دم لمبی اور خمدار۔ اور بعینہ اسی شکل کی
تھی جیسی کہ تصویروں میں ترکوں اور انکے گھوڑوں کی دکھائی جاتی ہے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مجھے
اس لئے پھرایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنا فرض ٹھیک کسی ویسی ملکہ حسن و جمال کی طرح جو اپنی
خوبصورتی اور رعنائی سے واقف ہو۔ قابل تعریف طریق سے ادا کیا۔ یہاں سے سوار ہو کر ہم
پھر دوسرے اصطبل میں گئے۔ یہ گھوڑوں کا تھا۔ جو سب کے سب سانڈ ہیں گھوڑے مختلف نسلوں
کے تھے۔ ان میں دو وہ سفید آسٹرین تھے۔ جو مسجد سے واپس آتے وقت سلطانی گاڑی میں
جتے ہوئے تھے۔ چند نہایت ہی مضبوط مشکی رنگ کے روسی گھوڑے تھے۔ سائیسوں نے ہمکو جاتے
ہی کہہ دیا کہ انکے قریب نہ جائیں۔ کل اصطبلوں کا انتظام خفیف جزئیات تک کمال پسندیدہ اور جدید
ترین فیشن کے مطابق تھا۔ یہاں بھی ایک گھوڑی پر زین ڈالی گئی۔ اور ہمیں پھرا کر دکھایا گیا۔ اس اصطبل
سے باہر کئی بڑی بڑی مسقف عمارتیں تھیں جنکی چھتیں دیواروں کی بجائے ستونوں اور محرابوں پر
قائم ہیں۔ ان میں سلطان المعظم کی طرف سے رمضان کے مہینے میں ہر رات کئی ہزار غربا کو اور
عید کے دن بیشمار مخلوق کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ یہاں سے ہم اسی رستہ سے جس سے آئے تھے۔ یلدز سرائے
کے پھاٹک کو واپس گئے۔ اور ان سب نظاروں سے جو فرحت حاصل ہوئی تھی۔ اس کا اظہار کر کے
وہاں پر میر داروغہ سے رخصت ہوئے۔ اور پھر اپنی گاڑیوں پر سوار ہو کر اپنے مکان کو واپس چلے آئے

اس سے دو دن بعد سلطان المعظم کی دعوت پر میرا خاوند اور فرزند رات کے وقت مجلس سلطانی
میں شریک ضیافت ہوئے۔ اس موقعہ پر جب میرے خاوند نے جلالت مآب کی خدمت میں عرض کیا۔
کہ وہ یلدز سرائے کے متذکرہ بالا مقامات کو دیکھ کر کمال محظوظ ہوا ہے۔ تو حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا
"تم نے میرا پرائیویٹ کتب خانہ نہیں دیکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے بھی تم ضرور دیکھو" ہم نے اس کا ذکر
صادق بک سے کیا۔ بک موصوف کو جو سلطانی یاور تھا۔ جلالت مآب نے اس کام پر مامور فرما دیا تھا
کہ جبتک ہم ممالک محروسہ میں رہیں جہاں ہم جائیں ہمارے ساتھ جا کر ہمکو ہر ایک چیز کی سیر کرائے
وہ بہت خوش اخلاق شخص ہے۔ اور یہ زیادہ تر اسی کی مسلسل نوازش و شفقت اور توجہ کا
باعث تھا۔ کہ قسطنطنیہ میں ہمارا وقت ایسی خوشی اور مسرت کے ساتھ بسر ہوا۔ اس نے فوراً اسبات کا
انتظام کر دیا۔ کہ ہم دوسرے دن کتب خانہ کو دیکھ سکیں۔

چنانچہ ہم یہ یلدز سرائے کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوئے۔ مگر داخل ہوتے ہی دائیں طرف کو مڑ گئے اور حرم سرا کی چاردیواری سے باہر باہر ہی رہ کر جلد ایک کوٹھی میں جسمیں ایک ہی طویل و بلند کمرہ بنا ہوا ہے پہنچ گئے۔ یہ سلطان المعظم کا پرائیویٹ کتب خانہ تھا۔ اسکا مہتمم ایک پیرانہ سال مقبول صورت اور خوش خلق ترک تھا۔ وہ اپنی مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ تاہم اپنے زیر اہتمام کتابوں کا عاشق شیدا اور ان پر کمال نازاں ہے۔ اس کے ماتحت سات یا آٹھ ذہین طبع اسسٹنٹ تھے۔ مہتمم نے ہمکو جھٹ پٹ ایک میز کے گرد بٹھا کر کتابوں کی فہرست جو نہایت احتیاط سے تیار کی گئی ہوئی اور خوب پڑتی تھی ہمارے سامنے رکھدی۔ اور صادق بک ترجمانی کا کام دینے کے لئے ہمارے قریب کھڑے ہو گئے۔ میرا خاوند جس کتاب کا نام بتاتا کہ وہ معمر ایسی مخلصا مستعدی سے تلاش کر کے فی الفور لے آتا۔ کہ اُسے دیکھکر دل پر واقعی اثر ہوتا تھا۔ اسسٹنٹ بھی قابلیت کے ساتھ اسے امداد دیتے ہے۔ پہلے وہ چند خوبصورت فارسی زبان کے قلمی نسخے لائے۔ انکے صفحوں اور جلدوں پر سنہری کام تھا۔ پھر میرے خاوند نے ترجمان کی معرفت انہیں کہا کہ کتب خانہ میں اگر ہندوستان کی کوئی کتابیں ہوں تو میں انکو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ چند لمحوں میں پھرتی کر کے ویسی سب کتابیں لے آئے۔ مگر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ زیادہ تر فن موسیقی پر نو تصنیف کتابیں ہیں۔ بعد ازاں وہ قرآن کے چند قلمی نسخے اور تفسیریں ہمارے سامنے لائے۔ اور اسکے بعد ہمسے درخواست کی۔ کہ کمرہ میں گشت کر کے کل کتابوں کو ایک نظر ملاحظہ کریں۔ الماریاں گول اور بہترین ساخت کی تھیں اور پھرائی جاسکتی تھیں کمرہ کے ایک سرے پر انگریزی۔ فرنچ اور جرمن زبان کے مستند مصنفین کی تصنیفات کا بہت عمدہ ذخیرہ تھا۔ کمرہ کے وسط میں آئینہ دار الماریاں تھیں جو زرنگار جلدوں کی باتصویر کتابوں سے بھری ہوئی تھیں ان میں سے اکثر بطور تحفہ موصول ہوئی تھیں۔ جب تک میرا خاوند صادق بک کی وساطت پیرانہ سال مہتمم کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اسسٹنٹ مجھے اور میرے فرزند کو استنبول کی شاہی عمارات اور ممالک محروسہ عثمانیہ کے دیگر مقامات کی چند نہایت ہی خوبصورت عکسی تصویریں دکھاتے رہے ان لوگوں نے ہم کو خوش کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ اور بکمال خوش اخلاقی اور توجہ سے پیش آئے۔ سلطان المعظم نے ان کو ہمارے آنے کی پہلے سے خبر بھجوادی تھی۔ مہتمم نے ہم سے ذکر کیا کہ جلالت مآب کو اس کتب خانہ سے بہت انس ہے اور تقریباً ہر روز بلا ناغہ یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میرے خاوند نے حضور ممدوح سے اپنی تصنیفات پیش کرنیکی اجازت ملنے کی درخواست

کی تھی۔ مہتمم نے ہمیں بتایا۔ کہ سلطان المعظم نے مجھے حکم بھیجا ہے۔ کہ جب وہ کتابیں آئیں ان کو نمایاں جگہ پر رکھو۔ ہم اس دلکش مقام سے طبیعت پر بڑا جبر کر کے رخصت ہوئے۔ رخصت صورت مہتمم معہ اپنے عملہ کے دروازہ تک ہمارے ساتھ آیا۔ اور وہاں سے وہ مشرقی قاعدے کے مطابق مؤدبانہ فرشی سلام کر کے یعنی دایاں ہاتھ پہلے سینہ اور پھر پیشانی پر رکھ کر واپس ہو گئے۔ ہم کتب خانہ میں دو گھنٹہ ٹھہرے۔ جو وقت وہاں کے عملہ کی نوازش اور خوش اخلاقی سے بہت خوشی کیساتھ بسر ہوا

(۶) رسول اللہؐ

زمانہ قدیم یعنی بت پرستی کے زمانہ کی عجائبات کا بھی ایک عجائب گھر اب قسطنطنیہ میں قائم ہو گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ زمانہ کی رفتار ترقی کے سامنے بتدریج کل تعصب اور توہمات دور ہوتے جاتے ہیں عجائب گھر کی عمارت کے گرداگرد جو یونانی سنگی مورتیں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ سب کی سب بے سر ہیں یہ امر اس سلوک کو جو زمانہ قدیم کی ان نادرۂ روزگار عجوبات سے گذشتہ ازمنہ میں ہوتا تھا۔ بخوبی واضح کر رہا ہے۔ مگر اب نقشہ بالکل بدل گیا ہے ان بے سر اور شکستہ مورتوں کو درست کرنیکی گو کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جن کی اگر درستی کر دیجائے تو اشیائے قدیم کے تمام شایقین نہایت ممنون ہوں۔ تاہم اسوقت جو پرانی چیزیں نئی دستیاب ہوتی ہیں۔ ان کا ایک ایک ذرہ اور ٹکڑا نہایت احتیاط سے جمع کیا جاتا ہے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس شکستہ ٹکڑے کو اسکے مناسب موقع پر جوڑ دیا جاتا ہے۔ اسلامی ملک میں ایسا ہونا بالکل نئی بات ہے۔ اور اکثر دیگر چیزوں مثلاً ریل۔ تار برقی۔ اور روزانہ اخبارات وغیرہ کے اجراء کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر اس امر کا بدیہی ثبوت ہے۔ کہ ٹرکی بالیقین ترقی کر رہی ہے۔ اور اکثر لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ اسلامی ممالک کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ اور اسی طرح ٹرکی بھی مسلمانوں کا ملک ہونیکی وجہ سے بالکل بےحس و حرکت پڑی ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ اہالی فرنگستان کا یہ مقولہ بھی کہ اسلام اور ترقی دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان بیشمار غلط اور مشہور عام مقولوں میں سے ہے۔ جن میں صداقت کا صرف چھوٹا سا ذرہ غلط فہمی کی مقدار کثیر سے ڈھنپا ہوا ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ کہ مسلمان اپنے مذہب اور اپنی پرانی رسم و رواج اور احادیث و روایاتِ قدیمہ کے سخت گرویدہ ہیں۔ وہ ان روایات کو تقریباً ویسا ہی مقدس سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کو۔ اور معاشرت و زندگی کے روزمرہ کے کاروبار تک میں

بھی انہی پر دارو مدار رکھتے ہیں اسی طرح ترک بھی لا کلام بڑے پابند مذہب اور لکیر کے فقیر بلکہ بعض معاملات میں وہمی مزاج اور تنگ خیال بھی ہیں۔ وہ ہر قسم کی فلسفیانہ بلند خیالیوں کے بڑے مخالف ہیں گو اُن میں سے چند اشخاص صوفیاء کے پُر اسرار طریقہ کے پیرو ہیں تاہم عوام جس بات میں آزاد خیالی کی بُو بھی پائی جائے اُس سے سینکڑوں کوس پرے بھاگتے ہیں حتیٰ کہ ایران میں جو کئی باتیں گوارا کر لی گئی ہیں۔ انکو ٹرکی میں کبھی پسند نہ کیا جائے۔ جس خلوص اور صدق دلی سے ترک اپنے مذہبی فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ اُسے دیکھکر غیر مذاہب والے کو بھی سچی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ کوچہ و بازار میں راہ چلتے چلتے تم اکثر دیکھو گے کہ جب نماز کا وقت ہوا عام آدمی ہوں یا سپاہی حمال ہوں یا گدا اگر فوراً قبلہ رُخ ہو کر رکوع و سجود میں مصروف ہو جاتے ہیں مسجدوں میں ہر روز لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں اور اس سے فارغ ہو کر پھر گھروں یا دوکانوں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اور اپنے دنیاوی کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مساجد میں زیادہ تر مرد جاتے ہیں جن میں جوان بوڑھے سب عمر کے ہوتے ہیں جمعہ کے دن کو تمام مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ اور نمازیوں کا بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ یا چپکے چپکے دل میں نماز پڑھیں یا امام کے پیچھے چپ چاپ کھڑے ہو کر قرآن شریف کی قرأت سُنیں۔ یا نماز کے بعد اخلاقی و مذہبی بلکہ پولٹیکل (سیاسی) امور پر وعظ و نصیحت اور خطبہ سنیں جامع ایا صوفیا میں امام کو تلوار پر سہارا لگائے محراب پر چڑھتے ہوئے اور پھر تلوار کو کندھوں کے اوپر زور سے ہلاتے ہوئے خطبہ دیتے یا وعظ کرتے دیکھنا قابل دید نظارہ ہے۔ خواہ اسکے دیکھنے سے ہم عیسائیوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا ہو جائیں۔ وہ کسی طرح کے ہی کیوں نہ ہوں۔ وعظ ہمیشہ اخلاقی اور مذہبی معاملات پر ہی نہیں بلکہ بعض وقت پولیٹکل قسم کا بھی ہوتا ہے۔ اور عوام الناس اس کو ویسے ہی غور سے سنتے ہیں جس غور سے کہ وہ قرآن شریف کی کسی سورت کو سُنیں البتہ یہ امر قابل افسوس ہے کہ دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں کی طرح قرآن شریف میں بھی فقط مذہب کے بنیادی اصولوں کا ہی نہیں بلکہ معاشرت[1] اور تمدن کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے متعلق بھی متعدد جزوی قواعد درج ہیں۔ ان معاشرتی قواعد میں سے بعض ایسے ہیں کہ وہ فقط

[1] میں اس جگہ پر ونیسر ملیس مور کے ساتھ بحث کرنا پسند نہیں کرتا ایسی سطحی اعتراضات کے جوابات قبلہ سر سید مرحوم۔ اور آنریبل سید امیر علی صاحب ایسے جادو نگار مفصل اور واضح طور پر دے چکے ہیں۔ اپنی قواعد کی خوبیاں کم نظر عیسائی مہذب ہیں پر جو پچاس ساٹھ برس ہوئے اسباب کے قائل ہی نہ تھے کہ اسلام کے کسی قاعدہ میں بھی کوئی خوبی ہو سکتی ہے۔ اب خود بخود بتدریج واضح ہوتی چلی جا رہی ہیں اور وہ وقت بعید نہیں۔ کہ ان سب احکام کی موزونیت اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے حسب حال ہونے کی کیفیت بلندی طور پر واضح ہو جائے گی۔ مترجم

صحراء کے بدوؤں کے حسب حال تھے ان پر یورپ کے موجودہ بڑے بڑے شہروں میں سے کسی ایک میں کاربند ہونیکی چنداں احتیاج ہی نہیں بلکہ یہ کہ وہاں ان پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ انکی سوسائٹی کا نقشہ اس سوسائٹی سے جو ان اخلاقی قواعد کو وضع کرتے وقت رحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود تھی۔ بالکل مغائر ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ممدوح کے پیروں نے ان کے اس ارشاد کو بالکل بھلا دیا ہے۔ "کہ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہوں جب میں مذہب کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں۔ تو اسکی تعمیل کرو۔ مگر جب میں تمکو دنیاوی معاملات کے متعلق کچھ حکم دوں۔ تو اس وقت میں بھی تم جیسا انسان ہوں"۔[۲] حالانکہ حضرت ممدوح کے وقت سے اب زمانہ کی ہر چیز کا رنگ ڈھنگ بدل گیا ہے۔ اور انکے کئی قواعد جدید حالات پر اطلاق کئے جانیکے قابل نہیں رہ گئے۔ جس نظر سے ابتدائی خلفاء کے فاتح و منصور[۳] جیوش غیر مذاہب کے لوگوں کو دیکھتے تھے۔ ویسی نظر سے کم از کم قسطنطنیہ ایسے شہر میں جہاں اعلیٰ ترین منصبوں میں سے کئی ایک پر عیسائی مامور ہیں۔ اور جہاں عیسائی اور مسلمان سٹیمروں۔ ٹریم گاڑیوں اور ریل کی گاڑیوں میں ایک دوسرے کے دوش بدوش بیٹھے سگرٹ پیتے اور اپنے اپنے اخبارات پڑھتے رہتے ہیں مسلمان غیر مذاہب والوں کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ ترکوں کی متوسط اور ادنیٰ جماعتوں کے دلوں میں عیسائیوں اور اجنبیوں کی طرف سے مطلقاً عناد اور دشمنی موجود نہیں رہ گئی۔ اگر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کوئی بلوہ ہو جائے

---

[۱] پروفیسر کے اس فقرہ سے عیسائیوں کی غلط فہمی کی اصل کنہ ناظرین کو معلوم ہو گئی ہوگی۔ بات یہ ہے کہ منصف مزاج سے منصف مزاج عیسائی بھی یہی خیال رکھتا ہے۔ کہ یہ احکام و قواعد حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خود وضع کردہ تھے۔ حالانکہ انکی واضع وہ ذات برتر و اعلیٰ ہے جسکے علم سے ماضی، حال اور استقبال کی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں مترجم [۲] یہ حدیث یہاں بے محل استعمال نہیں کی گئی۔ حضرت سرور کائنات نے صرف اپنی ارشادات کی ایک قسم کی نسبت ایسا بیان فرمایا تھا۔ نہ کہ قرآن کریم کے احکام کی نسبت۔ جنکے وہ صادر کنندہ نہ تھے۔ بلکہ محض سنا دینے اور پہنچا دینے والے۔ مترجم

[۳] یہاں بھی پروفیسر صاحب کجا بود مرکب کجا تاختم عجب غلط فہمی میں پڑ رہے ہیں بحث تو کر رہے تھے۔ حضرت سرور کائنات کی وضع کردہ قواعد پر جنکی زمانہ سابق میں مسلمانوں کو عیسائیوں پر کوئی نتیجہ خیز فتح نہیں حاصل ہوئی تھی بلکہ الٹا عیسائیان حبش کا ممنون احسان ہونا پڑا تھا۔ اور آپہنچے ہیں ابتداء خلفاء کے زمانہ میں جنکو قواعد کی توضیح میں کوئی دخل نہیں حاصل تھا علاوہ بریں ان کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ کہ اس زمانہ میں غیر مذاہب بالخصوص عیسائیوں کو حقارت یا عناد کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ زیادہ توضیح کے لئے دیکھو۔ مفروضہ مظالم آرمینیا۔ مترجم

یا ترکوں کو مفصلات میں عیسائیوں کی بغاوت کر دینے کا اندیشہ ہو جاتا۔ تو ان کے دلوں میں "عیسائی کتّوں" کی طرف سے جو نفرت خوابیدہ موجود ہے۔ وہ بآسانی پھر مشتعل ہو سکتی ہے۔ ہر ایک "پکے" ترک کا عقیدہ ہے۔ کہ جو لوگ قرآن شریف کو خدا کا کلام نہیں مانتے وہ نیلے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائینگے۔ پس جن لوگوں کی یہ کیفیت ہو۔ ہم کو ان کے تعصبات اور توہمات کی اصلاح کے بارہ میں) بے اندازہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ ہم کو اپنے عیسائی ممالک کے فرقہ پیوری ٹن[۱] کی تنگ خیالی کیا معلوم نہیں۔ یہ کوئی زیادہ برسوں کی بات نہیں ہے۔ کہ کلیسیائے اسکاٹ لینڈ کے چند ارکان نے اپنے رائے ظاہر کی تھی کہ جو لوگ گرجا میں ارغنون (باجہ) کے استعمال کو پسند کرتے ہیں۔ وہ کبھی عذاب اُخروی سے مخلصی نہیں پا سکتے۔ ترک لوگ سکاٹ لینڈ والوں سے نہ سہی پیوری ٹن فرقہ کے معتقدوں سے کئی باتوں میں مشابہ ہیں۔ اور ان کا مذہبی جوش بڑی آسانی سے مشتعل ہو سکتا ہے۔ ہم بے تعداد کہانیاں سُن چکے ہیں کہ بلگیریا میں ترکوں نے ناگفتہ ظلم و ستم کئے ہیں۔ مگر عیسائی یہ تو بتائیں۔ کہ لڑائی میں کون قوم اس سے بری رہتی ہے۔ مان لیا کہ ترک سفاک اور ناگفتنی ہیں بلغاری عیسائیوں کی اسوقت کیا کیفیت تھی۔ جبکہ وہ چیرہ دست ہو گئے تھے۔ اور ان کو بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ یہ درست ہے کہ موجودہ علما ترک سپاہیوں کو یہی تلقین کرتے ہیں کہ موقع حرب پر جس قدر زیادہ عیسائیوں کو قتل کیا جائے۔ اُسی قدر بہشت کا ملنا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ اور جب ایسی تعلیم ہے۔ تو ظاہر ہے کہ سپاہی بہشت میں جانیکے لئے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اُٹھا رکھیگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ دیگر مقدس کتابوں[۲] کی طرح قرآن شریف اسیروں کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور عورتوں اور بچوں پر سختی نہ کئے جانے کی خاص طور پر تاکیدی ممانعت کرتا ہے۔ افسوس یہی تو ہے کہ عام درجہ کے ترک قرآن شریف جانتے نہیں وہ عربی سمجھ نہیں سکتے اور ترکی ترجمہ کے چھپنے کی اجازت نہیں۔ چند برس ہوئے۔ مدارس میں ایک مسلمان اس جرم میں اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیا گیا تھا۔ کہ اس نے عربی کے بجائے قرآن شریف کی آیات کا اردو ترجمہ نماز میں پڑھا تھا۔ جو عربی جانتے ہیں۔ انہوں نے تو قرآن شریف کا مطلب درست سمجھ لیا۔

[۱] یہ فرقہ عیسائیوں کا گویا وہابیہ فرقہ ہے۔ مترجم

[۲] کیا توریت اور وید میں بھی ایسی ہی نرمی کا حکم ہے۔ مترجم

مگر جو نہیں جانتے۔ ان کو جو کچھ ملا اور امام بتائیں درست ماننا پڑتا ہے مسلمانوں میں مذہبی مقتداؤں کا ویسا کوئی طبقہ موجود نہیں جس طرح ہم عیسائیوں میں پادریوں کا۔ اسلامی ممالک میں علماء کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ جو الٰہیات فقہ اور دیگر مذہبی علوم میں ماہر ہوتے ہیں اہل محلہ و دیہات انہی میں سے امام مقرر کر لیتے ہیں۔ مساجد میں باجماعت نماز پڑھانا اُن کا کام ہوتا ہے مفتی (مشیرانِ قانون) اور قاضی (جج) گورنمنٹ مقرر کرتی ہے۔ ان علماء کی تعلیم بالطبع انکے ذاتی خیالات سے رنگی ہوتی ہے۔ جن خیالات میں سے اس کا باعث خواہ مذہبی یا سیاسی جہالت ہوں) ایک یہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں عیسویت کی طرف سے رنجش اور نفرت ہوتی ہے کہ مذہبی اور سیاسی پرجوشی اور تحریک کے اوقات میں ان لوگوں کو عوام الناس پر بڑا اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ اور اس موقع پر وہ گورنمنٹ کی صلح کل اور زیادہ وسیع الخیال پالسی کو ہزیمت دیکر بہت کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور شرارت کھڑی کر سکتے ہیں لیکن اگر ترک عیسویت سے بے خبر رہنے اور اس سے نفرت رکھنے کی وجہ سے مستوجب ملامت ہیں تو بہ عیسائی قرآن سے بیجا نا واقف رہنے کے مستوجب ہیں ترک تو صرف بیخبر رہتے ہیں یا دل میں نفرت کرتے ہیں مگر عیسائی حضرات مذہب اسلام کی نسبت علانیہ حقارت کے ساتھ ذکر اذکار کرتے ہیں عیسائی خفیہ اور عالمانِ علوم مذہبیہ اس کے جواب میں یہ عذر پیش نہیں کر سکتے۔ کہ ہم قرآن نہیں جانتے قرآن کے متواتر کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور گو اسلامی علوم دینی کو درست طور پر سمجھنے کے لئے احادیث اور روایات کا علم ہونا ضروری ہے تاہم صرف قرآن شریف کو ہی بغور پڑھنے سے انسان مذہب اسلام سے خاصی واقفیت پیدا کر سکتا ہے۔ دنیا میں تمام ضروری اصولوں میں کوئی دو مذہب ایسے کامل متفق اور متحد نہیں جیسے کہ اسلام اور عیسویت۔ یہ دونوں ملتیں ایک ہی باپ کی بیٹیاں۔ ایک دوسری کی سگی بہنیں۔ اور ایک ہی روح سے فیضیاب ہیں اگر حضرت محمدؐ کو عیسویت کے بعض عقاید کے مدعا سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو جاتی تو ظن غالب ہے کہ رسولِ خدا اور ان کے معتقدین عرب صاف اور سادی عیسویت کو اپنا مذہب قبول کر لیتے[1] اس کو کل تسلیم کرتے ہیں اور سب سے بڑھکر خود آنحضرت صاف صاف تسلیم فرما چکے ہیں کہ انہوں مبلغوں سے جو کہ یہودی اور مسیحی مذہب کے تھے۔ ان کو علم اور الہام حاصل ہوا۔ اور معلوم ہو رہا ہے۔ کہ حضرت کے مخالفین کو یہی اسباب کا پورا پورا علم تھا۔ کیونکہ رسالت سے انکار کرتے وقت وہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ باتیں کسی انسان نے آنحضرت

[1] حاشیہ صفحہ ۶۷ پر دیکھو

کو سکھائی ہیں۔ اسبارہ میں دو یہودیوں جبر اور یاسر کا نام لیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے حضرت کو عہد نامہ عتیق پڑھ کر سنایا۔ حضرت کے حرم محترم میں سے ریحانہ پہلے یہودی المذہب اور ماریہ مسیحی المذہب قبطن تھیں حضرت خود نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور اس امر کا سخت افسوس ہے۔ کہ انکو یہودیت اور نصرانیت کا علم کسی پاک اور زیادہ براہ راست ذریعہ اور وسیلہ سے نہ ہوا (یعنی عیسائیت اور یہودیت کے اچھے نمونے ان کی نظر سے نہ گذرے) عیسائیوں کے جو فرقے انکی نظر سے گذرے انہوں نے علیسویت کو خراب کر دیا ہوا اور اسکے چند لازمی اور سرکردہ عقاید کو غلط لباس پہنا دیا ہوا تھا۔ اسوقت عیسائی علماء کا یہ حال تھا۔ کہ ان میں فی الواقعہ اس مسئلہ پر بڑے زور و شور سے بحث و مباحثہ ہو رہی تھی کہ آیا مریم دیبی تھیں یا انسان۔ اور آیا وہ معصوم تھیں یا خطاکار۔ ایسی صورت میں کیا حضرت محمد اور ان کے پیروں کے عیسائیوں کی اصلاح سے مایوس اور انکے عقاید سے متنفر ہو کر علیسویت سے روگردان ہو جانے اور تثلیث کے کل عقیدہ کو تین خداؤں کی پرستش اور توحید کا جو کہ حضرت ممدوح اور انکے معتقدین کے اعتقاد اور دین ایمان کا اصل اصول تھی نقیض قرار دینے پر کوئی تعجب ہو سکتا ہے؟ اسوقت انہوں نے عیسائیوں کے اعتقادات کو دیکھکر یہی رائے قایم کرلی تھی۔ کہ عیسائی تثلیث سے باپ۔ ماں۔ اور بیٹا کی مراد لے رہے ہیں۔ یعنی اللہ کو باپ۔ کنواری مریم کو ماں اور مسیح کو فرزند بنا رکھا ہے۔ زمانہ مابعد میں بیضاوی نے عیسوی تثلیث کا نسبتاً زیادہ درست مطلب سمجھا۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ جیسے ایک عیسائی نے بتایا ہے۔ کہ تثلیث فی الحقیقت اب (باپ) یعنی وجود باری تعالیٰ۔ ابن (فرزند) یعنی عقل ایزدی۔ اور روح القدس یعنی حیات ایزدی پر مشتمل ہے۔

حضرت محمد کو اپنے ابنائے ملک کے شرک سے جو ہزارہا معبودوں کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے۔ سخت نفرت تھی ان کے نزدیک ہر ایسی چیز جس میں ایک خدا سے زیادہ معبودوں پر اعتقاد کرنے کا ذرا سا شائبہ بھی پایا جائے۔ نہایت ہی پلید اور ناپاک تھی۔ پس کوئی شک نہیں کہ یہی وجہ تھی جسکے باعث وہ علیسویت سے بیزار ہو گئے

لہ حاشیہ صفحہ ۶۵۔ پروفیسر کا یہ بھی خیال غلط ہے۔ کئی پاکیزہ صفات عیسائی اور یہودیوں نے آنحضرت کو سابقہ پڑا اور جونہی انکو رسالت کا حال معلوم ہوا۔ وہ فی الفور ایمان لے آئے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ بعثت کے منتظر بیٹھے تھے۔ دعوت اسلام کی خبر پاتے ہی مسلمان ہو گئے۔ مترجم

گو عیسیٰ مسیح سے تعلق ... برابر رکھا کسی نئے مذہب کے بانی نے دوسرے مذہب کے بانی کا کبھی ایسے ادب اور احترام سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ آنحضرت نے حضرت مسیح کا کیا ہے۔ آنحضرت کا عقیدہ تھا۔ کہ خداوند کریم باوقات مختلف اپنا منشا رسولوں کی وساطت سے مخلوق پر واضح کرتا رہا ہے۔ ان پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کی آنحضرتؐ کے دل میں اس قدر وقعت اور عزت نہیں تھی۔ جیسی کہ حضرت عیسیٰؑ کی۔ وہ مسیح کو عیسیٰ مسیح اور روح اللہ پکارتے ہیں۔ اور انکی نسبت ارشاد فرماتے ہیں "کہ عیسیٰ خدا کا رسول ہے جو اس دنیا میں بحیثیت پیغمبر نامدار ہے۔ اور دوسری دنیا میں بحیثیت شفیع" وہ عیسیٰؑ کو ابن اللہ نہیں پکارتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان الفاظ کے پہلے ہی کیسے غلط معنی سمجھ لیے گئے ہیں۔ مگر اسکے عوض وہ انکو اس سے بھی اعلیٰ لقب کلمۃ اللہ کا عطا کرتے ہیں۔ "اس کا اعلیٰ وارفع صفت آج تک کسی انسان کے خیال میں آ نہیں سکتی۔ نہ کسی زبان میں اس سے بڑھکر کوئی صفت ہو سکتی ہے۔" یہ ابن اللہ سے بھی زیادہ بلند اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ یہ ایسی اعلیٰ ترین صفت ہے کہ ہمارے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا مسیح کو یہ خطاب دیتے وقت حضرت محمدؐ نے اس کے معنی بھی جو نہایت عمیق اور گہرے ہیں سمجھ لیے تھے یا نہیں۔ تاہم یہ امر بالکل صاف ہے کہ وہ ابن اللہ کے استعارہ دار نام سے غلط فہمی کے پیدا ہو جانے کے خطرہ سے جو کہ فی الواقع مسیحیت کے اوائل ہی سے پیدا ہو گئی تھی۔ بخوبی واقف تھے۔ ہم عیسائیوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ سے ہی عیسائی علماء کو اس خیال کی کہ خدا بیٹا جن سکتا ہے تردید کرنی پڑی تھی۔ انہی معنوں میں حضرت محمدؐ فرماتے ہیں۔ "[1] بیٹا جننا خدا کی شان کے شایان نہیں ہے۔ کل شان و شوکت اسی کو حاصل ہے"۔ دوسری جگہ جہاں خداوند کریم حضرت کو مریم کے حمل کی بشارت کا قصہ سناتا ہے۔ قرآن شریف میں یہ درج ہے۔ "فرشتہ نے کہا اے مریم سن۔ تحقیق خدا تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اسکا نام مسیح ابن مریم ہوگا [2] وہ اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں وجیہ اور خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ گہوارہ میں بھی لوگوں سے اسی طرح باتیں کریگا جس طرح کہ جوان ہو کر۔ اور عادل ہو گا"...... مریم نے کہا۔ بار خدایا! میرے ہاں بیٹا کس طرح پیدا ہو گا۔ جبکہ مرد نے مجھے چھوا نہیں"۔ فرشتہ نے کہا۔

[1] یہ مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ ہے سُبْحٰنَهٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (ن ع ۲۳ سیپارہ ۶) [2] اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يَا مَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (آل عمران رکوع ۵ سیپارہ ۳ رکوع ۵)

اسی طرح ہوگا - خدا جسے چاہیگا - پیدا کریگا - جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے - تو اُسے صرف کہا جاتا ہے ہوجا - اور وہ ہوجاتی ہے اور وہ اسے کتاب - دانائی توریت اور انجیل سکھائیگا - اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا"

لیکن گو حضرت محمدؐ ہر جگہ اور ہمیشہ خود حضرت مسیح کا اس عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں مگر مسیحی فرقوں کے باہمی تنازعوں اور اُن خرابیوں پر جو عیسائیوں نے مسیح کے پاک عقائد میں داخل ہوجانے دی تھیں علانیہ حقارت اور نفرت ظاہر فرماتے ہیں آنحضرت کا تصور ذات باری تعالیٰ کی نسبت عہد جدید (انجیل) کی نسبت زیادہ تر عہد عتیق (توریت) کے بیانات کے مطابق تھا - چنانچہ قرآن شریف میں انجیل کی نسبت توریت سے بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے - جو بآسانی معلوم ہورہی ہے - لیکن آنحضرت یہود اور نصاریٰ ہر دو سے ناراض ہیں - کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی پاک تعلیم کو بگاڑ دیا ہے - وہ ان کو ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو تمہارے باہمی جھگڑے ہی بتا رہے ہیں کہ تم سب غلطی پر ہو - اور سپارہ میں حسب ذیل فرماتے ہیں "دونوں فرقوں میں باہمی اختلاف پیدا ہو گئے ہیں کہ یہود کہتے ہیں نصرانیت پر سہارا کئے ہوئے ہیں - اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی شئے پر سہارا نہیں کئے ہوئے - حالانکہ دونوں فریق کتاب اللہ کے پڑھنے والے ہیں - مگر قیامت کے دن جس بات پر وہ مختلف ہیں خدا اس کا ان میں فیصلہ کردیگا ..... مشرق و مغرب کا مالک خدا ہے - پس جس طرف تم پھرو - ادھر ہی خدا کا چہرہ ہے"

عیسویت پر آنحضرت نے جس قدر اعتراض کئے ہیں - وہ سب کے سب سچی عیسویت پر نہیں بلکہ صرف اس جھوٹی عیسویت پر ہیں - جو ان کے مشاہدہ اور علم میں آئی - اگر ہم اس امر کو ذہن نشین کرلیں - تو آنحضرت کی مخالفت کرنیکی بجائے انکے اعتراضات کی لفظ لفظ سے اتفاق رائے کریں - قرآن شریف کی چوتھی سورت کی ۱۶۹ آیت ہے "پس خداوند کریم اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ - اور تین خدا نہ کہو" اس آیت سے کون عیسائی انکار کرسکتا ہے - بالیقین ہر سمجھدار عیسائی آنحضرت کے ساتھ اتفاق کریگا - نہ کہ ان عیسائی فرقوں سے جن کی تثلیث اب - مریم - اور مسیح پر مشتمل تھی - آنحضرت یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسیح نے کبھی خدا یا خدا کے برابر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا - خود مسیح کو ثالث بناتے ہیں - سورۂ پنجم آیت ۱۱۲ میں ہم یہ عبارت پاتے ہیں " اور جب خداوند کریم کہے گا - اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا تونے بنی آدم کو کہا ہے - کہ مجھکو اور میری ماں کو خداوند تعالیٰ کے علاوہ خدا سمجھو - تو وہ جواب دیگا - بار الہا اب

تعریفیں تجھی کو ہیں۔ میں وہ بات کس طرح کہہ سکتا تھا۔ جسکو میں جانتا تھا کہ غلط ہے۔ اگر میں نے
ایسا کیا ہوتا۔ تو تجھے لازمی طور پر اسکی خبر ہو جاتی۔ جو کچھ میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے۔ مگر جو
کچھ تیرے دل میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ کیونکہ تو پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔"

آنحضرت کو فقط اپنے ابنائے ملک کی کراہیت انگیز بت پرستی کی بیخ کنی کے لئے نہیں
بلکہ ان غلطیوں کو دُور کرنیکے واسطے بھی جو یہودیت و نصرانیت دونوں میں داخل ہو گئی تھیں
نئے مذہب کی تشہیر اور تبلیغ کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ اپنے مذہب کو نیا مذہب
نہیں کہتے۔ بلکہ ارشاد فرمایا۔ کہ "بہتیرے پیغمبر یہی مذہب مجھ سے پہلے سکھا چکے ہیں۔ لیکن
لوگوں نے انکی باتوں پر بہت کم توجہ کی"۔ آنحضرت خود کو اُمّی پیغمبر فرماتے ہیں۔ مگر یہ کبھی
دعویٰ نہ کیا کہ میں سب پیغمبروں سے بڑا ہوں۔ آنحضرت رسول اللہ پکارے جاتے ہیں لیکن
یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ کہ رسالت کا فخر صرف مجھی ہی حاصل ہوا ہے۔ یا یہ کہ میں سب
رسولوں سے مرتبہ میں بڑا ہوں۔

اگر حضرت محمدؐ نے مسیح کی حیثیت کلمۃ اللہ کا مطلب درست سمجھ لیا ہوتا۔ اور یہ جان لیا
ہوتا کہ فقط انہی معنوں میں وہ ابن اللہ ہے تو غالب وہ عرب بالکل دنیا میں عیسویت کے سب سے
زبردست رسول ہو جاتے۔ اگر ان عیسائیوں نے جن سے آنحضرت کو سابقہ پڑا۔ ابن اللہ کے
خیال کو بگاڑ کر کفریہ دیوتا پرستی کے ہمرنگ نہ بنا دیا ہوتا۔ تو وہ غالباً عیسائی یعنی اُس
صداقت کے جسکی تلقین موسیٰؑ اور عیسیٰؑ[1] نے کی تھی۔ ایک اور جدید پیغمبرؐ ہو جاتے۔ یہ تثلیث
ہی کا غلط سمجھا گیا عقیدہ ہے۔ جس نے عیسویت کو کروڑ ہا معتقدین سے محروم کر دیا۔ اور
حضرت محمد کو دوست کی بجائے دشمن بنا دیا۔ اگر ہم عیسائی اور کچھ نہ کریں۔ صرف آنحضرت کے
اعلیٰ مقاصد کو اور بالخصوص اس مقاصد کو جو اظہار نبوت کے ابتدائی زمانہ میں وہ رکھتے تھے۔

[1] ہم مسلمانوں کو پروفیسر کے اس بیان پر ناراض نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ خیال کر کے کہ یہ عبارت ایک عیسائی کی قلم سے نکلی ہے
اُسے معذور سمجھنا چاہیئے۔ لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اسمیں کوئی قباحت کی بات نہیں پائی جاتی۔
اسلام بھی عیسویت سے متغائر نہیں ہے۔ اور حضرت سرور کائنات نے اسی توحید کو تازہ کیا تھا جسکی
ہدایت از آدم تا عیسیٰ کل پیغمبر کرتے چلے آئے ہیں۔ بہر حال ایک عیسائی اور پھر مسکین مور کے رتبہ کے عیسائی سے اسلام
کی اسقدر خوبیاں ہی سننا جو اوپر مندرج ہیں مسلمانوں کو کچھ کم فرحت بخشنے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ بس
اگر اس پر بوجہ یگانگت کہیں خفا ہو گئی ہو۔ تو اسے نظر انداز کر دینا واجب ہے۔ مترجم

جان جائیں - اور انکو سمجھ لیں - تو ہم کبھی حضرت ممدوح کو پیغمبر کا لقب دینے سے خست اور
سنگدلی نہ کریں - یہ امر واقع کل دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ آنحضرت نے اس جگہ جہاں پہلے وحشیانہ
بُت پرستی کے سوا اور کسی چیز کا نام و نشان نہیں پایا جاتا تھا - ایک مذہب قایم اور نصب
کر دیا ہے - اسوقت کم از کم سترہ کروڑ انسان ۵۹۷۵۰۰۰ یورپ میں ۵۰۲۱۶۰۰۰ افریقہ
میں - اور ۱۱۲۷۳۹۰۰۰ ایشیا میں حضرت محمدؐ کے معتقد اور نام لیوا موجود ہیں
اے عیسائیو ! انصاف کرو - کیا وہ شخص جو اتنے دلوں کا مالک ہو پیغمبر کہلانے کا مستحق
نہیں ہے ؟

{مرحومہ پروفیسر الیف میکس مول - مترجم وید - ژند اوستا - قرآن
قرآن شریف - و دیگر مقدس کتب مذاہب مشرق}

(۷) مساجد و مقابر

میں ان بیشمار مساجد اور مقابر کا جن کو ہمنے ٹرکی میں دیکھا مفصل بیان تحریر کرنے کا ارادہ
نہیں کرتی - بلکہ بشرط امکان صرف اس عام کیفیت کو ضبط تحریر میں لانیکی کوشش کرتی ہوں
جو اُن میں سے سب سے نادر عمارات کے دیکھنے سے انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے -
قسطنطنیہ کی مساجد وغیرہ کے بعد ہم نے بروصہ جاکر ایسی مسجدیں دیکھیں جو ٹھیٹھ اسلامی طرز
میں بنی ہوئی ہیں قسطنطنیہ کی مسجدیں ایا صوفیا وغیرہ کی طرح یا تو پرانے عیسوی معبد ہیں یا
ایسی ہیں - جو آغا صوفیا جامعسی کی طرز پر بنائی گئی ہیں - ایا صوفیا کو باہر سے دیکھنے پر
کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی - جو نگاہ یا تصوّر کو عجیب معلوم ہو - بائیں مسجد میں کھڑا ہونے
پر مسجد کا درمیانی بڑا گنبد اور اسکے دونوں طرف کے چاروں نیم گنبد بمشکل دکھائی دے سکتے ہیں
اور مسجد کے گرداگرد چاروں طرف باقی مسجدوں کی طرح مدرسے - حمام - سراے - اور باورچی خانے
بنے ہوئے ہیں - مگر ڈیوڑہی میں داخل ہوکر بوٹوں پر سلیپر پہن لینے کے بعد (کیونکہ اگر انکو نچڑھایا
جائے - تو بوٹ اُتار کر برہنہ پا اندر جانا پڑیگا) اور مسجد کے وسط میں جسے ایوان کلاں کہنا
زیادہ مناسب ہوگا - اور جس پر درمیانی گنبد اور دو نیم گنبد بنے ہوئے ہیں پہنچ جاؤ - اور وہاں
تھوڑی دیر ٹھیر کر نظر کو فرش سے لیکر بالائی منزل کی گیلریوں (برآمدوں یا لمبے جھروکوں)
کی محرابوں تک جو نچلی محرابوں سے چھوٹی ہیں سیر کرنے دو - اور اس بڑی ایوان کی وسیع فضا

کو اپنا اثر ڈالنے دو۔ تو تم چند لمحوں میں فرگسن (سیّاح) کے قول کی تصدیق کر کے پکار اٹھو گے۔ کہ بیشک "آج تک ایسا خوبصورت اور کامل گرجا کسی عیسائی قوم نے تعمیر نہیں کیا"۔ نچلی محرابیں سبز سنگ سماق کے بڑے بڑے چار ستونوں پر جن کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ دیبی ڈائنا کے مندر واقع مقام افی سس سے لائے گئے تھے۔ کھڑی ہیں۔ گیلریوں کے ستون بھی جو ان سے ہلکے ہیں۔ اسی پتھر کے ہیں۔ اس درمیانی ایوان کے چاروں کونے گہرے سرخ رنگ کے سنگ سماق کے ستونوں پر قایم ہیں۔ یہ ستون روایت ہے کہ بعلبک کے بڑے مندر سے جو بعل یا سورج دیوتا کی پرستش کے لئے بنا ہوا تھا۔ لائے گئے تھے۔ اکثر ایسے ستونوں کی چوٹیوں پر جو خاص قسطنطنیہ میں تیار کئے گئے تھے۔ ابتک قیصر جسٹینین اور اسکی ملکہ تھیوڈورا کے طغرے موجود ہیں۔ موجودہ عمارات انہی دونوں نے قسطنطین اور تھیوڈوسیس کی تعمیر کردہ پرانے گرجوں کے موقع پر جو دونوں یکے بعد دیگرے جل گئے تھے۔ تعمیر کرائی تھی۔ دیواریں اور گنبد کسی وقت از سرتا پا بیل بوٹوں سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ مگر چار بڑے فرشتوں (جبریل میکائیل۔ اسرافیل۔ اور عزرائیل) کی تصویروں کے سوائے جو گنبد کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔ اسکی باقی کل نقش و نگار پر چونا پھیر دیا گیا ہے۔ گیلریوں میں البتہ ان بیل بوٹوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو گہری نیلگوں بلکہ سیاہ زمین پر نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں ابتک کہیں کہیں موجود ہیں چونکہ مکہ معظمہ یروشلم سے زیادہ جنوب رویہ ہے۔ محراب جس کا مکہ کے رُخ ہونا ضروری ہے۔ مشرقی دیوار کے عین وسط میں نہیں ہے۔ بلکہ کسی قدر جنوب کی طرف ہٹی ہوئی ہے۔ محراب کے قریب ہی وہ ستون ہے جسپر بیت اونچا کر کے ایک نشان لگا ہوا ہے جیسا کہ خون آلودہ ہاتھ کا چھاپہ ہوتا ہے۔ روایت ہے۔ کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد جب محمد فاتح مذبوح عبادت کنندگان کی لاشوں پر سے زین سوار گرجا میں داخل ہوا تھا تو اُس نے یہ دیکھنے کے لئے کہ کہاں تک ہاتھ پہنچتا ہے۔ یہ نشان لگایا تھا۔ گیلریوں میں جاکر ہم نے مشہور بند دروازہ دیکھا۔ عام خیال ہے کہ وہ پادری جو اسوقت بڑی نماز پڑھا رہا تھا اس کو فرشتہ انجیل کو لیکر بھاگ گیا تھا۔ دروازہ اسکے پیچھے بند ہو گیا۔ اور ابتک نہیں کھل سکا مگر جب ترک قسطنطنیہ سے نکال دیئے جائینگے۔ اور ایاصوفیا پھر عیسائی کنیسہ بنجائیگا۔ تو پادری مذکور پھر خود نمودار ہو کر اپنی نماز کو جسے ادھورا چھوڑ گیا تھا۔ پورا کریگا۔

ایاصوفیا کی پوری کیفیت جمعہ کی نماز کے وقت دکھائی دیتی ہے۔ بیرام خان کی

نماز کے سوا اور نمازوں کے وقت اندر جانیکی اجازت بمشکل ملتی ہے۔ ہم صادق پاک سے اسلئے
ہملوگ وہاں اپنے ساتھ لے جانے کی درخواست نہیں کی تھی۔ کہ شاید اسے یہ امر ناگوار گذرے
کہ جو امر اسکی نگاہوں میں ایسا متبرک اور مقدس ہے۔ ہم اسے محض کھیل سمجھکر اس کا نظارہ
کرنے جاتے ہیں۔ تاہم سفارت کے ایک قواص کی نگرانی میں ہم اجازت لیکر اپنے فرزند
سمیت گیلریوں میں چلے گئے۔ اور عمداً مغربی کونہ میں بیٹھے۔ تاکہ نمازیوں کے پس پشت ہونے
کی وجہ سے انکی نظر ہم پر نہ پڑے۔ اور ان کو برا ماننے کا موقع نہ ملے۔ ہم دوپہر سے کچھ
عرصہ پہلے گئے تھے۔ ارادہ تھا۔ کہ مسجد کی دوبارہ پھر کر بخوبی سیر کریں۔ مگر اسکی اجازت ندی
گئی۔ کیونکہ نمازی جمع ہو گئے ہوئے تھے۔ مصلوں کی لمبی صفیں جو محراب رویہ ہونیکی وجہ سے
کسی قدر ترچھے بچھے ہوئے تھے۔ اوپر سے دیکھنے سے دلپر عجیب اثر پیدا کرتی تھیں۔ تھوڑی
ہی دیر میں ہر ایک مصلا رک گیا۔ اور امیر وغریب دوش بدوش قیام وسجود میں مشغول ہوگئے
قطاروں میں اس قدر فاصلہ تھا۔ کہ نمازیوں کو سجدہ کے لئے جگہ مل جائے۔ نمازی سب
مرد تھے۔ عورتوں کے لئے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے۔ مگر جہانتک ہمیں دریافت کرنیکا موقع ملا ہے
معلوم ہوا ہے کہ صرف نہایت ہی غریب جماعتوں کی مستورات مساجد میں جاتی ہیں۔ نماز
شروع ہو گئی۔ اور امام نے بلند چبوترہ پر کھڑا ہو کر قرآن شریف کی قرأت لے دار اور دھیمی
آواز میں آغاز کردی۔ نمازیوں کو صف بستہ اوپر تلے ہاتھ رکھے ہوئے ایستادہ اور پھر امام کی
تکبیر۔ ایک ساتھ رکوع وسجود اور قیام اور دائیں بائیں منہ پھیرتے دیکھتے رہنا نہایت ہی
مؤثر نظارہ تھا۔ بالآخر خطیب نے تقریباً عمودی زینوں پر سے منبر پر چڑھکر منہ نمازیوں
کی طرف کر لیا۔ خلیفہ وقت اور اسلام کی فتح ونصرت کے لئے دعا مانگکر خطبہ پڑھا۔ اسکا
چوغہ ساٹن کا تھا جسکا رنگ ہلکا بسنتی تھا۔ سر پر سفید عمامہ۔ دائیں ہاتھ میں برہنہ تلوار
جو بلند کی ہوئی تھی۔ اور دونوں طرف بطور نشان فتح ایک ایک جھنڈا لٹکا ہوا تھا۔ اس خطبہ
کے بعد جسمیں دعا اور وعظ دونوں باتیں شامل تھیں۔ کل نمازی سربسجود ہو گئے۔ اور سجدہ کے
بعد قعود کرکے پہلے سروں کو دائیں طرف اور پھر بائیں طرف پھیرا جسپر نماز جمعہ ختم ہو گئی
اور وہ سب جلد جلد گر چپ چاپ مسجد سے روانہ ہو گئے۔ ہم بھی اپنے دلوں میں یہ اطمینان
لئے ہوئے مسجد سے باہر آگئے۔ کہ ہم نے دلی ذوق سے ادا کی گئی اصلی نہایت سچی عبادت
ربانی کا نمونہ معائنہ کیا ہے۔ ہر شخص متوجہ ومصروف اور ملحقات سے بالکل بے خبر معلوم ہوتا تھا

میں نے بعد میں صادق بک کو جب بتایا۔ کہ ہم مسجد میں گئے تھے۔ جہاں نمازیوں کی توجہ اور اخلاص کو دیکھکر ہم پر بڑا اثر ہوا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اور اُسنے بھی پُرجوشی سے جواب دیا "اثر کیوں نہ ہوتا۔ یہ نماز ہے"۔ ہمارے گرجوں کی طرح نمازیوں کی توجہ کو مایل کرنے کے لئے کوئی موسیقی۔ گلدستے۔ پھولوں کے ہار اور بے تعداد پادری نہ تھے۔ بلکہ سب کچھ نہایت ہی سیدھا سادہ۔ اور کمال موثر تھا۔ اور دیکھنے والوں کو پورا پورا یقین ہوجاتا تھا۔ کہ جو لوگ شریک عبادت ہیں وہ اسے رسم کی پابندی کا پورا کرنا نہیں۔ بلکہ فی الواقع خالق ارض و سما کی عبادت و پرستش سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔

ان چھوٹے گرجوں میں سے جو مسجد بنائے گئے ہیں۔ سب سے خوبصورت اور اکمل کوچک ایا صوفیا ہے۔ وہ اس ڈھلوان سڑک پر جو آتمیدان سے مرمرا کو جاتی ہے۔ واقع ہے۔ میں نے اس رستہ کو سڑک تو کہدیا۔ مگر دراصل اسے گڑھوں اور ٹیلوں کا ایک لمبا سلسلہ سمجھنا چاہیئے۔ جن پر سے ہم کو چالاک عرب گھوڑے بخیریت لے گئے۔ اس گرجہ کو بھی جسٹینئین نے تعمیر کرایا تھا۔ وہ تقریباً مربع اور اسکی عمارت عجب ہلکی پھلکی اور کمال موزون ہے۔ ترکوں نے پرانی ڈیوڑھی گرا کر اسکی جگہ ترکی طرز کی نئی ڈیوڑھی بنادی ہے۔ تمام پچی کاری اور تصویروں پر قلعی کا پلاستر کردیا گیا ہے۔ تاہم ان سبک بازنطینی ساخت کے ستونوں کی خوبصورتی کو جن پر گیلریاں کھڑی ہیں کوئی چیز نہیں مٹا سکتی۔

میں اوپر یہ بتا چکی ہوں۔ کہ گولڈن ہارن کے دونوں طرف قسطنطنیہ کی تقریباً تمام مسجدیں کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر بنی ہوئی ہیں۔ کئی شاہی مسجدیں ہیں۔ جن کو مختلف سلاطین نے تعمیر کرایا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے گرد بڑی چاردیواری ہے۔ جسکے اندر جامع یعنی خاص مسجد۔ حرم یعنی مسجد کا کھلا صحن اور باغ ہوتا ہے۔ اور باغ میں ہی عموماً بانی مسجد کا مقبرہ ہوتا ہے۔ ان شاہی مساجد میں سے ہر ایک کے ساتھ مختلف اوقاف ہیں۔ جو عموماً چاردیواری کے گرد بنے ہوئے ہیں۔ بالعموم ہر مسجد کے ساتھ ایک عام مدرسہ یا دینی درس گاہ جن میں پرجوش اور مذہبی خبطی سوفتا دینی طلبا رہتے ہیں۔ غربا کیلئے لنگر خانہ۔ کتب خانہ اور حمام ہوتا ہے بعض بعض مساجد کے ساتھ مسافروں کے لئے خانیں (سرائیں) بھی ہیں۔ اس تفصیل سے ناظرین انکی وسعت مکانیت اور عمارت کی علوشانی کا بآسانی اندازہ کرسکتے ہیں۔ شاہی مسجدیں شہر کی ساتوں پست قامت پہاڑیوں میں سے ایک ایک کی چوٹی پر ہے۔ مسجد سلیمانیہ [illegible]

ایک سے لیکر چھ تک مینار ہیں۔ یعنی ایک سے کوئی خالی نہیں اور چھ سے کسی میں زیادہ نہیں۔
بڑی مسجدوں کی مینار سفید مرمر یا کسی اور سفید و براق شفاف پتھر کے ہیں۔ اور چھوٹی اور
غریبانہ حیثیت کی مساجد کے چونے کے ہیں۔ مگر انکی براقی بھی آنکھوں کو چوندھیا دیتی ہے
اور گو وہ سنگ مرمر سے کم قیمت مصالح سے بنے ہوئے ہیں۔ مگر بالعموم نہایت وضع دار اور
خوبصورت ہیں۔

ساری عمر میں پہلی مرتبہ جس مسجد[1] میں ہم داخل ہوئے۔ وہ جامع احمدیہ (یعنی احمد اول کی مسجد)
ہے ہم اسکی وسعت کو دیکھکر دنگ رہ گئے۔ وہ ایا صوفیا سے گو چھوٹی ہے۔ مگر عرض میں اس کر
بہت بڑی ہے۔ درمیانی گنبد چار بڑے بڑے کہارے دار کھمبوں پر قایم ہے۔ اور تقریباً
دو سو فٹ مربع جگہ کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ منبر بیت اللہ شریف کے منبر کا ہو بہو نمونہ ہے
یہاں ہمنے اول مرتبہ قرآن شریف رکھنے کی خوبصورت رحلیں دیکھیں۔ ان پر سیپ کا کام ہے
اور وہ مسجد کے ہر حصہ میں رکھی ہوئی ہیں۔ اور جب جاؤ بالعموم یہی دیکھو گے کہ رحل کو سامنے
عمامہ بند چار زانو بیٹھے ہوئے ایک خاص قسم کی غنغناتی ہوئی آواز میں قرآن شریف پڑھ رہا ہے
دریچوں کے اردگرد نہایت خوبصورت روغنی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں۔ اور چھت سے بیشمار
لیمپ لٹک رہے ہیں۔ جن کے ساتھ خوبصورتی کے لئے شترمرغ کے انڈے گھوڑوں کی دموں
کے جھنڈے۔ اور خوبصورت رنگ برنگ کے پھندنے بھی آویزاں ہیں۔ جامع احمدیہ میں جاکے
پر انسان عمارت کی جزئیات کی خوبصورتی سے ایسا متحیر نہیں ہوتا جیسا کہ اسکی وسطی ایوان کی
وسعت کو دیکھکر حیران رہ جاتا ہے۔ تاہم صحن مسجد کی خوبصورتی میں بھی کوئی کلام نہیں اس کے
گرداگرد حجرے بنے ہوئے ہیں۔ سیاہ و سفید مرمر کی بلند اور تنگ محرابیں نازک نازک ستونوں
پر کھڑی ہیں۔ اور وسط میں بہت بڑا حوض ہے۔ جامع احمدیہ کا ایک خاص وصف جو دیگر مساجد کو
حاصل نہیں یہ ہے کہ اسکے چھ مینار ہیں۔ احمد اول کے عہد تک صرف بیت اللہ شریف کے چھ
مینار تھے۔ چنانچہ سلطان احمد کی اس جسارت سے امام مکہ ایسا ناراض ہوا کہ اسے مجبوراً کعبہ
ساتواں مینار بنوا دینا پڑا۔ میناروں کا نچلا حصہ باہر سے کھائی نہیں دیتا۔ وہ ان شاندار درختوں
سے جو چار دیواری کے اندر موجود ہیں چھپے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ درخت مسجد کی عمر کے یعنی تقریباً
تین سو برس کے ہیں۔

[2] جامع سلیمانیہ یعنی سلطان سلیمان اعظم کی مسجد جو سلطان کے حکم سے استاد سنان خان پاشا نے فن معماری

[1] مسجد سے یہاں مقصد کسی غالباً ایسی مسجد سے مراد ہے جسے خود مسلمانوں نے تعمیر کیا ہو۔ ایسی نہ ہو کہ کسی گرجا یا مندر کو مسجد بنا لیا ہو

ہیں جسکے برابر آج تک کوئی ترک پیدا نہیں ہو سکا تعمیر کیا تھا۔ کل مساجد سے جو خوبصورتی میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ یہ تیسری پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔ گنبد سرخ سنگ رخام کے ایک ڈال چار ستونوں پر قایم ہے دیواریں مختلف رنگوں کے مرمر پتھر کی ہیں۔ محراب منبر اور جالی دار پردہ جو سلطان کے نماز پڑھنے کی جگہ کے گرد لگا ہوا ہے۔ براق مرمر کے کمال نفاست۔ نزاکت اور لطافت سے بیل بوٹے دار بنے ہوئے ہیں نہایت اعلیٰ قسم کے رنگین شیشوں کے دریچے ایرانی ساخت کے ہیں اور اقلیدس کی شکلوں کی مثا یہ کمال موزونیت سے تیار کیے گئے ہیں کیونکہ اسلام کسی جاندار کی تصویر کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک گیلری ہر قسم کے خزینوں کی محفوظ مامن کا کام دیتی ہے۔ اسمیں فرش سے لیکر چھت تک مختلف شکلوں اور جسامت کے صندوق اوپر تلے چنے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان صندوقوں میں سونا۔ چاندی جواہرات اور قیمتی پارچات بھرے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں یہاں اسطرح رکھی ہوئی ہیں جیسے کہ یورپ میں بنکوں میں رکھی جاتی ہیں۔ وہ سب درج رجسٹر ہیں۔ جن میں سے بعض سو سال سے زیادہ عرصہ کی وہاں رکھی ہیں۔ اور باوجودیکہ اس اثنا میں کئی انقلاب اور سینکڑوں فساد و ہنگامے ہو چکے ہیں۔ مگر وہ بالکل مصئون پڑی ہیں کبھی انکو کھولا یا چھوا نہیں گیا۔ وہ صرف اصل رجسٹر شدہ سندات کے دکھانے پر واپس لیجا سکتی ہیں سلیمانیہ گو کمال دلفریب ہے۔ مگر اسکے باغ کے دو مقبرے دلچسپی میں اس پر بھی سبقت لے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں خود سلیمان کی تربت ہے۔ اور دوسرے میں اسکی مشہور ملکہ سلطانہ روکسلانہ (روشنک یا خورم) کی قبر ہے ان دونوں کی عمارت ہشت پہلو ہے۔ اور دونوں پر تمام و کمال سیاہ و سفید روغنی چینی کی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں سلیمان کے مقبرے کے گرداگرد محراب دار گیلری ہے۔ اور اندر کی طرف گنبد سنگ مرمر اور سماق کے ستونوں پر قایم ہے مقبرہ میں بانی مسجد کی قبر کے علاوہ اور بھی کئی قبریں ہیں۔ ان تمام قبروں میں جسد خاکی آغوش زمین میں مدفون ہیں اور انکے اوپر بہت بڑے بڑے بلند تعویذ یا صندوق جنکے بالائی حصے محراب دار ہیں بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ صندوق قیمتی دوشالوں اور سنہری حاشیہ کی مخملی چادروں سے ڈھپنے ہوئے ہیں متوفی سلطان کی قبر کے تعویذ کے سرہانے اسکی پگڑی معہ مرصع کلغی یا کسی اور قسم کے مرصع زیور کو رکھی ہے سلیمان کے تعویذ میں یہ ایک اور خصوصیت ہے۔ کہ اس کے گرد نازک سا جنگلا بھرا ہوا ہے جو سیپ کا کام ہے بعض سلاطین کی قبروں پر دستاروں کے ساتھ وہ مرصع نشان بھی آویزاں ہیں جو وہ زندگی میں پہنا کرتے تھے۔ روکسلانا کی تربت کی حالت بیخبری کی وجہ سے اچھی نہیں ہے۔ وہ زبردست عورت جو زندگی میں سیاہ و سفید کی مالک تھی اور جسنے اپنی سنگدلانہ مقاصد کی قربان گاہ پر رحم و کرم کے تمام جذبات اور تاثیرات کو بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ مرجانیکے بعد اب عالم فراموشی اور حالت کس مپرسی میں پڑی ہوئی ہے۔ تعویذ کے ارد گرد

دیواروں سے کھپریلیں گر رہی ہیں اور دوشالوں پر بھی بوسیدگی اور عدم توجہی کی علامتیں نمودار ہیں ان دونوں مقبروں پر بہت بڑی عمر کا ایک دیو قامت شمشاد کا درخت کھڑا ہے۔ یہ درخت ٹرکی میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے شوخ سبز پتے سرو کے درختوں کے سیاہ پتوں کے مقابلہ پر جو ہر قبر کے گرد ہوتے ہیں عجیب خوشنما نظر آتے ہیں۔

اس مسجد کو دیکھنے سے کچھ دنوں بعد ہم نے وہ چھوٹی سی خوبصورت مسجد دیکھی جو سلیمان اول نے دونوں مقتول بیٹوں کی یادگار میں جن کا خون بے رحم روکسلانا کے سر چڑھا تھا سخت ندامت و افسوس کی حالت میں تعمیر کرائی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام محمد تھا جو دوسری بیگم کے بطن سے تھا۔ وہ اس سنگدل عورت کی ترغیب ایما اور مکروہ تحریکات پر اپنے غضبناک باپ کے روبرو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ دوسرا خود روکسلانا کا بیٹا شہزادہ جہانگیر تھا۔ جو اس خوفناک سانحہ کے وقت موجود تھا۔ اسے محمد سے بکمال محبت تھی۔ وہ بے تحاشا اپنے مقتول بھائی کے تن بیجان پر گر پڑا۔ اور جب پادریوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اسے بھی مردہ پایا۔ خونخوار ملکہ نے اسکی قصاص میں سلیمان سے جبراً حکم موت حاصل کرکے محمد کے نوعمر بیٹے کو قتل کرا دیا جس تربت میں یہ دونوں شاہزادے مدفون ہیں وہ سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ اور جو مسقف اور سنہ مقبرہ کہا جاتا ہے اس پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ یہ بھی مسجد سنان نے تعمیر کرائی تھی اسکی کل عمارتیں اچھی حالت میں ہیں اور ان کی پوری نگہداشت ہوتی ہے

شاہی مساجد میں سے ایک سلطان بایزید کی تعمیر کردہ ہے۔ اسے بایزیدیہ یا مسجد کبوتراں پکارتے ہیں یہ سرعسکریت یعنی وزارت حربیہ کے بڑے پھاٹک کے اندر واقع ہے۔ اس میں صرف صحن قابل دید ہے۔ مسجد بذاتہا چنداں دلفریب نہیں صحن کے اردگرد کے حجرے ٹھیٹھ عرب طرز عمارت کے ہیں۔ اسکے ستون سب ایک ڈال اور سبز سنگ سماق سرخ سنگ سماق سیاہ وسفید مرمر اور دیگر اقسام کے پتھروں کے ہیں وسط میں مسقف حوض ہے۔ جابجا خوبصورت سرو اور شمشاد کے درخت بھی موجود ہیں ہر ایک چھت مینار ستون کی چوٹی اور کارنیس ہزاروں کبوتر موجود ہیں جو متبرک سمجھے جاتے ہیں اور انکو کبھی ہلاک نہیں کیا جاتا۔ انکے محافظ کو اگر

لہ مصنف نے مقتول شاہزادوں کی نام اور انکے قتل کے حالات درست نہیں تحریر کئے۔ ایک شاہزادہ کا نام مصطفےٰ اور دوسرے کا نام بایزید تھا۔ ان میں سے کوئی بھی روکسلانا کا بیٹا نہ تھا۔ اول الذکر ۱۵۵۲ء اور دوسرا ۱۵۵۹ء میں ایران میں قتل ہوا تھا مفصل حالات کے لئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۵ از مصنف رمولفہ مترجم۔

چند پیسے دیئے جائیں تو وہ کچھ اناج بکھیر دیگا جسپر ہر طرف سے فی الفور سب جانور جمع ہوجائینگے۔
ہر جمعہ کے جمعہ محلہ کے کتوں کو بھی کھانا دیا جاتا ہے وہ اس ضیافت کے لئے سب طرفوں سے جمع ہو
جاتے ہیں اور کھانے سے فارغ ہوکر ہر ایک ٹولی اپنے اپنے مسکن کو چلی جاتی ہے۔ روایت ہے
کہ سلطان بایزید نے کبوتروں کا ایک جوڑا مسجد کی نذر کیا تھا۔ یہ سب کبوتر اسی ایک جوڑی سے
بڑھے ہیں۔ مسجد کبوتراں چونکہ بڑے بازار کے قریب ہے اسکے حجرے بالعموم تاجروں سے
بھرے رہتے ہیں۔ اجیر منشی بھی اس میں بیٹھتے ہیں جو اجرت لیکر غربا کو خط لکھ دیتے ہیں اگر کسی
بیوپاری کو تھوڑی دیر کے لئے حجرے سے باہر جانا پڑے تو وہ اپنا اسباب بالکل بےفکر ہوکر حجرہ میں
ہی چھوڑ جاتا ہے۔ کیونکہ مسجد کی متبرک حدود کے اندر غریب سے غریب گداگر بھی کبھی چوری
کا مرتکب نہیں ہوگا۔

ایک اور شاہی مسجد جسکے دیکھنے کی ہم نے کوشش کی سلطان محمد فاتح جامع تھی۔ وہ چوتھی پہاڑی
پر ہے۔ اور چو طرفہ کئی میلوں سے نظر آتی ہے مگر جب ہم صادق بک کے ہمراہ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ
وہاں سیر کنندگان کیلئے کوئی سلیپر نہیں دیے جاتے جسپر ہمکو صرف دروازہ کے اندر کھڑے ہوکر اس کی
وسیع المکانی۔ سادہ طرز اور بلا رنگ کے شیشوں کے دریچوں اور سفید چونہ گچ دیواروں کو دیکھنے پر
قناعت کرنی پڑی۔ اس سادگی اور یکرنگی سے دیکھنے والے کی نظر میں چکا چوند سی پیدا ہوجاتی ہے۔ مسجد
کے بیرونی حوض بالخصوص بہت بڑے تھے۔ ہر مسجد کے متصل اس غرض کیلئے حوض بنے ہوتے ہیں کہ
اندر داخل ہونے سے پہلے پاؤں ان میں دھولئے جائیں۔

ہم سلطان محمود ثانی مصلح کی تربت کو دیکھکر ششدر رہ گئے سلطان مرحوم ۱۸۳۹ء میں فوت ہوئے
تھے۔ ترکوں کی قومی شاندار پوشاک اسی نے مسترد کرکے عمامہ کی جگہ فیز اور سفید کٹ دہ شلواروں اور
گھیرے دار جبوں کی جگہ سیدھے سادے فراک کوٹ کو رواج دیا تھا۔ گو اسنے اپنی زندگی میں کفایت شعاری
اور سادگی کو رواج دینے میں سخت کوشش کی تھی۔ مگر اسکے مرنیکے بعد اسکے جانشینوں نے اسکی خواہش دلی
منشا کی بالیقین کوئی پروا نہیں کی۔ کیونکہ اسکا مقبرہ اگرچہ تھوڑے زمانہ کا بنا ہوا ہے لیکن شان
وشوکت میں سب سے گوئے سبقت لے جارہا ہے۔ اسکی عمارت چوندھیا دینےوالے سفید سنگ مرمر کی
ہشت پہلو گنبد دار عمارت ہے۔ دیواروں پر کار نفیس پچی کاری اور اسپر کمال خوبصورت نقش و نگار ہیں
آٹھ میں سات طرفوں میں ایک ایک بڑا دریچہ ہے۔ جن میں سنہری جالیاں لگی ہوئی اور نہایت ہی
بیش قیمت مخملی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مقبرہ کی قبریں حسب معمول صندوق نما ہیں محمود کی قبر

کے تعویذ پر فقط ایک سادہ سُرخ ٹوپی پڑی ہے جس پر کوئی طرہ یا کلغی یا مرصع کاری نہیں ہے۔ البتہ کل تعویذ پر بیش بہا مخملی چادر جسکے حاشیے سنہری ہیں پڑی ہے۔ دائیں طرف مرحوم کی والدہ اور بائیں طرف انکی بدقسمت فرزند عبدالعزیز کی قبر ہے جو ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا تھا۔ عبدالعزیز کی قبر کا جنگلا باپ کی قبر کے جنگلے سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہے۔ دونوں پر سیپ کا کام ہے۔ عبدالعزیز کی ٹوپی میں خوشنما الماسی طرہ لگا ہوا ہے۔ اور اسکی قبر کی مخملی چادر پر سر سے پاؤں تک نہایت خوبصورت سنہری بیل بوٹے کاڑھے ہوئے ہیں۔ طبقہ عثمانیہ کا نشان بھی جسے عبدالعزیز نے قائم کیا تھا اسکی قبر پر رکھا ہے چاروں طرف چاندی اور سیپ کے کام کی رحلیں اور ان پر کمال خوبصورت اور بینظیر قلمی قرآن شریف رکھے ہیں اور ہر ایک قبر کے گرداگرد بہت بلند وزن دار چاندی کے شمعدان موجود ہیں

ایک دن بازاروں سے واپس آتے وقت ہمارے فرزند کو خیال آگیا کہ ہم سوقت سلیمان اعظم کے داماد رستم پاشا کی تعمیر کردہ مسجد کے بالکل قریب ہیں۔ جو چھوٹی مساجد میں نہایت ہی خوبصورت اور خوشنما ہے۔ وہ ایک تنگ سے کوچہ میں چاروں طرف سے مکانات میں ایسی گھری ہوئی ہے کہ بہت کم سیاحوں کو اس کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری گاڑی ایک بچلے سے دروازہ پر کھڑی ہوگئی جس میں سے مسجد کی ڈیوڑھی کو تنگ سی سیڑھیاں جاتی ہیں۔ ڈیوڑھی مسجد کے برابر چوڑی ہے مسجد کے کواڑ بند تھے۔ اور کوئی آدم زاد نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن ہمارا لڑکا کوچبان کی مدد سے مسجد کے محافظ کو بڑی مشکل کے بعد آخر تلاش کرلایا۔ جبتک وہ اسکی تلاش میں پھرتے رہے ہم ڈیوڑھی کی بینظیر چینی کے کام کو بڑے شوق سے ملاحظہ کرتے رہے۔ ایسی خوبصورت مسجد کیلئے ایسی ہی نفیس ڈیوڑھی کی شایاں تھی مسجد کی چینی کاری بالکل صحیح سالم ہے۔ کہیں سے ایک کھپرَیل بھی نہیں اکھڑی نہ کہیں سے کوئی چینی اڑی ہے۔ بیل بوٹے مختلف مدارج کے نیلے رنگ کے ہیں۔ اور سفید زمین پر بنائے گئے ہیں۔ اور مشکل ہی کوئی جگہ ان سے خالی ہے۔ یہ بیلیں دھاریوں میں فرش سے لیکر چھت تک چلی گئی ہیں۔ بعض دھاریاں چوڑی اور بعض پتلی ہیں۔ انکے نقشے بھی ایکدوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر ہیں سب بے نظیر۔ اس مسجد کو دیکھکر کبھی یقین نہیں آسکتا۔ کہ ساڑھے تین سو برس ہوئے اسے استاذ المعمارین سنان نے تعمیر کیا تھا۔ ہم نافرمانی مسجد کو بھی گئے۔ تقریباً ایک سو تیس برس ہوئے اسے بلند کرسی پر جہاں سے مرمرا کی خوب سیر ہوتی ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر وہاں سیر کنندگان کیلئے سلیپر نہیں تھے۔ ہم اس چھوٹی سی خوبصورت مسجد کے صرف دروازہ پر ہی کھڑے رہ سکتے تھے جہاں سے ہم اسکی ہلکی پھلکی گیلری کو جو مسجد کے اندرونی حصہ کے گرداگرد سفید مرمر کے ستونوں پر بنی

ہوئی ہے۔ دیکھکر اسکی تعریف کرتے ہے۔ یہ کل عمارت مسجد کی بجائے زیادہ تر مقبرہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور مربع کی بجائے یہ بھی ہشت پہلو۔ اسمیں دو چھوٹے سے مینار بھی ہیں۔ ہم وہیں ہٹے ہی تھے۔ کہ موذن نے ان میں سے ایک پر کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کر دی۔

والدہ سلطان کی بڑی مسجد کو ہمنے کئی دفعہ دیکھا۔ پیرا کی طرف سے غلطہ پل کو عبور کرنے وقت وہ عین سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ مگر ان موقعوں پر اسکی باغ کے مقبروں کو جو نہایت ہی خوبصورت ہیں ہم اسلئے نہ دیکھ سکے کہ انکی مرمت ہو رہی تھی۔ تاہم ایک سپہر کو عمارتی بک ہمیں وہ گیلریاں اور کمرے دکھانے لے گیا۔ جو خاص سلطانی استعمال کے لئے مخصوص ہیں۔ ان کا رخ مسجد کی طرف ہے۔ اُن سب پر چینی بچی کاری کا کام ہے۔ بعض دہاریاں مختلف درجوں کے نیلے رنگ کی ہیں اور باقی سبز رنگ کی۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں اینٹ کی رنگت کے سرخ پھول بنے ہوئے ہیں۔ جن سے عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تمام کمروں میں قرآن شریف کی آیات منقوش تھیں۔ بعض دریچوں کے آئینے بھی عمدہ رنگین اور منقش تھے اور لکڑی کا کام بھی بہت عمدہ تھا۔ ایک اور چھوٹی سی مسجد کا ذکر جسکی بھی ہمنے سیر کی تھی فصیل شہر سے باہر جانیکے حالات میں کروں گی۔

(۸) یلدز سراء میں ضیافت

پہلی مرتبہ جلوس سلاملق دیکھنے کے بعد سلطان المعظم کی بارگاہ میں شرف حضوری حاصل ہونے کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس سے ایک یا دو دن بعد میرے خاوند کو اطلاع دی گئی۔ کہ انگریزی سفیر اور محاربہ کریمیا کے وقت کے افسر جنرل کینٹ کے ہمراہ جو ہمارے والے ہوٹل میں ٹھیرا ہوا تھا۔ دوسرے دن محل سلطانی میں تمہاری دعوت ہے۔ اطلاع میں یہ تصریح نہیں ہوئی تھی۔ کہ ضیافت پرائیویٹ ہے یا سرکاری۔ اس لئے میری شمولیت غیر متحقق تھی۔ ضیافت کے پرائیویٹ ہونیکی صورت میں یہ خوف بجا تھا کہ میں بھی خاوند کے ساتھ جاؤں۔ ضیافت کی نوعیت کا پختہ پتہ ضیافت والے دن کی صبح کو ملا۔ اسوقت اطلاع ملی۔ کہ وہ سرکاری ہوگی جسپر مجھے سفارت خانہ جا کر وہاں سے مدعوین کو رخصت ہوتے دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ ہمارے فرزند کو بالصراحت نام لیکر دعوت میں شریک کیا گیا تھا جس سے جلالت مآب کی بدرجہ غایت شفقت واضح ہو رہی تھی۔ جب ہم باریاب ہوئے تھے۔ تو وہ سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اسوقت حضور ممدوح نے ازراہ ذرہ نوازی ہمیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ بہت

لڑکے کی قطع وضع نہایت شریفانہ اور ممتاز تھے۔ سفیر۔ ہمارا فرزند۔ اور اعلیٰ ترجمان رسمی پوشاک میں
تھے۔ اور میرا خاوند اور جنرل کینٹ جنکے پاس کوئی وردی نہ تھی۔ مجبوراً شام کا لباس پہنے ہوئے تھے۔
مگر دونوں مجیدیہ تمغے لگائے ہوئے تھے۔ جو اول باریابی کے موقعہ پر انکو عطا ہوئے تھے۔ اس جماعت کے
محل میں پہنچنے سے پہلے ہی پاشاؤں کی تعداد کثیر وہاں جمع ہو چکی تھی۔ وہ سب کے سب زرق برق
کی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ اور انکے سینے ستاروں اور تمغوں سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ اعلیٰ ترجمان نے
ان کو انگریزی مہمانوں سے روشناس کر دیا۔ ان میں اکثر وزراء ہی شامل نہ تھے بلکہ **غازی
عثمان** بھی موجود تھے۔ میرے خاوند نے غازی ممدوح کو فرنچ زبان میں کہا کہ "میں قبل ازیں ڈیوک
آف ولینگٹن (فاتح نپولین) اور مولٹکی (فاتح پیرس و سیڈان) دونوں سے مصافحہ کر چکا ہوں
اور اب شیر پلیونا سے بھی ایسا کرنیکا فخر حاصل ہو گیا ہے"۔ سلطان المعظم رونق افروز ہونے پر منیر پاشا
رئیس التشریفات کی وساطت سے انگریز مہمانوں کے ساتھ کمال خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے
گفتگو کرتے رہے۔ بادشاہوں کے درباری گورنمنٹ کی تنخواہیں لیتے ہیں۔ مگر منیر پاشا کی نوکری کو
کبھی ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ ان کو بڑا کام دینا پڑتا ہے۔ ضیافت میں اول سے آخر تک وہ اپنے
نامور آقا کے پیچھے شاہی احکام مہمانوں کو پہنچانے کے لئے بالکل تیار و دست بستہ کھڑے تھے۔

چند لمحوں کے بعد کل مجلس جنکے آگے آگے جلالت مآب تھے۔ کھانے کے کمرہ کو گئی۔ میز طلائی
برتنوں سے جن میں سے چند واقعی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھے۔ جگمگا رہی تھی۔ سلطان المعظم
میز کے صدر میں متمکن ہوئے۔ سر کلیر فورڈ (انگریزی سفیر) دائیں طرف جلالت مآب اور صدر اعظم
کے درمیان۔ اور جنرل کینٹ حضور ممدوح کے بائیں ہاتھ تھے۔ میرا خاوند وزیر حرب اور وزیر بحریہ
کے درمیان بیٹھا تھا۔ اس مجمع کا نظارہ لائق نہایت ہی شاندار ہو گا۔ کیونکہ اکثر ترک نہایت
وجیہ اور خوش شکل ہوتے ہیں۔ اور داڑھیاں رکھتے ہیں جو نہایت موزون اور مقطع ہوتی
ہیں۔ اور ان سے چہروں پر رعب و وقار پایا جاتا ہے۔ پروفیسر نے گھر آ کر مجھ سے ذکر کیا کہ
اس مجمع کو دیکھ کر دل کو سچی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی تھی۔ تقریباً تیس آدمی ضیافت میں شریک تھے
ترکوں کی متحیر کر دینے والی خوبصورتی سے بڑھ کر تعجب پیدا کرنیوالی یہ بات تھی کہ کل میز کے گرد کامل
خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سلطان المعظم کے سوا اور سب خاموش تھے۔ جلالت مآب انگریزی سفیر سے
نہایت گرمجوشی کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ گو سب مشغول رہے کا سلسلہ اول سے لیکر آخر تک ترجمان
کی وساطت سے ہوتا رہا۔ میرے خاوند نے مجھے بتایا کہ آداب و نظام سے ناواقف تھا۔ اپنے پڑوسیوں سے

فرنچ میں بات چیت کرنی شروع کر دی۔ مگر انہوں نے ایسے مختصر جواب دیئے کہ اُسے ہی آخر سکوت اختیار کرنا پڑا۔ جیسر امیر المؤمنین نے جنہوں نے لاریب اس معاملہ کو دیکھ لیا ہوگا منیز پاشا کو اشارہ کیا۔ اور اپنی وزراء حرب و بحریہ کے کان میں کچھ سرگوشی کی۔ اسپر وہ پرونیز سے بے تکلفانہ تکلم کرنے لگ گئے۔ امیر المؤمنین نے خود بھی انکو آنکھ کے اشارہ سے ایما کر دیا کہ آداب سلطانی کی اس خلاف ورزی کی کوئی پروا نکریں سلطان المعظم اور سلطانی عہدہ داران نے شراب کا ایک قطرہ نہ پیا۔ نہ میز پر کوئی شراب موجود ہی تھی۔ خدام نے صرف عیسائی مہمانوں کو اسکے جام بھر کر دیدیئے۔ شراب کلبرٹ قسم کی تھی جو ایسی عمدہ تھی کہ میرا خاوند رئیس التشریفات سے اسکی نسبت دریافت کئے بغیر نہ رہ سکا عہدہ دار مذکور کا فرض ہے کہ دسترخوان شاہی پر جو مہمان ہوں۔ انکے لئے خود چکھ کر شراب منتخب کرے۔ سنے جواب کی بجائے کندھوں کو ہلا دیا۔ جس کا گویا یہ مطلب تھا۔ کہ تم خود اچھی طرح قیاس کر سکتے ہو"۔ دسترخوان پر جو کھانے آئے۔ ان میں سکنجبین (پنچ) بھی تھی۔ وہ برف سے سرد کی ہوئی تھی۔ اور اسکی بو ایسی تیز تھی کہ ہر ایک کو باسانی معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ اسمیں الکحل ہے[1] لیکن سلطان یا انکے مہمانوں میں سے کسی نے اسکے پینے سے احتراز نہ کیا۔ کیونکہ یہ مرکب پنچ اسکنجبین کہلاتا ہے۔ اور سکنجبین کی قرآن میں ممانعت نہیں ہے۔ مہمانوں کیلئے جو میزوں پر خلال پڑے تھے ان میں سے میرا خاوند ایک کو ساتھ لے آیا۔ اسپر فرنچ زبان میں یہ الفاظ منقوش تھے۔ "شام پین (انگوری شراب کی ایک قسم) تو ہمیشہ زندہ رہے" شاہی ضیافت ہو بہو کامل فرانسیسی ضیافت کا نمونہ تھی۔ طعام کی تسمیں ترکی اور فرنچ میں لکھی ہوئی تھیں۔ کل تیرہ قسم کے کھانے فہرست میں درج تھے۔ جو یکے بعد دیگرے سب کے سب میز پر چنے گئے۔ سرکاری اعلان میں تاریخ ۱۳ جون درج تھی۔ مگر ضیافت انگریزی کلنڈرہ کے رو سے فی الحقیقت اتوار کے دن ۴ جون کو ہوئی پلاؤ وغیرہ ایشیائی طرز کے کھانوں کے علاوہ یورپین کھانے ہی تھے جن میں سے دو خاص انگریزی قسم کے تھے۔ جو انگریزی مہمانوں کے لئے خاص طور پر تیار کرائے گئے ہونگے۔ پلاؤ ترکوں کا ایسا مرغوب کھانا ہے۔ کہ ممکن نہیں کہ جس ضیافت میں کوئی ترک شامل ہو۔ اسمیں پلاؤ نہ ہو۔ میرے بیٹے نے مجھ سے ذکر کیا۔ کہ جس طرف وہ تھا۔ ادھر کے کسی مہمان نے ایک لفظ ہی زبان سے

[1] لیڈی صاحبہ کو خاوند کو جبکی سند پر وہ یہ لکھ رہی ہیں اسمیں غلطی ہو گیا ہے۔ سکنجبین لیموں کی ہو یا سرکہ کی الکحل ہرگز نہیں پڑتا۔ چونکہ تیز سرکہ کی بو الکحل (روح شراب) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ صرف اس سے ان کو سکنجبین میں ان کے ہونے کا دھوکا ہو گیا ہے۔ مترجم

نہ نکالا۔ مگر کھانا اس قدر ہڑپ کیا کہ وہ حیران رہ گیا۔

بدورانِ ضیافت سلطان المعظم نے منیر پاشا کو یہ پیغام دیکر میرے خاوند کے پاس بھیجا۔ کہ حضور ممدوح الطاف شاہانہ کے مزید اظہار کے لئے عنقریب مجھکو نشانِ شفقت عطا فرمائیں گے۔ یہ نشان صرف عورتوں کے لئے ہے۔ چنانچہ چند دنوں ہی کے بعد محل ہمایوں کا ایک عہدہ دار یہ خوبصورت نشان مجھے ہوٹل میں پہنچا گیا۔ نشان سرخ مخمل کے صندوقچہ میں جس پر سنہری ہلال اور ستارہ بنا ہوا تھا بند تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ اعلیٰ حضرت جو تمغے بالعموم عطا فرماتے ہیں۔ میرے والا تمغہ ان سے زیادہ خوبصورت اور مرصع کار ہے۔ یہ تمغہ طلائی ستارہ کی شکل کا ہے جسکی پانچ کرنیں نکلی ہوئی ہیں ہر کرن پر نہایت ہی خوبصورت سبز مینا کاری سے پتے اور لعلوں کے پھول بنے ہوئے ہیں۔ اور سرے پر آبدار الماس جڑا ہوا ہے۔ ستارہ ڈھلا ہوا نہیں سونے کو ہاتھ میں کوٹ کر بنایا گیا ہوا ہے۔ اس ستارہ کے ساتھ ایک اور پانچ کرنی ستارہ سرخ مینا کاری کا ہے۔ یہ دونوں ستارے دوش بدوش ہیں اور انکے وسط میں ایک مدوّر طلائی ٹکیہ ہے جس پر سلطان المعظم کا طغرہ کندہ ہے۔ اور گرداگرد سبز مینا کاری کی بیل ہے جس کے ساتھ تین مرتبہ طلائی عربی حروف میں لفظ شفقت کندہ ہے۔ فیتہ جس سے اِسے لٹکایا جاتا ہے۔ سفید آبدار ریشمی کپڑے کا ہے۔ اسکی دونوں طرف چھوٹی چھوٹی سرخ دھاریاں ہیں۔ جو دو دو سبز خطوں کے درمیان ہیں۔ تمغہ سرخ کوفت کاری کے ہلال اور ستارہ کے ذریعہ سے اس فیتہ سے بندھا ہوا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر انگریز مہمان اور چند اعلیٰ ارکین قہوہ اور سگرٹ نوشی کیلئے سلطان المعظم کے ہمراہ دوسرے کمرے میں گئے۔ جلالت مآب نے صرف یہی نہیں کہ بنفس نفیس سگرٹ پیش کئے۔ بلکہ خود دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ایک متصل وسیع کمرہ میں جو چھوٹے پودوں اور پھولوں سے خوب آراستہ تھا۔ راگ گایا جا رہا تھا۔ سلطان المعظم نے کسی قدر فخر و مباہات کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ کہ کل سازندے اور گویّے ترک ہیں سرود خوش الحان اور عمدہ تھا۔ اور گویّوں کے گلے صاف اور وہ خود اعلیٰ تربیت یافتہ تھے۔ جلالت مآب کو خود بھی موسیقی کا بہت شوق ہے۔ اور اکثر اپنے ایک صاحبزادہ کے ساتھ ملکر جسکی کسی دن اس فن میں کمال حاصل ہو جائیگا۔ ہارمونیم بجایا کرتے ہیں۔ اس رات بہت وقت گذر جانے کی وجہ سے شہزادے شامل نہ ہوئے۔ مگر سلاملق کے موقعوں پر ہمیں ان کا دیدار ہوتا رہا۔ وہ

اس وقت خوبصورت عربی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے - اور خوب چاق چوبند مضبوط اور چھریرے جسم کے معلوم ہوتے تھے - سلطان المعظم بہت رات گذرے اپنی مہمانوں سے رخصت ہوئی - جب وہ کمرہ سے باہر تشریف لے گئے - تو صدر اعظم نے کہا - جلالت مآب اب رات کے دو یا تین بجے تک کام کریں گے - اور پھر سویرے ہی اٹھ کر کام میں مشغول ہو جائینگے - وہ خود بھی بہت کم آرام لیتے ہیں - اور اپنے وزراء کو بھی کم آرام کرنے دیتے ہیں - وزیر اعظم نے یہ بھی کہا - کہ جلالت مآب اپنے کل کاغذات کو ایسے سلیقہ اور ترتیب سے رکھتے ہیں کہ جس کاغذ کی ضرورت ہو اسکو اپنے کام کرنیکے کمرہ سے تاریکی میں بھی با آسانی نکال سکتے ہیں -

ہر ایک امر کا خفیف ہو یا اہم سلطان المعظم بذات خود فیصلہ کرتے ہیں اور چونکہ آخر انسان ہیں - اور نیز دوسرے انسانوں کی طرح انکے دن بھی چوبیس ہی گھنٹے کے ہوتے ہیں - بیشمار خفیف معاملات کی وجہ سے جن پر انکے احکام کا حصول لازمی ہے - کئی زیادہ اہم معاملات معرض تعویق میں پڑے رہتے ہیں - اور اکثر کئی کئی مہینوں تک بلا تصفیہ رہتے ہیں - مثال کے طور پر میں ایک معاملہ کا ذکر کرتی ہوں - تھراپیا (مضافات قسطنطنیہ جو باسفرس کے یورپی ساحل پر آباد ہے) میں جس لنگر سے انگریز سفارت کا حفاظتی جہاز باندھا جاتا تھا - اسکے قریب پانی میں ایک چٹان ڈوبا ہوا تھا جس سے دریا کے مد وجزر کے بعض موقعوں پر جہاز کو نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا - مگر چونکہ سلطان المعظم کے حکم کے بغیر وہ لنگر اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا تھا - سفیر نے ہمارے جانے سے پہلے کی عرضی دی ہوئی تھی - کہ لنگر مذکور کو چند فیٹ ہٹا دینے کی اجازت مل جائے - ہم ترکی میں تین مہینے رہے اور ہماری روانگی تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہوا تھا -

ضیافت کے بعد جو پہلا جمعہ آیا - اس جمعہ کو ہم پھر بطور شکر گذاری اور شاہی آداب بجا لانیکے لئے سلاملق میں حاضر ہوئے - اور جب منیر پاشا حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہنچانے آئے تو میں نے انکی معرفت تمغہ شفقت کی مرحمت کا شکریہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ سلطان المعظم کی خدمت میں کہلا بھیجا - سلاملق سے ماقبل کی رات کو انگریزی سفارت میں بڑی بھاری دعوت تھی جس میں بڑے فخر و ناز اور ساتھ ہی مسرت و فرحت کے ساتھ اس تمغہ کو لگا کر شامل ہوئی تھی :-

اس کے بعد اور دو دفعہ ہم سلاملق میں شریک ہوئی - ایک دفعہ تب جبکہ ہز ہائی نس خدیو

بھی وہاں موجود تھا۔ اور اس کی اعزاز میں سلطان المعظم کے مسجد سے تشریف لیجانے کے بعد کل فوج پرے باندھ کر گذری تھی۔ چند نوعمر افسروں کو قاعدہ کے ساتھ پریڈ مارچ کرتے دیکھکر جو انہوں نے برلن میں سیکھا تھا۔ طبیعت کو بہت فرحت ہوئی۔ مگر ان افسروں کے لئے جن کی عمریں نسبتاً بڑی تھیں۔ عمودی پہاڑی سے تیز قدمی کے ساتھ نیچے جانا سخت تکان وہ کام تھا۔ خدیو جتنا عرصہ قسطنطنیہ میں ٹھیرے برابر آزردہ رہے۔ ان کو توقع تھی۔ کہ خود مختار بادشاہ کی طرح انکی تعظیم و تکریم ہوگی۔ اور سلطان المعظم نے انکی خاطر ویسی کی جو باجگذار حکمران کی مناسب حال ہوسکتی تھی۔ چنانچہ محل ہمایوں میں انکو جو بڑی ضیافت دی گئی۔ اس میں انکو صدر اعظم کے بعد بحیثیت سوم رکن سلطنت جگہ دی گئی۔ سلاملق میں سلطان المعظم نے انکو اپنے ہمراہ مسجد جانیکی دعوت نکی۔ صرف یہ اعزاز کیا گیا۔ کہ جلوس اور فوج کا "مارچ پاسٹ" (پرے باندھکر سامنے سے گذرنا) دیکھنے کیلئے سفراء کی کوشک کے متصل انکو ایک علیحدہ کوشک میں بٹھایا گیا۔

آخری دفعہ ہم بڑی مشکلوں سے سلاملق میں شامل ہوسکے۔ میرے خاوند کو اپنی تصنیف کردہ کتب موسومہ "مشرق کی مقدس کتابیں" سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کرنیکی اجازت ملگئی تھی۔ اور یہ کتابیں انگلستان سے پہنچ گئی تھیں۔ جب وہ جمعہ آیا۔ جبکہ ہم نے آخری مرتبہ سلاملق کو جانا تھا۔ تو ہمیں یہ خیال نہ رہا۔ کہ چونکہ طرکی میں غروب آفتاب سے وقت شمار ہوتا ہے اس لئے موسم گرما میں یوروپین طرز شمار کیوقت بارہ ہر روز ترکی وقت میں سویرے[1] ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب سلاملق کے عازمین کو لیجانے والا جہاز جو صرف ایکدفعہ چلتا ہے۔ تھراپیا پہنچا۔ تو ہم اسوقت تیار نہ تھے۔ اسکے چلے جانیکے بعد ہم نے کسی قدر دقت کے ساتھ گاڑی بہم پہنچائی۔ اور اسپر سوار ہوکر یلدز کی طرف روانہ ہوئے۔ تھراپیا سے پہلے ہمکو گھنے درختوں کی گھاٹی موسومہ "کراؤ نیرد" (آب سرد) پر چڑھنا پڑا۔ اسکے بعد ہم اس بڑے نام شاہراہ پر ہوگئے۔ جو باسفرس کے کنارہ کی پہاڑیوں کی چوٹی چوٹی پیرا کو جاتی ہے۔ سڑک اسقدر خشکی

---

[1] ناظرین کو اسکا مطلب بالتشریح اس طرح باسانی سمجھ میں آجائیگا۔ مارچ میں انگریزی وقت عموماً پانچ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ اور چونکہ ترکی وقت کا آغاز اسی سے ایک کا عمل شروع ہوگا۔ انگریزی وقت کے جب دوپہر کے بارہ بجیں گے اس وقت ترکی وقت کے ۱۹ بجیں گے۔ لیکن گرمی میں دن بڑھنا شروع ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ جون میں تقریباً آٹھ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس موسم میں جب انگریزی وقت کے دوپہر کے بارہ بجیں گے۔ ترکی وقت کے سولہ بجیں گے:۔ مترجم

کی طرف ہٹی ہوئی ہے۔ کہ ہم باسفرس کے پانی کو نہ دیکھ سکے۔ تاہم ساری سڑک سے باسفرس
کے ایشیائی ساحل کی پہاڑیوں کا نظارہ ہوتا رہا۔ شروع شروع میں تو یہ ریتلی سڑک اچھی تھی
مگر جوں جوں دارالخلافہ کے قریب پہنچتے گئے۔ وہ خراب ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ آخر میں اس قدر گہری
نالیاں اور بڑے بڑے گڑھے آ گئے۔ کہ ہمکو مجبوراً سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں سے جس طرح بن پڑا گذرنا
پڑا۔ جب ہم یلدز پہنچے۔ تو کل فوجیں صف بستہ ہو چکی تھیں۔ مگر ہم فوج سواران کی صف کو چیر
کر آگے بڑھ گئے۔ اور اسی وقت ہمیں صادق بک مل گیا۔ وہ ہماری طرف سے بالکل مایوس ہو
چکا تھا۔ اسکی نگرانی میں ہم جھٹ پٹ سفراء کی بارہ دری میں پہنچ گئے۔ میرے خاوند نے تھوڑی
سی عبارت لکھکر ہمیں مشرق کی کتب مقدسہ کی تالیف اور طبع کے مقاصد و مدعا کو واضح کیا
تھا۔ اور اس عبارت کا سفارت کے ایک ترجمان سے سلیس ترکی میں ترجمہ کرا کر اُسے چند روز پیشتر
محل ہمایوں کو بھیجدیا تھا۔ اور ساتھ ہی سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کر بھیجا تھا۔ کہ ہم ایک
ہفتہ میں رخصت ہو جائینگے۔ جب رئیس التشریفات حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہنچانے
آیا۔ تو اُس نے پروفیسر کو کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر سے جس کا لفظ لفظ حضور ممدوح نے
مطالعہ فرمایا ہے کمال محظوظ اور متأثر ہوئے ہیں۔

سلاملق کے بعد صادق بک ہم کو اسی کوشک میں لیجا کر جہاں پہلی سلاملق کے بعد ہمیں شرف
باریابی حاصل ہوا تھا۔ ایک بڑے کمرہ میں لیگیا۔ وہاں بہت سے آدمی (جو سب کے سب مرد تھے)
سعادتِ حضوری ملنے یا سلطان المعظم کے احکام سننے کے انتظار میں جمع تھے۔ یہاں ہمیں
حاجی علی گرینڈ چیمبرلین (اعلیٰ حاجب)، سے جو نہایت متین اور باوقار کمال خوبصورت پیرمرد
ترک ہے۔ روشناس کرایا گیا۔ جس کمرہ میں ہم تھے۔ اُسی میں سلطان المعظم منتظرانِ جمال کو
شرف دیدار عطا فرما رہے تھے۔ ان دونوں کے درمیان وہ مسلسل آمد و رفت کرتا رہا۔ کل
حاضرین کو قہوہ اور سگرٹ اور مفرح برف میں سرد کیا ہوا شربتِ بادام دیا گیا۔ اور ہم سب ایک
دوسرے کی طرف باوقار خاموشی سے بیٹھے تکتے رہے۔ حتیٰ کہ صادق بک نے علامۂ زمان جلال الدین افغانی
کو جو شاعر اور نہایت مشہور ممتاز شیخ تھے۔ لا کر میرے خاوند سے معرفی کرایا۔ اور ان دونوں میں فی الفور زبان
فرنچ کردوں و سلطنت عثمانیہ کی دیگر اقوام پر طویل اور عجیب گفتگو شروع ہو گئی۔ ایک روسی افسر بھی جو پاس کھڑا تھا
حالانکہ اُسے اس مضمون پر بہت تھوڑا علم تھا۔ گفتگو میں شامل ہو گیا۔ اور پروفیسر اور جلال الدین کی رائے
سے جو دونوں بالکل متفق الرائے تھے مختلف رائے ظاہر کی۔ ہم سب بیٹھے ہوئے انکی دلیلوں کو سنتے رہے کہ اتنے

[illegible] موصوف سال گذشتہ قسطنطنیہ میں فوت ہو گئے۔ مترجم

میں گرینڈ چیمبرلین نے سلطانی کمرہ سے برآمد ہو کر میرے خاوند سے کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر پڑھ کر بہت خوش ہوئی ہیں۔ اور گو آج وہ بہت مصروف ہیں اور تم سے ملاقات نہیں کر سکتے تاہم حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا ہے کہ جانے سے پہلے وہ تمسے ایک دفعہ پھر ضرور ملاقات کرنا چاہتے ہیں جسکے لئے کوئی دن بعد میں مقرر کیا جائیگا۔ اور تمکو چاء کھانے پر مدعو کیا جائیگا۔ ہم سی ہٹ کر حاجی علی شیخ جلال الدین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُسسے کہا کہ سلطان المعظم نے تمکو باسفرس کی کنارہ پر ایک مکان عطا فرمایا ہے۔ بعد ازاں پھر پروفیسر کی طرف متوجہ ہو کر کہا "کہ جلالت مآب نے تمکو عزت و قدر افزائی کا اعلیٰ ترین نشان "تمغہ لیاقت" بھیجا ہے۔ جسے حضور ممدوح بہت شاذ و نادر فرماتے ہیں۔ وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت طلائی تمغہ ہے۔ اور سلطان المعظم اسے باقی سب طبقوں کے تمغوں سے افضل سمجھتے ہیں ہمیں بعد میں معلوم ہوا۔ کہ میرا خاوند اُن عیسائیوں میں سے علاوہ جو سلطان المعظم کی ملازمت میں داخل ہیں پہلا عیسائی ہے جسے یہ تمغہ عطا ہوا ہے (یعنی اس سے پہلے جن معدودے چند خوش نصیب عیسائیوں کو یہ تمغہ ملا تہا وہ سلطان المعظم کے ملازم تھے) صادق کا چہرہ اس نشان کو پروفیسر کے سینہ سے ٹانکتے وقت خوشی سے تمتما اٹھا تہا۔ فی الواقع سلطان المکرم کی نوازش اور عنایت کا یہ بہت بھاری ثبوت تہا۔ یہ تمغہ ایک چھوٹے سے سرخ فیتہ سے جسکے کنارے سبز ہیں لٹکا ہوا ہے۔ اور ترکی میں اسپر یہ الفاظ نقش ہیں: یہ انکے واسطے مخصوص ہے جو لیاقت صداقت اور ہمت مردانہ ظاہر کریں"۔ رخصت ہونے پر ہمنے بیرونی ایوان کو ملازموں سے بہرا ہوا پایا۔ وہ سب انعام کے متوقع تہے۔ ہمنے ترجمان سے جو وہاں ہمارے انتظار میں بیٹھا تہا درخواست کی کہ جو کچھ مناسب ہو نوکروں کو دیدے اس نے دو پونڈ ترکی (ایک پونڈ اور سولہ شلنگ) سب میں تقسیم کر دیئے ہم نے صادق کو اپنی روانگی کا وقت بتا کر اس سے التجا کی۔ کہ وہ عہدہ داران محل سرائے ہمایوں کو اچھی طرح بتا دے کہ ہم اس ہفتہ کے اندر جانیکا پختہ عزم رکھتے ہیں۔ گو ہم جانتے تہے۔ کہ سلطان المعظم کا پیغام پہنچ جانے کے بعد اور بالخصوص تمغہ لیاقت کے عطیّہ کے بعد ہم پر ایک طرح سے واجب ہو گیا ہے۔ کہ اگر سلطان المعظم ہم کو اس دن سے پہلے جس دن ہمنے وطن کی طرف واپس جانے کا تصفیہ کیا ہوا تہا۔ شرف باریابی عطا نہ فرما سکیں۔ تو ہم اپنی روانگی کو چندے ملتوی کر دیں ۔

(۹) پُرانی شہر پناہ

پرانی شہر پناہ اور فصیلوں کی خوبصورتی کا ذکر ہمارے فرزند نے اپنے کئی خطوں میں کیا تھا۔ چنانچہ ہمنے صادق بک سے جس نے بھی انکو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک سہ پہر اس گشت پر صرف کرنیکا فیصلہ کیا کبھی یہ فصیل سارے شہر کے گرد موجود تھی۔ اور وہ دیوار جو سمندر کی طرف کی فصیل کہلاتی تھی اور گوشہ محلسرا سے یدی قلعہ (ہفت برج) تک بحیرہ مرمرا کے کنارہ کنارہ بنی ہوئی تھی۔ ریلوے لائن کی تعمیر کے وقت تک خاصی عمدہ حالت میں کھڑی تھی۔ مگر جب لائن بنی تو وہ تقریباً اس موقع سے گذری۔ جہاں پر دیوار تھی۔ چنانچہ اسے گرا دیا گیا۔ اور اب کہیں کہیں اس کا کوئی ٹکڑا کھڑا ہے۔ باقی ماندہ فصیلوں کی طرح دریائی فصیل کو بھی ابتداً قسطنطین اعظم نے تعمیر کرایا تھا۔ اور پھر قیصر تھیوڈوسی اس ثانی نے (۴۰۸ء سے ۴۵۰ء تک حکمران رہا) اسکی خوب طرح مرمت کرائی تھی وہ ایک قسم کے پشتہ پر جو دیوار کے بائیں بیس بڑے بڑے چٹانوں کا بنا ہوا ہے۔ بنائی گئی تھی اور باقی ماندہ آثار سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ موجوں کے زور کو توڑنے کے لئے وہ عمداً بخط مستقیم یعنی سیدھی نہیں بنائی گئی تھی دریائی فصیل دوسری فصیلوں سے کم چوڑی ہے۔ یہ امر بتا رہا ہے۔ کہ خود تنہا سمندر کو ہی کافی حفاظت خیال کیا گیا تھا۔ اکثر جگہ کتبوں کے نشان موجود ہیں جن پر تھیوڈوسی اس کا نام کندہ ہے۔ اور کل فصیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سابقہ زمانہ میں اسمیں تقریباً دس دروازے تھے۔ جن سے ان بے شمار گرجوں کو جو عین اس کے اوپر کر کے بنے ہوئے تھے۔ اور نیز شہر کے اندرونی حصوں کو سمندر کی طرف سے راستے جاتے تھے۔ مگر فصیل جو ہر ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی اور غلیظ گلیوں سے ملی جلی ہوئی ہے۔ وہ فصیل نہیں جس کا ہمارے بیٹے نے ذکر کیا تھا۔ اور جس کو دیکھنے کے لئے ہم روانہ ہوئے تھے۔ ہم ریل پر یدی قلہ کو گئے۔ یہ قلعہ اس زاویہ پر ہے۔ جو دریائی جانب اور خشکی کی طرف فصیلوں کے التصاق سے بنتا ہے۔ خشکی کی طرف کی فصیل اس موقع سے خلیج تک تقریباً پانچ میل لمبی چلی گئی ہے۔ اس قلعہ کو محمد فاتح نے تعمیر کرایا تھا۔ اور کسی وقت اسیران سلطانی کے محبس کا کام دیتا تھا۔ اب وہ کھنڈر پڑا ہے سات میں سے تین برج منہدم ہو گئے ہیں اور باقیماندہ چاروں پر بھی گھاس اُگا ہوا ہے۔ ایک تاریک دروازہ میں سے گذر کر جو بندر کہا جاتا ہے ہم صحن میں پہنچے۔ وہ تختۂ گیاہ معلوم ہوتا تھا۔ اسکی بائیں طرف وہ برج ہے جسمیں اس سلطنت کے سفیر جس سے باب عالی کی جنگ چھڑ جائے۔ فی الفور مقید کر دیئے جاتے تھے۔ یہ بکیچ آخری دفعہ ۱۸۹۶ء میں استعمال

میں لایا گیا تھا۔ جبکہ فرنچ سفیر کچھ عرصہ کے لئے اس میں نظر بند رکھا گیا تھا۔ قلعہ کی نگرانی اور حفاظت پر ہمیشہ ینگچری فوج کا دستہ مامور رہتا تھا۔ اور یہیں یہ سرکش فوج ان سلاطین کو جن سے وہ بگڑ جاتی تھی قید کرکے لے آیا کرتی تھی۔ اور ان میں سے بعض کو یہیں اس نے قتل بھی کیا تھا۔ ہم نے ان کمروں کو جا کر دیکھا جن میں فرنچ سفیر مقید رہا تھا۔ انکے فرش کچے تھے۔ روشنی کا کوئی رستہ نہ تھا۔ اور صرف ایک تنگ و تاریک پیچ دار رستہ سے جسکی ایک شخص بھی بآسانی حفاظت کرسکتا تھا۔ ان تک پہنچا جاتا تھا۔ وہاں سے قیدی کا بھاگ سکنا بالکل ناممکن تھا۔ اس برج سے باہر قریب ہی ایک گہرا کنواں ہے جسے خونی کنواں پکارتے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے سر گرائے جاتے تھے۔ جو ایک متصل چبوترے سے صحن میں قتل کئے جاتے تھے۔ روایت ہے کہ روس کی ملکہ کیتھرائن اعظم کے سفیر کونٹ اوبرسکاف کو موجود الوقت سلطان نے کسی خفیف سی رنجش پر جو دونوں ملکوں میں ہو گئی تھی اس کنوئیں میں لٹکا دیا تھا۔ اور تین دن اسکو وہیں رہنے دیا تھا۔ چند ڈھلوان زینوں پر چڑھنے سے ہم بلند سطح پر پہنچ گئے۔ یہاں سے مرمرا کا جو دھوپ کی سنہری کرنوں سے طلائی چادر کی طرح جگمگا رہا تھا۔ دور تک ایسا شاندار نظارہ ہوتا تھا کہ انسان اسے مدت العمر فراموش نہیں کرسکتا۔ دن سخت گرم تھا۔ اور صادق نے مجھے اس بلندی پر اپنے بیٹے کے پیچھے جانے سے روکنے کی بہتیری کوشش کی تھی۔ مگر جب کامیاب نہ ہوا تو اکیلا ہی اداسی بھرے صحن میں بیٹھ گیا۔ اسکی وردی بہت ہی چست اور پتلون بہت ہی تنگ تھی جس سے اس کو اوپر نیچے چڑھنے اترنے میں بہت دقت ہوتی تھی

جب ہم اس ہولناک قلعہ سے باہر نکلے تو ہمیں شکر کا کلمہ پڑھا۔ پھر اپنی گاڑی کے پاس پہنچکر اس پر سوار ہو گئے۔ اور ایسے راستے سے جو باقاعدہ پھاٹک ہونیکی بجائے شگاف سا معلوم ہوتا تھا پرانی فصیل سے باہر کی طرف ہو گئے جہاں پہنچتے ہی کل منظر جو خوبصورت مگر ساتھ ہی سنسان تھا۔ ہماری نظروں کے سامنے پھیل گیا۔ جہاں تک ہماری نگاہ پہنچتی تھی۔ دیوار ہی دیوار اور اسکی بیشمار برج دکھائی دیتے تھے اسکی منہدمہ حالت۔ روئیدگی۔ جنگلی انگوروں اور دوسرے پودوں کی بیلوں سے جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں چھپی ہوئی تھی۔ خشکی کی طرف کی فصیل اول سے آخر تک تہری تھی جسکے اب بھی بڑا نشان موجود ہیں۔ اندرونی فصیل۔ بیرونی فصیل۔ اسکے آگے مٹی کا پشتہ اور پھر خندق۔ خندق چار صدیوں کی مسلسل روئیدگی سے تقریباً پُر ہو گئی ہے جسکے درختوں کی سبزی دیواروں کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہوئی عجب کیفیت دکھاتی ہے۔ ہماری دائیں طرف قریب ہی طلائی دروازہ اور اسکے دونوں مینار تھے جو سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ یہی وہ محراب فتح تھی جس سے قیاصرہ بڑے بڑے موقعوں پر شہر

میں داخل ہو کر بازار فتح کے رستہ ایا صوفیا کو جایا کرتے تھے۔ دروازہ سے باہر سمندر کا ہموار ساحل ہے
رومی قیصر وہاں پر جہازوں سے خشکی پر اتر کر دروازہ میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اب اس دروازہ میں
دیوار چن دی گئی ہے۔ جس سڑک پر سے گزرتا تھا۔ وہ ایسی بری تھی۔ کہ عربیوں کے سوا اور کسی قسم کی گھوڑے
اس پر سے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اس پر کسی وقت پختہ فرش موجود تھا۔ مگر اب بے شمار پتھروں کے ٹوٹ
جانے یا اکھڑ جانے سے اسقدر گڑھے پڑ گئے ہوئے ہیں۔ کہ آخر ہمیں بہت سا حصہ پیدل چلنا پڑا۔
رستہ میں ہماری بائیں طرف کھلے میدان میں ارمنی ہسپتال۔ یونانی یتیم خانہ۔ اور کئی دیگر اسی قسم کی عمارتیں
آئیں مگر ہماری توجہ ہمہ تن ان برجوں اور پھاٹکوں کی طرف مبذول تھی۔ جو ہماری دائیں طرف شہر پناہ کی
لمبی دیوار میں بنے ہوئے تھے۔ اور جن میں سے ہر ایک کے متعلق کوئی تاریخی روایت یا قصہ مشہور تھا۔ یا یونانی
لاطینی زبان میں کوئی کتبہ موجود تھا۔ جس دروازہ کو اب "سلی وری کاپوسی" پکارا جاتا ہے۔ یونانی شہر کو
لاطینیوں کے ہاتھ سے پھر فتح کرنے پر اسی کے رستہ داخل ہوئے تھے۔ اس دروازہ سے متصل ہی باہر کی طرف
درختوں کے جھنڈ میں بلوق لی کا متبرک کنواں ہے۔ مجھے افسوس اسکو نہ دیکھنے کا بہت ہوا۔ کنوئیں نیم برشتہ
مچھلی کا قصہ اسی کے متعلق مشہور ہے۔ اس جگہ پانی کے بہت سے چشمے ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے حضرت
مریمؑ کے چشموں کی جگہ پکارا جاتا ہے۔ روایت یہ ہے۔ کہ قسطنطنیہ کی فتح کے وقت یہاں ایک راہب
رہتا تھا۔ جب ترکوں نے شہر پر آخری حملہ کیا۔ اسوقت وہ مزے سے بیٹھا ہوا مچھلیاں تل رہا تھا۔
جسوقت اُسے کسی نے کہا۔ کہ ترک شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو اُس نے کہا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ مچھلیاں
کڑاہی سے اچھل کر پانی میں چلی جائیں۔ تو پھر البتہ میں یقین کر لوں"۔ اسکے کہنے کی دیر تھی کہ مچھلیاں
اچھل کر پانی میں چلی گئیں۔ جنکی اولاد کا نیم برشتہ مچھلیوں کی طرح آدھا جسم سیاہ اور آدھا سفید ہوتا
ہے۔ بلوق لی کی فطرتی دلفریبی اور خوبصورتی پر بازنطینی شعرا اور نولیسندوں نے خوب خوب
جوہر طبع دکھائے ہیں۔

فصیلوں کی تقریباً ہر ایک برج پر کوئی نہ کوئی کتبہ ضرور موجود ہے۔ جو اسکی تعمیر یا مرمت ما بعد
ما بعد کی تاریخوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ دروازہ توپ کاپوسی کے دونوں طرف فصیل تقریباً منہدم تھی
اور ایک جگہ نالیکس کے قریب اب تک بہت بڑا شگاف صاف دکھائی دیتا ہے۔ ترک اسی کے رستہ
پہلے پہل داخل ہوئے تھے۔ بعد ازاں اسکی بہت کم مرمت کی گئی۔ اس دروازہ کو توپ دروازہ اسلئے پکارا
جاتا ہے۔ کہ محاصرہ کیوقت ترکوں نے اس کے مقابل بڑی بڑی گراں قدر توپیں نصب کی تھیں۔
لاطینی بھی صلیبی لڑائیوں کیوقت اسی شگاف کے قریب سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ اور اسی شگاف پر

آخری محاصرہ میں جنوا کا بہادر گسٹی نی آنی زخمی ہوا تھا۔ اور اسکی لڑائی کے ہٹ جانے پر اسکی تمام تنخواہ دار
بندۂ زر سپاہی بھی چلے گئے تھے قسطنطین نے عین توپ کاپوسی کے اندر ہی آخری وقت تک
غنیم کی دل بادل فوج قہار سے مقابلہ کرتے ہوئے مردانہ وار اپنی جان قربان کی تھی حملہ آوروں کی
تعداد دو لاکھ تھی جن کے مقابلہ میں اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ شہر میں آٹھ ہزار سے زیادہ
قواعد دان محافظین نہ تھے۔ تاہم یہ چھوٹی سی جماعت ۵۳ دن تک دشمن سے اپنے شہر کو بچاتی رہی۔
بہادر قسطنطین کی لاش کشتیوں کے پشتوں کے نیچے پائی گئی تھی اسکی دلیرانہ بہادری نے محمد پر ایسا
اثر کیا تھا۔ کہ اسنے لاش کو ادب و احترام سے دفن کرنے کا حکم دیا۔ اور قسطنطنیہ میں ہمیں یہ بھی سننے کا
اتفاق ہوا۔ کہ آخری یونانی قیصر کی قبر پر سرکاری خرچ سے ہر وقت ایک چھوٹا سا لیمپ روشن رہتا
ہے کسی گائڈ بک میں اس کا ذکر نہیں مگر یہ یقینی امر ہے کہ یہ بات درست سمجھا جاتا ہے قسطنطنیہ
کا وہ سارا حصہ ایسا غلیظ اور ویران ہے کہ ہم نے خود موقعہ پر جاکر اسکی تصدیق کرنیکا کبھی خیال
تک نہ کیا۔ یہ عجیب اتفاق تھا۔ ہم اس نظارہ کو جس نے مکتب کے ایام سے ہمارے دلوں پر نہایت گہرا
اثر ڈال رکھا تھا۔ اس فاتح قوم کے ایک فرد کی رفاقت میں دیکھ رہے تھے جسکے باسفورس کی دوسری
جانب موجود ہونیکی نسبت شروع سے ہمارے دلوں میں یہ بٹھا دیا گیا تھا۔ کہ یہ عیسائیوں کے لئے ایک
سخت وجہ ہے صادق بک کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ توپ کاپوسی اور اسکے ملحقات کو دیکھکر
اسپر کوئی چنداں اثر نہیں ہوا۔ غالباً اُسنے اسکے متعلقہ تاریخی حالات پر اسوقت نظر نہیں دوڑائی
ہوگی۔ مجھے اسکی لاپروائی سے ایک طرح کا سخت صدمہ پہنچا۔ کیونکہ میں خوبصورت شہزادہ اس کے
پر فضا مضافات کا خیال کرتے وقت دل میں یہ کہہ رہی تھی۔ کہ اگر صادق اُسوقت اپنے آبا و اجداد کے
کارناموں پر کوئی فخر کریگا تو میں اُسے معذور سمجھونگی اس دروازہ سے آگے دیوار سے باہر کروہ
حد قابل تعریف سڑک کے بائیں ہاتھ تمام کھلے میدان میں ایک وسیع قبرستان پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑی کی
چوٹی پر اور وادی کے دامن میں جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ قبروں کے لمبے لمبے پتلے ستون نظر
آتے تھے۔ اور ان پر اتنے موٹے اور بلند سرو سایہ ڈالے ہوئے تھے کہ ایسے بڑے ہمنے پہلے نہیں دیکھے تھے
توپ کاپوسی سے تھوڑی ہی فاصلہ پر جدیدہ مسجد ہے جو سب برجوں سے زیادہ خوبصورت اور حیرت انگیز
ہے۔ جس از سرتا پا ترکی توپوں کے ایک گولہ سے جو سنگ مرمر کا تھا شگاف پڑ گیا تھا۔ اور گو
اسکے دونوں حصے بالکل جدا جدا ہو گئے ہیں۔ مگر وہ ابتک قایم کھڑا ہے یا جب ہمنے دیکھا اس وقت
قایم کھڑا تھا۔ کیونکہ مینے سُنا ہے۔ کہ ۱۸۹۴ء کے زلزلہ میں وہ گر پڑا تھا۔ لیکن اس خبر کی تصدیق

ابتک ہمارا بیڑا موقع پر جا کر نہیں کرسکا۔ چار سَو برس تک اس دریدہ برج کا صحیح سالم کہڑا رہنا معجزہ سے کم نہیں معلوم ہوتا۔

توپ کاپوسی کے آگے اورنہ کاپوسی (دروازہ ایڈریانوپل ہے) ہم قہریہ جمی (بیل بوٹے والا) مسجد کو دیکھنے کے لئے اسکے رستہ اندر داخل ہوئے۔ یہ کسی وقت عیسائیوں کا گرجا تہا جو ایک نہایت ہی قدیم گرجا کی جگہ بارہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تہا۔ اس زمانہ میں شہر کا یہ حصہ جو اب ویران و سنسان پڑا ہے۔ بلاخرنی محل کے قرب کے باعث جسمیں باز نطینی لاطینی اور فتح پانیکے بعد پھر یونانی قیاصرہ رہتے تہے۔ نہایت آباد اور بارونق تہا محاصرہ کی آخری رات کو جبکہ چاروں طرف سے مایوسی چھا رہی تہی۔ اسی محل سے قسطنطین جام ہلاکت پینے کیلئے فصیل کو گیا تہا۔ محل کا موقع ہمسے دور نہ تہا۔ مگر صدق کو اس کا کچھ علم نہ تہا اسلئے ہم وہاں نہ گئے۔ علاوہ بریں وہاں جانیکی چنداں ضرورت بھی نہ دیکھی گئی۔ اب صرف سفید جگہ ہی جگہ باقی ہے۔ ترکوں نے اس کا تمام قیمتی سامان اور مصالح مسجدیں اور مقبرے بنانیکے اٹھا لیا ہوا ہے وہ خود اس میں کبھی رہائش پذیر نہیں ہوئے۔ اور اب وہ جگہ سالہائے دراز تک مشرقی سلطنت کا مرکز اور زنانہ عیش و عشرت اور مطلق العنانہ جرایم اور جبر و ستم کا اکہاڑہ رہچکی تہی۔ کل استنبول میں غلط ترین اور سب سے ویران مقام ہے۔ مگر اس بیان کو چھوڑ کر میں مسجد کی طرف آتی ہوں۔

اس کی بیرونی اور اندرونی ڈیوڑہی پر ابتک بیل بوٹے موجود ہیں جو کمال خوبصورت اور بالکل قایم ہیں دیواروں اور چھتوں پر انجیل کے واقعات اور مریم کی سرگذشت کے مرقعے اور تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اور بغلی عمارت میں کئی تصویروں کے چند خوشنما سر باقی ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ کسی وقت یہ کل عمارت تصویروں سے بھری ہوئی تہی اس مسجد کو دیکھکر ہمیں تعجب ہوا۔ کہ اس میں بیل بوٹوں اور تصویروں کو کیوں سالم رہنے دیا گیا ہے۔ حالانکہ اسے قسطنطنیہ کے فتح ہونے پر فوراً ہی مسجد بنا لیا گیا تہا۔ اور باقی تمام ایسے گرجوں میں جو ایا صوفیا کی طرح مسجد بنائے گئے ہیں بیل بوٹوں پر قلعی پھیر دیگئی ہے۔ اور ان میں نقش و نگار کے بہت کم آثار کھلے رہنے دیئے گئے تہے۔

مسجد کو دیکھکر ہم پہر اورنہ کاپوسی کے رستہ باہر نکلکر فصیل سے باہر باہر ایوب کی طرف چل پڑے تھیوڈوسی اکی بنا کردہ فصیل اس موقع پر جہاں سے ایوب کی طرف اترائی شروع ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے اس سے آگے جو شہر پناہ ہے اسکی نسبت خیال رکہا جاتا ہے کہ قیصر مینوال کومنینس نے بنایا تہا۔ اور جیسا لیا اس نے تھیوڈوسی اس کی تعمیر کردہ دیوار کی اس حصہ سے علاوہ جو اب بالکل معدوم ہو گیا ہے محل بلا شرفا

کی مزید حفاظت کیلئے تعمیر کرائی تھی۔ اس دیوار میں ایک قابل دید چیز اگری کاپوسی یا مخفی دروازہ ہے روایت ہے کہ ترک اسوقت جبکہ یونانیوں کو کوئی توقع نہ تھی اس دروازے میں داخل ہو کر ان پر اچانک جا پڑے تھے۔ دروازہ عموماً بند رکھا جاتا تھا۔ مگر اس ان قیصر نے اسے اپنی فوج کے گذرنے کیلئے کھلوا دیا اور یہ امر ترکوں کو فی الفور معلوم ہو گیا۔ میری رائے ہے کہ ممکن ہے چند ترک اس دروازے میں بھی گذرے ہوں۔ مگر یہ متفق علیہ ہے کہ فوج حملہ آور کا حصہ کثیر اس شگاف کے رستہ سے اندر داخل ہوا تھا۔ جو انکی توپوں نے فصیلوں میں کر دیا تھا۔ اندھا دھند اب تک اور نہ کاپوسی قریب دکھائی دے رہا ہے۔ اس زاویہ پر جہاں کوم سینس کی فصیل تھیوڈوسیاس کی فصیل سے ملتی ہے۔ نام نہاد محل بیلی ساری اس (تکفور سرائے) کا بقایا کھڑا ہے۔ مجھے بعد میں سخت افسوس ہوا کہ ہمنے پھر فصیل کے اندر جا کر اسکو کیوں نہ دیکھا۔ گرجوں کے سوا بازنطینی عمارتوں کے بہت کم نمونے اب باقی رہ گئے ہیں اور از انجملہ ان معدودے چند کے ایک یہ محل ہے۔ اس محل کا اگوارا اب تک کھڑا ہے جسکی تصویریں بعد میں میری نظر سے گذری ہیں۔ انسے دیکھ کر وینس کے پرانے محل یاد آ جاتے ہیں۔ اس محل کو مشہور جرنیل بیلی ساری اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شہر کے اس محلہ کا پرانا نام بیلاٹا تھا۔ اور خیال کیا گیا ہے کہ اسی کو بگاڑ کر محل کا نام بیلی ساری اس رکھدیا گیا ہے۔ اسے قسطنطین کا محل بھی پکارا جاتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ قسطنطین پورفیرو جینی ٹس کے وقت کا ہے۔

یہاں پر سڑک بالکل ہی خراب ہے۔ اور بڑی ڈھال کھا کر خلیج کو جاتی ہے جسسے وہ موضع ایوب کے عین نیچے جو قسطنطنیہ کے گرد و نواح کے نہایت خوبصورت اور پر فضا مقامات میں شمار ہوتا ہے جا ملتی ہے۔ ہم نے اس موضع کو ایک جمعہ کے دن دیکھا تھا۔ جبکہ ہم صادق بک کے اہتمام سے ایک دس چپوؤں کی قایق پر سوار ہو کر یورپ کے چشمہ ہائے شیریں کی سیر کر نے گئے تھے۔ جس مقام پر حضرت ایوب انصاریؓ (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی) سنہ ۶۶۸ء میں جبکہ عربوں نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا شہید ہوئے تھے۔ وہاں سفید مرمر کی خوبصورت مسجد کھڑی ہے۔ مقام شہادت محمد فاتح کو آٹھ سو برس بعد خواب میں معلوم ہوا۔ اس نے وہاں یہ مسجد تعمیر کر دی۔ کسی عیسائی کو اسکے اندر داخل ہونے بلکہ اسکے بیرونی صحن کے قریب آباد ہونیکی بھی اجازت نہیں۔ ہر نئے سلطان کی کمر میں یہیں ابو السلاطین عثمانی بانی خاندان کی تلوار باندھی جاتی ہے۔ اسکے قریب ہی فیس (ترکی ٹوپی) بنانیکا بڑا کارخانہ ہے جہاں کل فوج کیلئے ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں۔ اس کل نظارہ کو اس ان بالکل مشرقی رنگ میں رنگ دینے کیلئے ہیں ان سبز پہاڑیوں کی چوٹی پر جو ایوب سے گولڈن ہارن (خلیج) سے بتدریج اٹھتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ لدے ہوئے اونٹوں کی لمبی قطار آہستہ آہستہ چلی جاتی دکھائی دی۔

مگر میں پھر دیوار کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ بندرگاہ کے کنارے کی فصیل کا بہت تھوڑا حصہ باقی بچا ہوا ہے۔ صرف کہیں کہیں اکا دکا برج یا دروازہ کھڑا رہ گیا ہے۔ اس طرف کی سڑک ہی جو شہر پر فصیل اور خلیج کے درمیان فنار یعنی یونانی محلہ میں گذرتی ہے بہت ہی ناقص اور خطرناک ہے۔ شہر کے اس حصہ میں سب سے زیادہ قابل دید اور دلچسپ چند ایک مکانات ہیں۔ جو اگلی وضع کے غلبہ کے وقت سے چلے آتے ہیں اور جن کو دیکھکر انسان کو وینس کے چھوٹے محل یاد آ جاتے ہیں۔ استنبول کے اس حصہ میں یونانیوں کی طرح یہودی بھی بکثرت آباد ہیں۔ فرش کے ناقص ہونیسے گاڑی بہت آہستہ آہستہ چل سکتی تھی۔ جب ہم اندرونی پل پر جس سے اوپر بڑے آہن پوش لنگر انداز ہیں پہنچے تو خدا کا شکر کیا۔ اور پل پر سے گذر کر اس سڑک پر چڑھ گئے۔ جو متذکرہ بالا قبرستان کے کنارہ کنارہ انگریزی سفارت اور ٹریم لائن کو جاتی ہے۔ یہ سڑک ڈھلوان ہے۔ مگر چونکہ نسبتاً بہت اچھی تھی اسکی چڑھائی میں ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوئی قسطنطنیہ میں مجھے جسقدر چیزیں دکھائی دیں۔ ان سب سے یہ پرانی فصیلیں تاریخ عالم کی واقعی اور سچی یادگاریں ہونیکی وجہ سے زیادہ عرصہ تک ہمیں یاد رہیں گی بائی زنطین کا پرانا شہر گوشہ محل سرا اور اس ہموار زمین سی جو گوشہ مذکور کے عقب میں ہے۔ زیادہ رقبہ پر آباد نہ تھا۔ اسے تقریباً استنبول کی موجودہ حدود تک قسطنطین نے ہی بڑھایا تھا۔ اور اسی نے اسکے گرد یہ شہر پناہ اور فصیلیں بنائی تھیں جنکے گرد پہلے خندق لگایا تھا۔ اور جن کو تھیاڈو سیس بعد درست اور مرمت کراتے رہے تھے۔ ہون۔ ایرانی۔ اور صلیبی مجاہدین نے ان دیواروں پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا۔ اور مغلوب یونانیوں نے اسے لاطینیوں سے صرف اسلئے پھر فتح کیا۔ کہ دو سو برس بعد عثمانی ترک انکو ہمیشہ کیلئے اس سی خارج کریں۔ یہ تمام واقعات ان دیواروں پر جو بتدریج معدوم و منہدم ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ترک جانتے ہیں کہ وہ موجودہ زمانہ کے جنگ و جدال میں محافظت کا کوئی کام نہیں دے سکتیں اپنی اپنے نشان پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ انکے گرداگرد پھرنیوالے کی نظروں میں اس عظیم الشان شہر کی قسمت اور ہلال کے سامنے مغلوب ہونیکا واقعہ فی الفور پھر جاتا ہے۔ اللہ اکبر جن دروازہ اور برجوں نے ایسے ایسے جانگداز معرکے دیکھے ہیں انکی پیشانی پر اب یہ حکم ثبت ہے کہ انمیں سے ہر ایک " با امن و امان آہستہ آہستہ معدوم ہو جائیگا " جھاڑیاں۔ بیلیں۔ پودے اور درخت زمانہ اور جنگ و قتال کے ڈالے ہوئے شگافوں کو چھپائے ہوئے ہیں اور انکو دیکھنے والا باآہ سرد یہ کہتا ہوا گھر کو واپس لوٹتا ہے۔ کہ ایسا عبرت بخش اور ساتھ ہی دلاویز منظر دنیا میں اور کوئی موجود نہیں ہے۔

(۱۰) باسفرس کے کنارہ پر جلسے اور دعوتیں

باسفرس پر جلسہ کا نام ہی کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسی دعوت کا مزہ خوبصورتی اور کیفیت کا صحیح اندازہ کچھ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے باسفرس کو دیکھا ہو۔ ۹ر جون ہمارے بیٹے کی سالگرہ کا دن تھا۔ اس تقریب پر ہمنے ان میں سے بعض کو جو اکی اقامت قسطنطنیہ میں اس پر بہت مہربان رہی تھے پر شہر سے باہر دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ ہمارے رفیق شفیق صادق نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور بڑی سرگرمی سے اسکی تکمیل کے درپے ہو گیا۔ ہمنے دعوت کیلئے جزائر شاہزادگان کے جو خوبصورت جزائر قسطنطنیہ سے جھلملی سے دکھائی دیتے ہیں سب سے بڑے جزیرہ پرین کاپو کو تجویز کیا جسپر وہ فی الفور بول اٹھا کہ وہاں جانیکے لئے سلطان المعظم کی دخانی کشتیوں میں سے ایک کا انتظام کر لونگا۔ کھانے کا انتظام کرنے کا ذمہ انگریزی سفارت کی مہتممہ نے لیا۔ اور اپنے کام کو قابل تعریف طور پر پورا کیا۔ ہم اپنے دوستوں کو مدعو اور کل انتظام مکمل کر چکے تھے۔ کہ صادق بک نے آکر کہا کہ سلطان المعظم جن کو چھوٹے بڑے ہر معاملہ کی جو رہا ہو خبر ہوتی ہے نہیں چاہتے۔ کہ ہم دخانی کشتی پر سواری کریں کیونکہ اسی سال کے شروع میں ایک افسوسناک سانحہ گذرا تھا جسمیں دخانی کشتی مع کل طلائی ظروف کے جو اسپر تھے غرق ہو گئی تھی۔ اسکے عوض حضور ممدوح دو دس چپون کی قائقین اور باسفرس کو شکول میں ہے وہ محل ہمارے سپرد کرنیکو تیار ہیں جو قندیلی سے تھوڑا سا اوپر ایشیا کے آبشیرین کے دہانہ پر قلعہ رومیلی حصار کے مقابل باسفرس کے تنگ ترین موقع پر ہے۔ عام خیال ہے کہ کیخسرو شاہ ایران نے اسی موقعہ سے جو خوبصورت باسفرس کا خوبصورت ترین مقام ہے عبور کیا تھا ہمیں کھلے میدان کی دعوت اور پرین کاپو کے جنگلات صنوبر میں سیر گشت کو ترک کرنا گو ناگوار تھا۔ مگر سلطان المعظم کی انعام شاہانہ کو بکمال شکر گذاری قبول کرنیکے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ وقت مقررہ پر ہم اپنے اپنے مہمانوں کو توپخانہ عامرہ کی گھاٹ پر جہاں دو نہایت خوبصورت اور پر تکلف آراستہ قائقین ہمارے لئے تیار کھڑی تھیں جا ملے۔ ہر ایک قائق پر دس دس قائقچی تھے۔ سب کی شلواریں بڑی گھیرے دار سفید رنگ کی تھیں اور جاکٹیں بھی سفید رنگ کی بروصہ کے ریشمی کپڑے کی تھیں جنکے حاشیوں پر سنہری لیس ٹنکی ہوئی تھی۔ یہ بتانے کی تو کوئی ضرورت نہیں کہ سبکے سروں پر فیز تھیں۔ ہماری پارٹی میں کئی ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ مگر آپسمیں گفتگو انگریزی میں ہوتی تھی۔ دس چپو کشتیوں کو ہوا کی طرح اڑائے لئے جاتے تھے پہلے دولمہ

باغچہ کے سفید مرمری طویل اگوارہ کے سامنے سے اور پھر چراغاں کے مبلغ شکل محل کے پاس سے گذرے۔ اسی محل میں عبدالعزیز مرحوم نے اس دنیا سے الوداع کیا تہا۔ اب اس میں سلطان المعظم کا بڑا بھائی اور متقدم مراد (خامس) رہتا ہے جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس قدر شراب پیتا ہے۔ جو آخر ایک دن اسکی جان لیکر رہے گی اس محل کے گرد ہروقت بیشمار سنتریوں کا پہرہ رہتا ہے کسی کشتی کو محل کے بہت نزدیک ہوکر گذرنیکی اجازت نہیں کسی سے ایسی غلطی ہوئی اور سنتریوں نے جہٹ اسپر بندوقیں سرکیں پہلے صرف ڈرانے اور متنبہ کرنیکے لئے انکو ہوا میں سرکیا جاتا ہے لیکن اس صورت میں بھی گولی کے اوپر سے آکر کشتی میں گرنے کا احتمال برابر رہتا ہے چراغان کے بعد بگلر بک کا بے نظیر محل آیا۔ یہ باسفرس کی تمام محلوں میں سب سے خوبصورت ہے۔ اسے عبدالعزیز مرحوم نے تعمیر کرایا تہا۔ بعد ازاں دریا کی شیطانی دہارے سے جو ایشیائی ساحل کی ایک راس کے گرداگرد بڑے زور سے بہتی ہے۔ اور اسی لئے یہ اس کا نام رکھا گیا ہے (مردانہ مقابلہ کے بعد گذرکر قندیلی میں اور دوستوں کو ہمراہ لینے کے لئے تھوڑی دیر ٹھیرے۔ اور ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ عرصہ میں خوبصورت سلطانی کوشک میں جو خالص سفید سنگ مرمر کی ہے پہنچ گئے۔ اس کوشک کو سلطان عبدالمجید کی والدہ ماجدہ نے جو سنہ ۱۸۳۹ء سے سنہ ۱۸۶۱ء تک حکمران رہا تعمیر کرایا تھا۔ نوکروں کو جو ایک اور بڑے قائق میں کھانیکا سامان لائے تہے دوپہر کا کھانا تیار کرنے پر لگاکر ہم کوشک کے کمروں کی سیر کرنے لگ گئے۔ ہر منزل میں چار کمرے ہیں ان کے علاوہ وسط عمارت میں خوبصورت عالی شان ایوان ہے۔ اور نچلی منزل میں خدام کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ تمام کمرے کمال شان و شوکت کے ساتھ آراستہ ہیں۔ میزیں اور کرسیاں بہت خوبصورت ہیں۔ اور ان پر بنت کاری کی ہوئی ہے۔ الماریاں بھی جنت ہیں۔ اور دریچوں پر سنہری بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں۔ قالین کہیں نہیں۔ مگر فرشوں پر رنگ برنگ پتھروں کی پچی کاری۔ اور اوپر سے انکو خوب پالش کیا ہوا ہے محل کی تمام دیواریں ہی سنگ مرمر کی نہیں۔ بلکہ باغ کی دیواریں بہی اسی پتھر کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے وسط میں بڑا اچھا پھاٹک ہے۔ یہ دروازے بہی مرمر کے ہیں۔ اور ان پر کندہ کاری کی ہوئی ہے۔ باغ خوب آراستہ پیراستہ ہے۔ پنولین سوم (شہنشاہ فرانس) کی ملکہ یوجین کو اسی محل میں اتارا گیا تہا۔ اور اسکی خاطر اسکی خاص اہتمام سے آرائش کی گئی تہی یہاں آکر ہم سب کی یہی رائے ہوئی۔ کہ ٹرکی میں پکنک (کھلے میدان کی دعوت) کرنے کے لئے بہترین کیا ہو کے

کشادہ مرغزاروں کی نسبت یہ مقام زیادہ موزوں ہے۔ کھانا سب سے بڑے کمرے کی بیش
قیمت منبت میز پر جو سارے کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ چنا گیا۔ اسی طرح کی کئی شاہی کوشکیں
باسفرس کے کناروں پر سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہیں۔ سلطان المعظم ان میں وقتاً فوقتاً اپنے
بادشاہ اور دیگر معزز مہمانوں کو اتارا کرتے ہیں۔ اسی لئے جیسا کہ ہمنے اس کوشک کو پایا ہر
وقت صاف ستھری اور تیار رکھی جاتی ہیں ان میں سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت محل بگلر بیگ ہے
جسمیں اکثر ممالک غیر کے فرمانروا ٹھہر چکے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونیکے بعد ہمارے نوعمر مہمانوں نے
محل سے باہر [illegible] کا تقاضا کیا۔ وہ ایک اطالین تھا اور
ایک ارگن (ارغنون) بھی [illegible] اسکے آنے پر خوب پالش کئے ہوئے اور چمکیلے فرش
پر ناچ شروع ہو گیا۔ صادق پاشا جس نے برلن میں تربیت پائی تھی ناچ کا بہت مشتاق اور
اس میں خوب ماہر ثابت ہوا۔ دریں حالا ہم بیس چند خوبصورت مرمریں فوارہ کو چلے گئے
اسپر بیل بوٹے کا نہایت نفیس کام ہے۔ اور کئی کتبے کندہ ہیں وہ محل کی چار دیواری سے
باہر ایک لمبے ہموار گھاس کے تختہ کے کنارہ پر جسکے گرد اگرد شمشاد اور صنوبر کھڑے ہیں واقع ہے
یہ تختہ گیارہ گوک صو (آب نیلگوں) کے کنارہ تک چلا گیا ہے۔ گوک صو کا مشہور نام
ایشیا کا آب شیریں ہے۔ افسوس اس دن جمعہ تھا۔ گرمی کی موسم میں جمعہ کے دن اس سرسبز
وادی پر ترکی مخدرات کے جمگھٹ لگے ہوتے ہیں جو اپنی قائقوں پر بیٹھی
ہوئی قہوہ اور سگرٹ پیتی رہتی ہیں۔ ناچ کے بعد ہم قائقوں پر بیٹھکر دریائے آب شیریں کو راستہ
عربوں کا عجیب و غریب راگ سننے کے لئے جو سہ پہر کے وقت وہاں کے ایک ایسی جگہ جو
عوام کی تفریح کے لئے ہو (باغ نہیں) گایا جاتا ہے "متبرک چاہ" یعنی "ایازمہ" کو گئے۔ وادی
گوک صو ایسی خوبصورت نہ پائی گئی جیسی کہ ہم کو توقع تھی۔ انگلستان کے اکثر چھوٹے چھوٹے دریاؤں
کی سبزی اور فضا سے اسکی سبزی کچھ زیادہ دلفریب نہ تھی۔ گو چند ترکی شعرا نے اسکی تعریف
میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہوئے ہیں۔

چاہ متبرک کے قریب پہنچکر ہم ایک مکان کے پاس خشکی پر اتر آئے۔ وہ ایک قسم کا قہوہ خانہ سا ہے
اور اسکی کرسی دریا کے کنارے سے تقریباً عمودی اٹھی ہوئی ہے۔ فوراً کرسیاں لائی گئیں اور
ہم گویوں کے سامنے ایک لمبی قطار میں بیٹھ گئے۔ ان کا گانا بجانا کچھ خوشگوار نہ تھا۔ اور
وحشیانہ قسم کا تھا۔ وہ ساز بھی رکھتے تھے اور زبانی بھی گاتے تھے۔ اور بیچ بیچ میں کبھی کبھی عربی شعر

پڑہتے جاتے تہے - انکی آوازیں کرخت تہیں - اور ان ترکی گویتوں کی آوازوں سے جنکا گانا میرے خاوندنے یلدز کوشک میں سنا تہا کچھ بھی نسبت نہیں رکھتی تہیں - ہمارے عقب میں ایک سخت ڈہالدار ٹیلے کی چوٹی پر ایک بلند جالی دار مکان تہا جسے بتایا گیا - کہ ترکی خاتونیں اسکے پیچہے بیٹھکر راگ سنتی ہیں - قہوہ نوشی کرنیکے بعد میں نے ان خاتونوں سے ملاقات کرنیکی خواہش ظاہر کی جسپر ہماری جماعت کی لیڈیوں میں سے ایک جو ترکی بول سکتی تھی - میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی - ٹیلہ پر چڑھکر ہمیں ایک اونچا جالی دار پہاٹک ملا جسے کہولکر ہم ایک لمبی گیلری (برآمدہ) میں جسکے گرداگرد سب طرف جالی لگی ہوئی تہی - داخل ہو گئیں - اسکے پیچہے بیٹھنے والیوں پر گو باہر سے نظر نہیں پڑتی - مگر جو کچھ نیچے ہو رہا ہوتا ہے وہ بخوبی سُن اور دیکھ سکتی ہیں - ہماری جماعت کو محل ہمایوں کے ایک ایڈیکانگ کے ہمراہ آتا دیکھکر ان بیگمات کو ہمارا حال معلوم کرنیکا بڑا اشتیاق ہو گیا ہوا تہا - چنانچہ جب ہم پہنچیں - تو ہم سے جماعت کے مختلف افراد (زرق برق کی پوشاک پہنی ہوئیں نوجوان لڑکیوں - نوجوان مردوں اور پیرانہ سالوں) کے متعلق کئی سوال کئے گئے - ایک نہایت ہی خوبصورت خاتون نے جس سے ہمنے بات چیت کی - ہمارے کھلے (یعنی بے نقاب) چہروں پر بڑا رشک ظاہر کیا - اور کہا کہ میرا یشمک گو بہت باریک ہے (وہ فی الواقع نہایت ہی نفیس اور باریک ململ کا تہا) تاہم منہ اور ناک کو اس سے ڈھانپنے سے سخت گرمی ہوتی ہے - اس دن سخت گرمی تہی - اور خاتون موصوف نے اسوقت کیونکہ وہ جالی کے پیچہے بیٹھی ہوئی تہی اپنے یشمک کو کھسکا کر نیچے کر دیا ہوا تہا - ان خاتون میں سے کسی نے بہی ہماری آزادی پر اچنبھا ظاہر نہ کیا - نہ یہ آزادی انکو بری معلوم ہوئی - بلکہ ایک طرح سے انکو اسپر رشک آتا تہا - اور انکے چہروں سے واضح ہو رہا تہا - کہ ہماری اس ملاقات سے انکو بہت ہی خوشی ہوئی تہی -

جب شام کا وقت قریب ہو گیا - تو صادق بک نے چلنے پر اصرار شروع کیا - انہوں نے کہا کہ تہوڑی دیر میں دوسرے لوگ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی قائقوں پر جو کناروں کے ساتھ بندہی ہیں سوار ہو جائینگے - اور اسوقت انکی اس قدر بہیڑ ہو جائیگی - کہ نالہ میں جس کا پاٹ بہت چہوٹا ہے ہماری کشتیوں کا جو بڑی اور لمبی ہیں گذرنا محال ہو جائیگا - ہمارا دل تو ابہی چلنے کو نہیں چاہتا تہا - مگر وجہ معقول تہی گو قت صد سے نکل آنے پر باسفرس میں ہمارا سفر بہت جلد طے ہو گیا - کیونکہ واپسی کیوقت اس کا دہارا بہی اسی رخ تہا - راستہ میں بلبلکو ان پرندوں کی بیشمار جہنڈ ہمارے

پاس سے گذرے۔ یہ چھوٹے سیاہ رنگ کے جانور ہیں۔ جو (ابابیلوں کی طرح) ہر وقت اڑتے رہتے ہیں
اور پانی کی سطح کے متصل باسفرس میں اوپر نیچے چکر لگاتے رہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ انکو کسی
شخص نے ایک لحظہ کے لئے بھی خشکی یا پانی پر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔ چنانچہ اسی مسلسل حرکت
کی وجہ سے انکا نام "راہ گم کردہ ارواح" پڑ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت وہ غالباً
ان سیاہ چٹانوں پر بسیرا کر لیتے ہیں جو بحیرۂ اسود کے دہانہ پر ہیں ہم بہت ہی جلد توپخانہ کی
گھاٹ پہنچ گئے۔ جہاں ہم اپنے مہمانوں سے جدا ہو گئے۔ اور اس دن کی خوشگوار سیر و تفریح
اختتام کو پہنچ گئی۔

ہماری دوسری پکنک کا مقام پہلی کے مقام سے بالکل مختلف تھا۔ جب سفراء تھراپیا
کو گئے تھے۔ تو ہم بھی اسی محلہ میں جا کر وہاں کے ایک ہوٹل میں فروکش ہو گئے تھے جولائی کے
شروع میں قائمقام انگریزی سفیر نے (اصل سفیر رخصت پر گئے ہوئے تھے) تجویز کی کہ بندوں
پر پکنک کا جلسہ کیا جائے۔ یہ بند جو بلغراد کے سبزہ زاروں یا غچہ کوئی کے قریب ہیں عظیم
الوسعت تالاب ہیں۔ جن میں اہالی قسطنطنیہ کے استعمال کے لئے موسم سرما کی بارشوں کا پانی
جمع کیا جاتا ہے۔ جن بندوں پر ہمنے پکنک کی تجویز کی تھی وہ سلطان محمود بند اور والدہ بند
کے نام سے مشہور ہیں۔ اور وہ گھاٹیوں کے موہانہ میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں کی
مضبوط دیواریں تعمیر کر کے بنائے گئے ہیں۔ انکے چاروں طرف بلوط، صنوبر، شمشاد، بید، مجنوں
اور سرو وغیرہ مختلف قسم کے درخت موجود ہیں اور انہی درختوں کے جنگلوں کی باحتیاط نگرانی[2]
اور خبر گیری پر پانی کا ذخیرہ منحصر ہے۔ اس جلسہ کے شرکاء انگریزی اور جرمن سفارتوں کی عہدہ دار
اور ہم میاں بیوی تھے۔ اکثر درزین سوار تھے۔ باقی دیسی گاڑیوں پر جو ارابہ کہلاتی ہیں سوار
ہوئے۔ ہر ایک ارابہ کے اندر چار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ سایہ کے لئے اوپر ایک طرح کا سائبان
سا ہوتا ہے اور چونکہ ان گاڑیوں میں کمانی نام کو نہیں ہوتی۔ خراب سڑک پر سواریوں کو سخت
تکلیف ہوتی ہے۔ مگر یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو سڑک بندوں کو جاتی ہے۔ وہ بہت

---

[1] جیسا کہ لیڈی صاحبہ پہلے بتا آئی ہیں۔ سفراء ممالک غیر گرمیوں میں محلہ ترا سے تھراپیا میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں باسفرس کے کناروں پر بھی ان کے لئے محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

[2] لیڈی صاحبہ غالباً اس طبعی مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جنگلات اور سبزی کی موجودگی کثرت بارش کا باعث ہوتی ہے۔ مترجم

اچھی ہے۔ یہ سڑک باسفرس کے کنارہ کنارہ جاکر قچ بورنو کے پاس کی چھپا صنوبر کے چند شاندار
درختوں کے جھنڈ میں ایک متبرک کنواں یعنی ایازمہ ہے گذرتی ہے۔ اور پھر بیوک درہ سے
کچھ ورے یکبارگی بائیں ہاتھ کو خشکی کی طرف مڑ کر وادی کلاں کے کنارہ کنارہ جو اعلیٰ
اعلیٰ کی جماعتوں کی ترکی مستورات کی عام تفریح گاہ ہے چلی جاتی ہے۔ بشرطیکہ موسم صاف
اور مطلع ابرآلود یا گرد آلود نہ ہو۔ سہ پہر کے وقت یہ وادی اول سے آخر تک چمکدار قالینوں کی
بھری ہوئی ہے۔ جو شمشاد کے بڑے بڑے درختوں کے نیچے بچھے رہتے ہیں۔ اور ہر ایک پر
پانچ پانچ چھ چھ یا اس سے کم و بیش عورتوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ ہم کو تخمیناً بیس
ایک ارابوں اور گاڑیوں کی بھی قطار رستہ میں ملی۔ ان گاڑیوں میں سفید بیل جتے ہوئے تھے۔ اور
ان کے اندر برقع پوش مستورات بیٹھی ہوئی تھیں۔ جو سارا دن اس وادی میں بسر کرنے کے بعد
اپنے قالینوں کو لپیٹ اٹھا اپنے ساتھ گاڑیوں میں رکھ کر گھروں کو واپس جا رہی تھیں۔ انکے
گذر جانے پر ہمیں بتایا گیا کہ یہ [illegible] تھیں وہ تھراپیا سے بیکوزی کو جو باسفرس کے کنارے
پر تھراپیا کے روبرو دوسرا موضع ہے چلی جا رہی تھیں۔ ابھی یہ گاڑیاں تھراپیا ہی میں تھیں کہ
بیوقت ہونا شروع ہوا شروع ہو گیا تھا۔ اور گاڑیبان اپنے سست رفتار بیلوں کو جلد جلد
چلانے کے لئے عجب شور و غل اور جد و جہد کر رہے تھے۔ کیونکہ ترکی عورتوں کے لئے لازمی ہے
کہ وہ سورج غروب ہونے کے وقت گھر پہنچ جائیں۔ یہ بھی قطار اس موڑ سے جو بیکوزی کو تھراپیا
سے ادھر جل رہے ہوئے ہے ابھی ساری نہیں گذری تھی کہ تقریباً پوری تاریکی پڑ گئی گاڑیوں پر
لال ٹینیں روشن کر دی گئیں۔ اور سواریوں نے چھوٹے پٹاخے اور گولے چلانے شروع کر دیے
جن سے یہ کل قافلہ جو بتدریج بڑھتی ہوئی تاریکی میں بڑے بڑے کرمک ہائے شب تاب کے
جلوس کے مشابہ ہو گیا۔ مگر بیل اپنی رہی ٹھکے چال چلتے رہے۔ ان کو اپنے ہانکنے والوں کی چیخ پکار
اور للکار کی کوئی پروا نہ تھی۔

وادی کلاں میں موڑ سے کچھ اوپر شمشاد کے دو بڑے بڑے درخت کھڑے ہیں جو نیچے بالکل
کھوکھلے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تنا اتنا بڑا ہے کہ اس میں ایک خاصہ اچھا کمرہ بنا ہوا ہے
جو قہوہ خانہ کا کام دیتا ہے۔ ترکی بیگمات وادی میں اپنے قالینوں پر بیٹھی ہوئی یہیں سے
سارا دن قہوہ منگا کر پیتی رہتی ہیں۔ عام خیال ہے کہ یہ درخت گاڈفری ڈی بولان کے وقت کے ہیں

۱؎ لیڈی صاحبہ غالباً اس طبعی مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جنگلات اور سبزی کی موجودگی کثرت بارش کا باعث ہوتی ہے۔ مترجم

تخمیناً تین میل تک سڑک کے کنارہ کنارہ وادی کلان میں محمود اول کی مسقف نہر گندتی ہے۔ یہ نہران بندوں سے جہاں ہم جا رہے تھے۔ پیرا اور غلطہ کو پانی پہنچاتی ہے۔ اور ویسی ہی مضبوط اور خوشنما ہے جیسی کہ بائی زنطینی قیاصرہ کی تعمیر کردہ مسقف نہریں۔ سڑک نہر کی ایک محراب کے نیچے سے گذر کر اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ اور وادی کلان کے آخری سرے کے قریب پہنچکر دائیں طرف کو ہو جاتی ہے۔ اور تھوڑی دیر آگے جا کر ایک اور سڑک جو اس کی فراخ اور بہتر ہے بائیں طرف کو ہو کر پہاڑی کے نیچے موضع بلغراد کو جاتی ہے۔ لیڈی میری ور[1] ٹلے مان ٹیگو اس گاؤں کے جس مکان میں رہتی تھی۔ وہ ابھی تک موجود ہے۔ بلغراد کے قریب جو بند کلان ہے وہ دراصل ایک چھوٹی سی قدرتی جھیل ہے جو چاروں طرف سے گھنے جنگلوں سے

لہ یہ لیڈی انگلستان کے امیر کبیر ایولن پری پائنٹ اول آف ہیلی فاکس کی جو بعد میں ڈیوک ہو گیا تھا سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اسے اعلیٰ درجہ کی تعلیم دیگئی تھی۔ اور لاطینی زبان میں اس نے خود اپنی محنت سے خاص مہارت پیدا کر لی تھی سنہ ۱۷۱۲ء میں ۲۲ برس کی عمر میں ایڈورڈ وورٹلی مان ٹیگو جا رلس مان ٹیگو اول آف ہالی فاکس کے چچا زاد بھائی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ اور بعد میں اس سے شادی کر لی۔ اس شخص نے پارلیمنٹ میں بڑی ناموری پیدا کی۔ وہ انگلستان کے مشہور نویسندہ ایڈیسن کا دوست تھا۔ سنہ ۱۷۱۶ء میں وہ دربار قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر کیا گیا۔ جبکہ اسکی بیوی بھی ساتھ گئی۔ قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں اس خاتون نے شہر مذکور کی قدرتی دلفریبی اور فضا پر اپنے دوستوں کو کئی دلچسپ خط لکھے اسی جگہ اسے معلوم ہوا۔ کہ ترکی کے لوگ چیچک کے انسداد کیلئے ایک طرح کا ٹیکا لگاتے ہیں۔ اس نے وہی عمل اپنے لڑکے پر کیا۔ اور اسطرح اس طریقہ کو مشرقی یورپ میں رائج کرنیکا باعث ہوئی سنہ ۱۷۱۸ء کے اخیر میں انگلستان واپس آ کر قصبہ ٹوئیکن ہم میں سکونت پذیر ہوئی۔ وہاں اسکی مشہور شاعر پوپ کے ساتھ گہری آشنائی ہو گئی۔ مگر بعد میں بگاڑ ہو گیا۔ اور شاعر مذکور نے اپنی معشوقہ کی چال چلن اور لیاقت پر کئی ہجو آمیز غزلیں لکھیں جنکی بدولت اس پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا گیا۔ لیکن اسوقت اس نے کمال نامردی سے ان غزلوں کا مصنف ہونے سے انکار کر دیا۔ سنہ ۱۷۳۹ء میں کسی وجہ سے جو درست معلوم نہیں ہو سکی لیڈی موصوفہ اپنے خاوند سے جدا ہو کر اٹلی کو چلی گئی۔ اور سنہ ۱۷۶۱ء تک وہاں کے قصبہ وینس میں رہائش رکھکر انگلستان واپس آئی۔ جہاں سنہ ۱۷۶۲ء میں فوت ہو گئی۔ وہ سنہ ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوئی تھی۔ اور اسکا لڑکا ایڈورڈ مان ٹیگو بھی عجب نالائق تھا۔ بچپن میں دو دفعہ گھر سے بھاگ کر پہلی دفعہ لندن میں ایک بھنگی کا شاگرد ہو گیا۔ اور دوسری مرتبہ ہسپانیہ میں جا کر خچر بانی کرتا رہا۔ اور آخر جوان ہو کر ترکی چلا گیا۔ اور وہاں ترکوں کے اوضاع و اطوار اختیار کر لئے۔ یہ سنہ ۱۷۱۳ء میں انگلستان میں پیدا اور سنہ ۱۷۷۶ء میں فوت ہو گیا۔ مترجم

گھری ہوئی ہے۔ ہم نے اس بند کو بھی بعد میں جا کر دیکھا تھا۔ مگر وہ محمود اور والدہ بندوں ایسا خوبصورت نہیں۔ نہ انکی طرح بالکل مصنوعی ہے۔ گو اس میں بھی پانی کے روکنے اور نکالنے کے لئے ایک خوشنما دیوار اور چھاٹک بنا ہوا ہے۔ ہم محمود بند کے پاس سے جو سخت گنجان جنگلوں میں چھپا ہوا ہے گذر کر والدہ بند سے تھوڑے فاصلہ پر گاڑیوں سے اتر پڑے۔ اور چاء بیٹھکر پینے کے لئے مناسب موقع تلاش کرنے لگ گئے۔ بند کے قریب قریب تمام عمدہ موقعوں پر ترکی خاتونوں کے جھرمٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ جن کو مردوں کی موجودگی سے پریشان خاطر نہ کرنے کے لئے ہم اپنا لنگر کھنگر لئے ہوئے جنگلوں میں بڑھ گئے۔ اور تھوڑی دیر میں ہمیں ایک کشادہ گیاہ دار میدان مل گیا۔ جہاں ہم نے اپنا اسباب کھولدیا۔ لیکن ہمارے جرمن رفیق ابھی تک نہ پہنچے تھے۔ اور شیرینی وغیرہ کا سامان انکی ذمہ تھا۔ پارٹی کے انگریزی ارکان نے تمام مشروبات۔ مکھن روٹی اور میوہ جات کا ذمہ لیا ہوا تھا۔ ہم میں سے چند گھوڑوں پر انکی تلاش میں گئے۔ اور ان کو بند کلان کے کنارہ پر جا پایا۔ ہر فریق کو اسی بند کی خبر تھی جس جس کو وہ گئے تھے۔ یعنی ہمیں صرف والدہ بند کی اور جرمنوں کو صرف بند کلان کا علم تھا۔ چاء پینے کے بعد ہمنے والدہ بند کی خوب سیر کی۔ اکثر ترکی خاتونیں اس وقت تک رخصت ہو گئی تھیں جس سے کہ ہم سب بآسانی اِدہر اُدہر گشت کر سکتے تھے۔ جس جنگل میں بیٹھکر ہمنے کھانا وغیرہ تناول کیا تھا۔ اسکی سطح بند کے پانی کی سطح اور اس مضبوط سنگ مرمر کی دیوار کی چوٹی کے برابر تھی۔ جو گھاٹی کے ایک سرے پر بنی ہوئی ہے۔ اور پانی کو روکے رہتی ہے۔ ہم دیوار مذکور کی چوٹی چوٹی چلتے پہرتے رہے۔ دیوار کا ہکی ہے خاصہ پل معلوم ہوتا ہے۔ دونوں طرف سنگ مرمر کی فصیل بنی ہوئی ہے اور اکثر جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں جن پر دیوار کی ابتدائی تعمیر اور مابعد کی مرمتوں کی کیفیت کندہ ہے۔ دیوار کی چوٹی اس قدر چوڑی ہے کہ تین گاڑیاں آسانی کے ساتھ دوش بدوش چل سکتی ہیں ہم اس راست پر جو بند کے کنارہ سے جنگل میں جاتا ہے کچھ دُور آگے بڑہتے گئے۔ اور واپسی کے وقت وادی میں نیچے جا کر دیوار کے دامن تک پہنچ گئے۔ وہ کم از کم ساٹھ فٹ بلند اور سفید مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں کی بنی ہوئی ہے موسم بہار میں بارشوں اور برفوں کے پگھلنے کے بعد بند بالکل بھر جاتا ہے۔ اور پانی تقریباً دیوار کی چوٹی تک بلند ہو جاتا ہے۔ ہم نے اسے شروع جولائی میں دیکھا۔ اسوقت پانی چوٹی سے کئی فٹ نیچے تھا۔ یہ بند نہایت ہی خوبصورت اور دلکش ہیں۔ انہیں دیکھکر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ کیا مصنوعی چیزیں بھی ایسی خوبصورت ہو سکتی ہیں۔ انکی دلفریبی کا بڑا باعث وہ جنگلات ہیں جو انکے چاروں طرف موجود ہیں اور مختلف قسم کے بے تعداد درخت ان میں کھڑے ہیں۔ میں ان جنگلوں کی نسبت اوپر کہہ آئی ہوں

کہ لازمی طور پر انکی کمال نگہداشت اور متواتر حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ یہی شام تک وہاں ٹھیر سکنے کا سبب رنج تھا مگر مجبوری تھی۔ ٹرکی میں شفق بہت قلیل العرصہ ہوتی ہے۔ اور گھروں تک فاصلہ بہت بڑا تھا۔ واپسی کے وقت جرمن سفارت کے ایک سکرٹری کا گھوڑا تھراپیا کے ناگفتہ بہ فرش سے پھسل پڑا۔ اسلئے سوار کو خاصی چوٹ آئی جسنے اسے کئی دن صاحب فراش ہونا پڑا۔ اور یہ جشن جس سے اور سب طرح طبیعت بہت محظوظ ہوئی تھی۔ اُسے عرصہ دراز تک بُری طرح یاد آتی رہی ‫‬‫‬۔

(۱۱) دربار قربان بیرام

ایک دن صادق بک نے ہمیں کہا "یہ تو ظاہر ہے کہ تم قربان بیرام (عید الضحیٰ) کا دربار ضرور دیکھو گے۔ تمہارا سفیر تمہیں اس میں نہیں لے جا سکتا۔ مگر بحیثیت مہمانان سلطانی ہمارا ساتھ آسانی کے ساتھ انتظام ہو سکتا ہے"۔ پیرا سے تھراپیا کو آنے سے پہلے ہی کئی دنوں سے ہم لوگوں کو بازاروں میں ادھر ادھر دُنبے اور مینڈھے لے جاتے دیکھتے رہے تھے۔ ان میں بعض خوب موٹے تازہ ہوتے تھے۔ یہ قربان بیرام کی قربانیوں کے لئے بیچے جا رہے تھے۔ اس دن تمام اسلامی دنیا میں خوشی منائی جاتی ہے۔ اور یہ تیوہار بارہویں قمری مہینے کے دسویں دن کو ہوتا ہے۔ جب ہم قسطنطنیہ میں تھے اس سال ۲۴ جون کو یہ عید ہوئی تھی۔ ہر ایک کنبہ کے مالک کو خاندان کے آدمیوں کی لحاظ کر ایک یا زیادہ مینڈھے قربانی کرنے پڑتے ہیں۔ مالک کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ نماز عید کے بعد ان کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ بعد ازاں کچھ حصہ غربا میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اور باقی گھر میں کھایا جاتا ہے۔ یہ تیوہار اسحاق[1] کی قربانی کی یادگار میں ہے۔ چونکہ یہ دربار صبح کے وقت بہت سویرے منعقد ہوتا ہے۔ ہم نے سونے کا انتظام پیرا میں کیا۔ تاکہ دور نہ جانا پڑے۔ ساڑھے آٹھ بجے بعد دوپہر یعنی غروب آفتاب کے وقت ایک بڑی توپ اس امر کی علامت میں چلائی گئی کہ تیوہار شروع ہو گیا ہے اسی وقت سے گھنٹوں اور توپوں کا شور و غل۔ اور راگ رنگ شروع ہو گیا جو ساری رات ختم نہ ہوا۔ ہم سویرے ہی لیٹ گئے۔ مگر شور و غل سے سو نہ سکے۔ ساری رات توپیں اور آتش بازیاں چلتیں اور گھنٹیاں بجتی رہیں۔ اور کتے اس غیر معمولی بے آرامی سے بلا وقفہ تمام رات چلاتے رہے۔ دو بجے بعد نیم شب کیونٹ مختلف رجمنٹوں سے جو کہ پریڈ کے لئے سلطان المعظم

[1] جو تک عیسائی کتابوں میں حضرت اسمٰعیل کی بجائے حضرت اسحاق کا نام ہے۔ اسلئے لیڈی صاحبہ نے بھی حضرت اسحاق کا نام لکھ دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کی قربانی دینے لگے تھے۔ مترجم۔

نے یلدز سے باہر آمد ہوکر دولمہ باغچہ میں رونق افروز ہونا تھا۔ معاًبعد کھڑا ہونیکے لئے ہوٹل کے پاس سے گذرنی شروع ہو گئیں ہر ایک رجمنٹ کے آگے آگے اسکا بینڈ بجتا جاتا تھا اور چونکہ بازاروں میں رات کو روشنی نہیں ہوتی سینکڑوں آدمی لال لالٹینیں لئے ہمراہ ہوتے ہیں۔ جب یہ لال لالٹین بردار پہاڑی پر چڑھکر میرے کمرے کے دریچوں کے پاس سے گذرتے تھے۔ تو انکی لال لالٹینیں جگنوؤں کی طرح چمکتی دکھائی دیتی تھیں ناشتہ سے فارغ ہوکر ہم سارے ہی پانچ بجے گاڑی پر سوار ہو گئے۔ اور گرینڈ رو (جادہ کبیر۔ کلاں سڑک) کے رستہ جرمن سفارت کے پاس سے گذر کر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے چھ سے چند منٹ بعد عین محل کے پائیں میں پہنچ گئے۔ اس دن موسم نہایت صاف تھا۔ اور باوجود اس قدر سویرا ہونیکے گرمی ابھی سے محسوس ہونے لگ گئی تھی ہمارا صادق دوست صادق بک اپنی سب سے بیش قیمت وردی پہنے اور تمغے لگائے ہوئے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ ہمیں فی الفور سفراء کے آرام کرنے کے کمرہ میں جو لب صحن تمام پر ہو تا جارہا تھا لے گیا۔ اس میں ہم صرف ایسے شخص تھے جن کا کسی سفارت سے تعلق نہ تھا۔ چنانچہ ہمنے بعد میں سنا کہ ہماری اس خوش نصیبی پر دیگر انگریز سیاحین کو جو اسوقت پیرا میں فروکش تھے سخت رشک ہوا تھا۔ سات بجے سے بعد دوم میر تشریفات (ماسٹر آف سیرمونیز) ہم سب کو بلانے کے لئے آیا۔ جسپر ہم لوگ جھٹ پٹ کمرہ سے نکلکر باغ میں سے روا روی گذرتے ہوئے بیشمار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک لمبی گیلری میں جو دنیا کے عظیم ترین درباری ایوان[1] کی ایک طرف بنی ہوئی ہے پہنچ گئے باغ سے گذرتے وقت ہمیں معلوم ہوا۔ کہ سلطان المعظم محل میں رونق افروز ہو گئے ہیں اور کہ ہم دربار بیرام کے سب سے شاندار نظارہ کو دیکھنے سے محروم رہے ہیں۔ جلالت مآب نقرہ گھوڑے پر جسکا کل سامان مرصع ہوتا ہے سوار ہوکر محل میں داخل ہوتے ہیں اور کل درباری جن کے گھوڑے اور ان گھوڑوں کا ساز و سامان بھی قابل دید ہوتا ہے۔ حضور ممدوح کی جلو میں ہوتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کو جو سفراء کے کمرہ میں تھے۔ سلطان کے ورود کا نظارہ اس لئے نہیں کرنے دیا گیا تھا۔ کہ سلطان المعظم گھوڑے سے اترتے ہی قربانی کا دُنبہ ذبح کرتے ہیں اور یہ رسم ہے کہ کوئی کافر قربانی کو نہ دیکھنے پائے۔ اس دنبہ کو جبا نگورہ کی نسل کا قد آور جانور تھا۔ اور اسکی اُون برف ایسی شفاف تھی۔ گذرتے وقت ہمنے ان سیڑھیوں کے دامن میں

---

[1] دولمہ باغچہ کے اس ایوان کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے مترجم

بیجان پڑا ہُوا پایا - جن کے رستہ سلطان المعظم اپنے کمروں میں تشریف لیگئے تھے -
گیلری میں پہنچنے پر ہمیں معلوم ہُوا - کہ وہ ایوان کے فرش سے اس قدر بلند اور خود ایوان اس قدر وسیع ہے - کہ جو لوگ نیچے کھڑے ہوں - انکے خط و خال کی بمشکل تمیز ہو سکتی ہی - چند خادموں کے سوا جو اوہر اودہر دوڑ رہے تھے - ایوان میں اسوقت اور کوئی شخص نہ تھا - اور تخت شاہی کے سوا جو بڑی آرام کرسی کی شکل تھا - اور اسکے آگے پاؤں رکھنے کا مونڈھا رکھا ہُوا تھا - اور دونوں طلائی مخمل سے منڈھے ہوئے تھے - کل ایوان خالی تھا - تخت کمرہ کے بالائی سرے میں تھا - اور اس کا رخ کمرہ میں داخل ہونے کے بڑے پھاٹکوں کی طرف تھا - ان دروازوں پر چھوٹی سی گیلری ہے - اس میں بلینڈ کا طائفہ بیٹھا ہُوا تھا جو دربار کے شروع ہونے تک دلفریب نغمہ سرائی کرتا رہا - جس گیلری میں ہم ہے - وہ ایوان کے نصف طول سے زیادہ لمبی تھی پھر بھی وہ اس قدر بڑی ہے کہ اچھے خاصے کمرے کا کام دیسکتی ہے خاتونیں سب سے آگے کٹھرہ کے ساتھ ساتھ بیٹھیں جنٹلمین (مرد) انکے پیچھے کھڑے ہوئے عقب میں بلند دریچوں کے نیچے ایک لمبی میز بچھی ہوئی تہی جسپر طلائی ظروف میں ہر اقسام کی لطیف و لذیذ ماکولات و مشروبات چنے ہوئے تھے - ایوان بتدریج پر ہونا شروع ہو گیا - اور چونکہ سلطنت کے ہر ایک شخص کو جو کرنیل یا کرنیل سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو عیدین کے درباروں میں شریک ہونیکا حق حاصل ہے - شاندار وردی پوشوں کا بہت بڑا مجمع موجود ہو گیا - وہ مربع کی تین ضلعے بناکر ایک دوسرے کے پیچھے صفوں میں کھڑے ہو گئے - ایوان کا وسط جو تخت کے بالمقابل تھا - کھلا رہنے دیا گیا - محل سلطانی کے اراکین و ملازم درجہ بدرجہ تخت کے پیچھے لمبی صف میں کھڑے ہوئے - سب زرق و برق کی وردیاں پہنے ہوئے اور اکثر تمغے بھی لٹکائے ہوئے تھے - ان میں سب سے اول اعلیٰ خواجہ سرا کھڑا ہُوا - دوم خواجہ سرا جو لمبا اور دبلا پتلا آدمی تھا - تیرھویں نمبر پر سلطان کے دو داماروں میں سے اوپر تھا - ایوان کی جو کچھ کیفیت اسوقت تہی جبکہ سب لوگ داخل ہو چکے تھے - اور سلطان المعظم کے رونق افروزی کا انتظار کر رہے تھے - وہ حد بیان سے باہر ہے - اور اس کی پُر ہئیت نظارہ کا خیال کرنا مشکل ہے - ہر قسم کی وردی وہاں موجود تہی - صحرائے عرب کے جُبہ و عمامہ پوش عرب شیوخ - امام - علماء - اور وزراء سب کے سب تمغوں سے جگمگا رہے تھے - میں نے صادق بک سے پوچھا کہ سلطان المعظم کی رونق افروزی میں اس قدر دیری کیوں ہوئی ہے ؟ آپ ٹھ کا

مخل ہوگیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ حضور ممدوح نہت سویرے بیدار ہو کر نماز کیلئے تشریف
لے جانے سے کسی قدر تھک جانے کے باعث سو گئے ہیں۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ انکی
استراحت میں مخل ہو۔ آخر بینڈ بجنا موقوف ہوگیا۔ اور وہ درمیانہ قامت باجلال شخص
جس کا سب آنکھیں انتظار کر رہی تھیں تخت کے قریب کے دروازے سے ایوان میں برآمد
ہوگیا۔ صرف اکیلے غازی عثمان امیر المؤمنین کے ساتھ تھے۔ وہ سادہ فوجی کمر کوٹ اور باقی
کل اشتدار مجمع کی طرح فس پہنے ہوئے تھے اور ایک خمدار سنہری قبضہ کی تلوار زیب کمر
تھی کوئی تمغہ یا نشان کسی طرح کا زیب تن نہ تھا۔ انکے داخل ہوتے ہی ہر ایک شخص جو
ایوان میں موجود تھا۔ فرش تک جھک گیا۔ اور جب تک وہ تخت پر نہ بیٹھ گئے۔ اسی وضع
میں رہا۔ عثمان غازی تخت سے دائیں طرف کھڑے ہوگئے سنہری حاشیہ کا ایک رومال انکے
دائیں بازو پر پڑا ہوا تھا جسکو مجمع کے ان لوگوں نے بوسہ دیا جو درجہ میں کم ہونیکی وجہ سے
سلطان کو مس کرنیکا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔

جس وقت سلطان المعظم تخت پر متمکن ہوگئے۔ تو دربار ہمایوں کا ملّا آگے بڑھ کر حضور
ممدوح کے بائیں ہاتھ کھڑا ہوگیا۔ اور دھیمی آواز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اسکے ساتھ ہی کل
حاضرین نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اونچے کر لئے۔ جب وہ اس سے فارغ ہو کر پیچھے ہٹ گیا تو کمال
خوشی کے ساتھ آداب بجا آوری کی رسم شروع ہوگئی۔ دائیں طرف سے پاشا سلطان المعظم کے سامنے
سے گذرنے شروع ہوئے۔ قریب پہنچکر وہ فرشی کورنش بجا لاتے اور رومال کو بوسہ دیتے۔ پھر
گردنیں جھکائے ہوئے خلیفۃ المسلمین کے بائیں ہاتھ جا کر پیچھے کو ہٹ جاتے اور پیچھے ہٹتے وقت
بھی دائیں ہاتھ سے فرش دل اور پیشانی کو چھوتے ہوئے آداب بجا لاتے جو درباری قواعد کے مانوس تھے
وہ اس حرکت کو نہایت صفائی اور سلیقے کے ساتھ عمل میں لائے۔ لیکن جو سپاہی تھے ان کی اکثر پاشاؤں
کو سخت مشکل پیش آئی۔ انکی حرکات بہت ہی بھونڈی تھیں ہر ایک تسلیمی حرکت کے بعد تھوڑا سا
وقفہ کرنیکی بجائے وہ پے در پے بلا توقف سب حرکتیں ایک ساتھ کرتے تھے۔ اور پیچھے
سے دوسروں کے آجانے پر سلطان المعظم کی نظر سے اوجھل ہو جانے پر بھی دیر تک یہی کرتے رہے
جو پاشا سلطان المعظم کے ذاتی دوست تھے۔ انکو سلطان کے قدموں پر سر سجدہ نہ ہونے دیا گیا
سلطان المعظم انکو ہاتھ سے خفیف سا اشارہ کر دیتے تھے کہ وہ صرف نیچے جھکیں (قدموں پر
نہ گریں) معمّر رؤوف پاشا کو جسکی ایک ٹانگ پلیونا میں ضائع ہوگئی تھی۔ ایسا ہوگیا ہوا تھا

کہ اسے سلطان کو سلام کرنیکے بعد کمرہ کا سارا عرض طے کرکے پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں
چنانچہ وہ سلام سے فارغ ہوتے ہی تخت کے پاس سے پیچھے کو ہٹ کر ایوان سے باہر
چلا گیا۔ اسکے سوا اور کوئی شخص باہر نہ گیا۔ دو باتوں کی طرف سب کو خاص توجہ ہوئی
دربار سے چند دن پہلے روسی سفیر بلغاری ایلچی سے نہایت نخوت اور غرور کے ساتھ
پیش آیا تھا جسپر سلطان المعظم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ ایلچی مذکور دربار کے موقع پر شاہی
خانوادہ اور محل ہمایوں کے متعلقین کے ساتھ نیچے ایوان میں کھڑا ہو تاکہ سفراء کی گیلری
میں اسکی بے حرمتی ہونیکا احتمال نہ رہے۔ اس حکم کی تعمیل میں وہ شام کی سادہ پوشاک پہنے نیچے
کھڑا ہوا۔ اور اپنی پوشاک کی وجہ سے اردگرد کی تمام زرق برق کی وردیوں میں نہایت نمایاں ہو رہا تھا
دوسرا قابل غور واقعہ معزول خدیو اسمعیل کی باریابی تھی۔ وہ اس وقت کسی شستہ ناطہ کی وجہ کر جسے
وہ کرانا چاہتا تھا۔ سخت معتوب ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب وہ پیرمرد سلطان المعظم کے سامنے ہوا۔
تو حضور ممدوح کے چہرہ پر کوئی ایسی علامت نمودار نہ ہوئی۔ جس سے پایا جاوے۔ کہ سلطان نے اسے پہچانا
ہے جسپر بھی اُسے اور ونکی طرح پیشانی رگڑنی پڑی۔ اور ایوان کی دوسری طرف جانا پڑا سلطان
نے اسپر ایک بھی نگاہِ عنایت نہ ڈالی۔ آخر سب لوگ سامنے سے گذر کر ایوان کے گرداگرد پھر اپنی
اپنی جگہ پر صف بستہ کھڑے ہوگئے۔ اور اب پہلی مرتبہ مُہرِ سکوت توڑی گئی۔ رئیس التشریفات منیر پاشا
نے محل کے وسط میں آکر بآواز بلند پکارا "شیخ الاسلام" یہ آواز پڑنے کیساتھ ہی ایک
دراز قامت باجلال پیر مرد جو دراز سفید جبہ اور عمامہ پہنے اور طبقہ مجیدیہ کی اعلیٰ حمائل
زیبِ تن کئے ہوئے تھا۔ اس کھلی جگہ سے جو وسط میں تھی تخت کی طرف بڑھا۔ جب وہ قریب
پہنچا۔ تو سلطان المعظم نے ایستادہ ہوکر اسکے سامنے سر جھکا دیا۔ اور شیخ الاسلام نے ہاتھ اٹھا کر
جلالت مآب کیلئے خیر و برکت کی دعا مانگی۔ تمام پاشاؤں نے بھی ساتھ ہی ہاتھ اٹھا لئے تھے۔ دعا سے
فارغ ہو کر شیخ الاسلام ایک طرف کو کھڑے ہوگئے۔ اور سلطان المعظم پھر تخت پر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں
کل دیگر علماء نے ایوان کے بیچوں بیچ آگے بڑھکر تسلیمات عرض کیں۔ سب کی پوشاکیں نہایت
چمکدار اور بیش قیمت تھیں۔ انکے جبے سیاہ۔ سبز۔ اودی اور نیلگوں ساٹن کے تھے۔ بعض کے
سفید رنگ کے تھے۔ اور اکثر تمغے اور نشان لگائے ہوئے تھے۔

آخری عالم کے سامنے سے گذرتے ہی جلالت مآب کسی کو کسی طرح کا اسلام کرنیکے بغیر کھڑے
ہوگئے۔ کل حاضرین پھر لب فرش تک جھک گئے۔ اور حضور ممدوح صرف غازی عثمان کو ساتھ لئے ہوئے

ہال سے باہر تشریف لیگئے۔ جو چشم زدن میں خالی ہوگیا۔ اور ہم سب کھانیکی میزوں پر ٹوٹ پڑے
کیونکہ گو ابھی صرف ۹ بجے تھے۔ مگر اکثر نے ۵ بجے کا ناشتہ کیا ہوا تھا۔ محل سے گھاٹ کو واپس
آنے کے وقت جہاں سفرائے دول کی دخانی کشتیاں انکے انتظار میں کھڑی تھیں۔ ہم بیشمار قہوہ خانوں
کے پاس سے گذرے۔ وہ سب کے سب پاشاؤں اور افسروں سے بھرے ہوئے تھے۔ جو دربار کی حاضرباشی
کی کوفت اور تکان کو پوری وردیاں پہنے ہوئے قہوہ اور سگرٹ پینے سے دور کر رہے تھے۔ صادق بک
نے اس دربار میں حاضر ہونا تھا۔ جو خاص محل ہمایوں کے متعلقین اور عہدہ داروں کیلئے علیحدہ ہی منعقد
ہوتا ہے۔ اسلئے وہ ہمسے ہال کے دروازہ سے رخصت ہوگیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ یہ دربار کس وقت
ہوگا؟ اسنے جواب دیا۔ "یہ بتانا محال ہے۔ جلالت مآب اب پھر استراحت فرمائینگے۔ اور یہ کوئی نہیں
کہہ سکتا۔ وہ کب بیدار ہونگے"۔

آسٹرین سفیر نے ہمیں اپنی کشتی میں بیٹھ جانیکے لئے کہا۔ اسے ہمنے بڑی خوشی سے منظور کر لیا
اور دس بجے سے تھوڑی دیر بعد تھراپیا پہنچ گئے۔ مگر باوجود اسقدر سویرے ہونیکے ہمیں
یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم بڑا لمبا سفر کرکے آئے ہیں۔

(۱۲) جدید عجائب گھر اور صیدان سے برآمدہ شدہ تعویزات قبور قدیمہ

ناظرین یہ سرخی دیکھکر کہیں خیال نکریں۔ کہ میں قسطنطنیہ کی گائیڈ بک[1] لکھنی یا مرے[2] اور بیڈیکر کی
تیار کردہ گائیڈ بکوں سے انتخاب و اقتباس دینے لگا ہوں۔ مرے کی تیار کردہ گائیڈ بک کا تازہ
ترین ایڈیشن عمدہ ہے۔ اور بیڈیکر کی کونسی گائیڈ بک ہے۔ جو ہر وقت مفید نہ پائی جائے۔ ان
کتابوں کے علاوہ قسطنطنیہ اور باسفرس کے چیدہ چیدہ منظروں کی عکسی تصویریں بھی
عام دستیاب ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص قسطنطنیہ کے فوٹوگرافر عبد اللہ نے باسفرس کی
شفاف ہوا میں اس بے نظیر شہر اور اسکے ملحقات کی جو بے شمار تصویریں اتاری ہیں صفائی
اور درستی میں کسی نویسندہ کی قلم۔ نہ کسی مصور کی پنسل ان کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تاہم جس امر کی میں
لوگوں کو ترغیب دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ خود قسطنطنیہ جاکر وہاں کے نظاروں کا بچشم خود
مزہ لیں۔ جس طرح کہ میں نے کیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی میری یہ بھی نصیحت ہے۔ کہ کسی شخص کو وہاں
پہنچنے سے پہلے کسی گائیڈ بک کا معائنہ کرنیکے بغیر اس شاندار شہر کے منظروں کی دیکھنے کی کوشش
نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ کسی کو وہاں پہنچکر باقاعدہ راہبر اور ترجمان کے بغیر خود بخود ان مقامات کیا

[1] گائیڈ بک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مسافروں کی آسانی اور رہنمائی کیلئے کسی ملک یا شہر کے دلچسپ سڑکوں اور قابل دید

رستہ معلوم کر لینے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ جن کے دیکھنے کا وہ مشتاق ہو۔ البتہ اس کو راہبر اور ترجمان کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لینا واجب ہے۔ یہ میری بڑی خوش قسمتی تھی۔ کہ مجھے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ترک (بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ عرب) راہبر کا کام دینے کیلئے مل گیا تھا۔ وہ یکے از یاوران سلطانی تھا۔ اور جلالت مآب نے اسے اس کام پر مامور فرما دیا تھا۔ کہ جبتک ہم قسطنطنیہ میں ٹھیریں۔ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ راہبری کے علاوہ وہ ہمکو ترجمان کا کام دینے کے قابل نہ تھا۔ بلکہ اسکی وردی کے طفیل جہاں جاتے تھے۔ ہمیں کوئی روک نہیں ہوتی تھی اور ہمیں ایسے خزانے بڑی خوشی سے دکھائے جاتے تھے۔ جو اول تو کسیکو نہیں یا شاذ و نادر کسیکو دکھائے جاتے ہیں۔ صادق بک (یعنی یاور موصوف) جرمن۔ فرنچ۔ ترکی۔ اور عربی بول سکتا تھا۔ اور برلن میں کچھ عرصہ رہ آیا تھا۔ وہ ہمارے ان جذبات اور خیالات کو جن خیالات سے کہ ہم اہالی یورپ مشرق کے باشندوں اور انکے اوضاع و اطوار کو دیکھتے ہیں بآسانی سمجھ سکتا۔ اور وہ باتیں ہمیں دکھا اور بتا سکتا تھا۔ جو کہ یورپینوں کیلئے خاص دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ وہ ترکی عہدہ دار اور ہر پہلو سے پورا محب وطن ترک تھا۔ وہ اپنے شہنشاہ کا سچا جان نثار تھا۔ اور اگر بوقت ضرورت اسکے اور نیز اپنے ملک اور اپنے مذہب کیلئے لڑنے اور جان قربان کرنیکو بالکل تیار۔ اس نے ہمکو ہر ایک ایسی چیز دکھائی۔ جو بے جا اور زائد تکلیف اور بغیر تردد کے دیکھی جا سکتی تھی۔ قسطنطنیہ کو تاریخی اور آثار قدیمہ کے لحاظ سے پوری پوری طرح سے دیکھنا میرے امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ میں اطباء کے حکم سے وہاں آرام کرنیکے لئے گیا تھا۔ اور اس لئے مجھے اسی پر قناعت کرنی پڑی۔ کہ قدیم یادگاروں اور کھنڈروں کے پاس سے جو بزبان حال مجھ سے تکلم کرتے تھے۔ رواروی گذر کر انکو ایک نظر دیکھ لوں اور انکے دیکھنے سے جو پرانے زمانہ کے واقعات دل و دماغ میں موجزن ہو جاتے تھے اور جنسے بعض پرانی عمارتیں میری نگاہ میں اس طرح منور ہو جاتی ہیں جیسے کہ گویا انہیں

(بقیہ صفحہ ۱۰۷)۔ عمارات وغیرہ کے حالات اور دیگر ایسے امور جن کا جاننا مسافر کو غیر ملک میں فائدہ بخش ہو درج ہوتے ہیں یورپ میں ایسی گائیڈ بکوں کی تیار کرنے اور بیچنے کے دو کارخانے بہت مشہور ہیں اول الذکر انگریزی ہے اور دوسرا جرمن ہے گو اسکی بہت بڑی شاخ انگلستان میں بھی ہے۔ مترجم

لہ مفروضہ مظالم کے دوران میں ایشیا کوچک کے صوبوں میں بالجبر مسلمان بنانیکے الزامات کی تحقیقات کیلئے پچھلے دنوں (یعنی سنہ ۹۶ء میں) جو کمیشن سلطان المعظم نے روانہ کی تھی صادق بک بھی اس کا ایک رکن تھا۔ مصنف

(کمیشن مذکور کے مفصل حالات کیلئے دیکھو رسالہ مفروضہ مظالم آرمینیا و دول ثلاثہ مترجم)

برقی روشنی کردی گئی ہے۔ انکے خفیہ خفیہ بیان کردہ قصوں کو گوش دل سے بغور سنتا ہوں۔

فی زمانہ ہر ایک اجنبی ذرا سی محنت سے قسطنطنیہ کی بڑی بڑی یادگاروں کا معائنہ کر سکتا ہے صرف وہاں کے محافظوں کو تھوڑی سی بخشیش دینی پڑتی ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط اور مبنی بر وہم ہے کہ جو سیاح مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں ترک ان کو غضبناک نگاہوں سے دیکھتے ہیں یہ درست ہے کہ وہ ان سیاحوں کو دیکھکر خوش نہیں ہوتے۔ اور انکو خوش آمدید نہیں کہتے۔ لیکن یہ امر صرف بزدل سیاحوں کا اپنا پیدا کردہ وہم اور ظن ہے۔ کہ وہ کل عیسائی کتوں کو قتل کرنیکے خواہشمند ہوتے ہیں بعض مقامات میں بیشک عیسائیوں کو جانیکی ممانعت ہے۔ اور اگر کوئی اجنبی لاعلمی یا غلبہ شوق تجسس کی وجہ سے وہاں چلا جائے۔ تو جو ترک اسجگہ موجود ہو اُسے صاف کہدیتا ہے کہ میں تمہاری اس حرکت کو پسند نہیں کرتا مگر یہ بات کا اسے کبھی شان وگمان بھی نہیں ہوتا۔ کہ اپنی اس ناپسندیدگی کو خنجر کے ذریعہ سے ظاہر کرے۔ ایسے بزدلوں یا اتہام لگانیوالوں کو معلوم ہے کہ اور شہروں کی طرح قسطنطنیہ میں بھی پولیس اور قانون موجود ہے۔ اور زمانہ سابق کی طرح مذہبی پُرجوشی اب وہاں کسی بیجا حرکت یا تشدد کیلئے کوئی وجہ معذوری اور بہانہ نہیں ہوسکتی۔ ایک ترک گاڑی والے نے ہمسے کچھ سخت کلامی کی تھی بر مجھے امید ہے کہ عمر بھر اس سے یہ خطا پھر دوبارہ سرزد نہ ہوگی۔ اور اسیوقت قید خانہ بھیجدیا گیا۔ اور اس کا لائسنس ضبط کر لیا گیا تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شہر میں کبھی کوئی سختی یا زیادتی نہ ہو۔ فرانس کے رجنوبی ساحل کے قصبہ) ایکوماٹے میں بھی (جہاں موسم بہار میں اکثر لوگ ممالک غیر سے قیام صحت اور دماغی آرام کے لئے جاتے ہیں) زیادتیاں وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں بھی آتی رہیں گی لیکن فرق یہ ہے کہ ٹرکی میں فرانس کی نسبت بھی ایسی زیادتیوں کی بہت زیادہ جلد سزا دیجاتی ہے

قسطنطنیہ کے ان نظاروں میں سے جن میں تھوڑے عرصہ سے عوام کو داخل ہونیکی اجازت ملی ہے اور اسوجہ سے اکثر لوگوں کو انکی ابھی چنداں خبر نہیں ہوئی۔ سب سے اہم اور مشہور اشیاء قدیمہ کا نیا عجائب گھر ہے۔ اسکے بیش بہا اور حیرت افزا خزینوں کے متعلق گائیڈ بکوں تک میں بھی ابھی تک کوئی مفصل ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اکثر سیاح اس کا نام تک سننے کے بغیر قسطنطنیہ الیس چلے جاتے ہیں۔

استنبول میں اشیاء قدیمہ کا عجائب گھر سالہاسال سے دراز سے قائم ہے مگر بہت کم لوگوں نے اسے دیکھنے

لے آرمینیوں کے ہنگامہ کے بعد بھی میری یہی رائے ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میری رائے جواب بھی درست ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے انکے مذہب کیوجہ سے نفرت نہیں کرتے۔ آرمینیوں سے جو ان کو نفرت ہے۔ وہ قومی اور سیاسی اسباب پر مبنی ہے۔ مصنف

کی تکلیف گوارا کی ہے۔ اور وہ اس قابل بہی نہ تہا۔ کہ کوئی ایسا مسافر جیسے اور بہت کام ہوں اُسی ضرور جا دیکہے
بجائے اسکے کہ اشیاءِ قدیمہ کو غیر ممالک کے لوگ اٹھا لیجائیں۔ یا وہ برباد ہوتی رہیں۔ ان کو جمع کرنیکا
خیال سب سے اول فتح احمد پاشا کو ہوا جسنے ۱۸۴۶ء میں چند پرانے سکے اور دیگر قدیم اشیا سینٹ آئیرین
کے گرجا میں جمع کیں۔ ۱۸۶۹ء میں صبحی پاشا نے جو کچھ عرصہ کے لئے وزیر معارف (سررشتۂ تعلیم) رہا تہا
اور خود بہی سکہ جات قدیمہ کا ماہر مبصر تہا۔ کل مجموعہ کو قدیم محلسرا کے اندر چینی لی کوشک میں
منتقل کر دیا۔ یہ کوشک قسطنطنیہ میں قدیم ترین اسلامی عمارتوں میں سے ہے۔ اسلامی فن تعمیر کے نمونہ کا
کام دینے کے لئے یہ کوشک نہایت ہی کارآمد ہے۔ بالخصوص چینی کی جو کہپریلیں دیواروں میں
لگی ہوئی ہیں۔ وہ صنعت و استادی میں نہایت ہی کامل ہیں۔ خیر یہ ذکر تو ضمناً تہا۔ کوشک
مذکور کے کمرے جلد پر ہو گئے اور پچہلے چند برسوں میں جبکہ حمدی بک اور دیگر اشخاص کی محنت اور
جد و جہد سے ٹرکی میں اشیاءِ قدیمہ کی تلاش کا ازسرنو شوق پیدا ہو گیا۔ تو ان نئی چیزوں کے لئے
جو بافراط دستیاب ہو گئی تہیں نئے بڑے بڑے کمرے بنانا ضروری ہو گیا۔ ترکی سرزمین صنعتی
خزائن کی کامل معدن ہے جس معدن کو ابہی تک بہت کم کہولا گیا ہے۔ اور جس سے ابتک زیادہ تر
ممالک غیر کے لوگ ہی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ شائق اشیاء قدیمہ شلیمن اور ان متعدد علمی مہموں کو
جو انگلش فرنچ اور جرمن گورنمنٹوں نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف حصوں کو روانہ کی تہیں۔
نادر اشیاء کے برآمد کرنے میں جو نمایاں کامیابی ہو چکی ہے۔ وہ ہم سب کو معلوم ہے اگر عثمانیہ گورنمنٹ
اس کام کو بہ نسبت حال زیادہ باقاعدگی سے اختیار کرے تو اسکی عجائب گہر بہت جلد یورپ کے
بہترین عجائب خانوں کی ہمسر بلکہ ان سے فائق ہو جائیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کا آغاز تو
ہو گیا ہے۔ اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ چنانچہ اس تہوڑے سے عرصہ ہی میں حمدی بک کی استقلال اور
موجودہ بیدار مغز فرمانروا عبدالحمید کی فیاضانہ سرپرستی اور امداد سے قسطنطنیہ میں ایک
ایسا نیا عجائب خانہ موجود ہو گیا ہے جس پر ایک ترک بجا طور پر فخر و مباہات کر سکتا ہے۔ اس عجائب خانہ
کو دلوری آفندی معمار نے چینی لی کوشک کے مقابل میں تعمیر کیا تہا۔ اور یہ زیادہ تر ان پرانی قبروں کے
ان شاندار تعویذوں کے لئے بنایا گیا تہا۔ جو ۱۸۸۷ء میں حمدی بک کو زمین کے نیچے سے دستیاب ہوئے
تہے۔ اس دستیابی کی فی الفور تمام یورپ میں دہاک بندہ گئی اور اس کے متعلق طرح طرح کی مبالغہ آمیز
حالات شائع کئے گئے۔ گو لکہنے والوں میں سے کسی نے ان تعویذوں کو جو حمدی بک نے بمقام سیدان[1] ریتے

[1] سیدان یا صیدا ملک شام کے ساحل پر دمشق سے پچیس میل بجانب مغرب تقریباً پچاس میل اور بیروت سے بجانب جنوب تخمیناً پچیس میل کے فاصلہ پر بحیرہ شام کے کنارہ پر واقع ہے۔ مترجم۔

نکالے تھے بچشم خود معائنہ نہیں کیا تھا۔ کئی لوگوں نے حمدی بک پر اعتراض کئے ہیں کہ اس نے ان بیش بہا
خزینوں کو اتنا عرصہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ مقفل رکھا۔ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہدیا کہ اسے یہ
چیزیں ٹرکی میں رکھنی واجب نہیں۔ اسے مناسب تھا کہ ان تعویذوں کو فی الفور یورپ کے کسی بڑے
عجائب گھر میں بھیجدیتا۔ ہر ایک کا یہی خیال تھا۔ کہ ٹرکی کو ان قدیم زمانہ کی اشیاء پر کوئی حق نہیں ہے
یہ لوگ اس امر کے مشکور ہونیکی بجائے کہ بارے ٹرکی میں بھی صنعت قدیمہ کا ایک سچا عاشق پیدا ہو گیا ہے
اور اسے سلطان المعظم کی فیاضانہ امداد اور ہمدردی حاصل ہو گئی ہے۔ الٹے یہ شکایتیں کرنے
لگ گئے۔ کہ ہیں ٹرکی۔ اور وہ ان چیزوں کو اپنا ملک ظاہر کرنیکی جرأت کرے۔ یہ بعض اس حد
تک بڑھا ہوا ہے۔ کہ اب اسوقت بھی جو پرانی صنعت کے نمونے ٹرکی قلمرو سے حاصل ہوں۔ ان کو
جائز یا ناجائز وسائل سے اٹھانے اور لیجانے کے لئے ہر ایک امر مباح اور جائز سمجھا جاتا ہے۔
حتی کہ حمدی بک نے ایسے بے اصول اور بے ایمان لوگوں کے ہاتھ سے تنگ آکر جو صنعت قدیمہ
کے نہایت ہی خوبصورت نمونوں کو زمین سے نکال کر بیدریغ ملک سے باہر بیچ ڈالتے تھے سلطان المعظم
کی خدمت میں عرض کر کے یہ حکم صادر کرا دیا۔ کہ اس قسم کی خرید و فروخت ناجائز اور سزا کی مستوجب ہے
کل ملکوں میں یہی قانون رائج ہے۔ وہاں کوئی اسکی شکایت نہیں کرتا۔ مگر ٹرکی میں اسکی رواج
کی نہ فقط شکایت ہی کی جاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات بظاہر علم اشیاء قدیمہ کے مفاد و بہتری کا بہانہ
کر کے اور دراصل ذاتی کمینہ اغراض کے لئے اسکی خلاف ورزی کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے
یہ ہے عیسائی اہل یورپ کی ایمانداری اور راست بازی کا۔ سلطان المعظم جب یہ دیکھتے ہونگے کہ
حمدی بک اور مقام سیدان اسکی محنت و تردد کی جو سرپرستی کی گئی ہے اس سے بے نظیر نتیجہ برآمد ہوا ہے
تو وہ اپنے دل میں بیشک بہت خوش ہوتے ہونگے۔ اسوقت بھی دنیا کا کوئی عجائب خانہ تعویذ ہا
قبور اور تدفینی یادگاروں کے معاملہ میں قسطنطنیہ کے جدید امپریل عجائب خانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا
اور ابھی آخر الذکر کے ذخیرہ میں بہت بڑا اضافہ ہونے کا پورا یقین ہے۔ باوجود عام خبر نہ ہونیکے
اب بھی یورپ کے اکثر حصوں کے شوقین طالب علم قسطنطنیہ کے عجائب گھر میں گھنٹوں تک صیدا کے
تعویذوں کو بنظر غور دیکھتے رہتے ہیں جب انکی عام شہرت ہو گئی۔ تو اس وقت اس علم کے شوقین سیاح
اس کثرت سے قسطنطنیہ پہنچا کرینگے۔ جس طرح سے کہ مقام پارتھینان کی مرمریں مورتوں کی
طفیل لندن کے برٹش عجائب گھر کو کھنچے چلے جاتے ہیں اور میلو کی مورت زہرہ کے گرد پیرس کے محل لوور میں
ہر وقت سینکڑوں آدمیوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ یہ تعویذ اول اول

محض اتفاقیہ برآمد ہوئے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں ایک شخص مسمی محمد شریف ایک قطعہ زمین کو جو موضع ہلیلہ کے قریب صیدا سے بجانب شمال مشرق تقریباً صرف ایک میل اور ساحل بحیرہ روم سے فقط چند سو گز کے فاصلہ پر اس کی ملکیت تھا۔ عمارتی مصالح کے لئے کھدوا رہا تھا۔ اس شخص کو معلوم نہیں تھا کہ جس زمین کو میں کھدوا رہا ہوں۔ وہ متبرک ہے۔ البتہ اس نواح میں یہ پرانی روایت چلی آتی تھی کہ قرب جوار کی زمین کسی زمانہ میں قبرستان تھی۔ فرانس کا رینان اسی قرب وجوار میں تلاش کرتا رہا تھا۔ اگر یہ بیش بہا عجوبات روزگار اسے ملجاتے اور محل لوور میں بادشاہ اشمونیصر کی قبر کے مشہور تعویز کے دوش بدوش جو ہلیلہ سے بجانب جنوب سوا میل کے فاصلہ پر مقام مغارات ایلوان سے دستیاب ہوا تھا۔ اور اب لوور کے کمال مشہور اور بیش قیمت عجائبات میں سے گنا جاتا ہے۔ رکھا جاتا۔ تو رینان اور فرانس کو اس کامیابی پر کیسی خوشی ہوتی۔ مگر یہ ان کی قسمت میں مقدر نہ تھا۔ حالانکہ اسی بادشاہ کے عین قدموں کے تلے اس کے باپ تابنیث شاہ صیداء کی بھی قبر کا تعویز تھا۔ اشمونظیر کا تعویز ڈیوک ڈی لاہنی مرحوم نے ۱۵ ہزار فرینک کو خریدا تھا۔ حمدی بک کو جو تعویز ملا وہ اشمونظیر کے باپ تابنیث کی قبر کا ہے۔ مگر اس سے رینان کو کوئی رشک ہوا۔ رشک و حسد اس کی ذات میں تھا ہی نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے سب سے اول ترکی فاضل کو اس کی خوش نصیبی پر مبارکباد دی تھی۔ ان میں سے ایک رینان تھا۔ اور جیسی سچی خوشی اس کو اس برآمدگی سے ہوئی کسی اور کو نہ ہوئی ہوگی۔ صرف تابنیث کا تابوت ہی ایسا ہے جس پر اب تک کوئی کتبہ ملا ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں۔ ایک مصر کے پرانے خط تصویر میں اور دوسرا اہالی فنیشیا کی قدیم زبان میں۔ مصری کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تابوت میں ابتداً ایک مصری جرنیل موسومہ پنفطاہ مدفون ہوا تھا۔ اور فنیشی کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے آخر میں تابنیث شاہ صیداء کا جسم مردہ بند کیا گیا۔ یہی نام لوور والے تابوت پر موجود ہے۔ اس پر اشمونظیر خود کو تابنیث اور امانش طورش کا بیٹا بتاتا ہے

اسی تابوت کے قریب ایک اور برآمد ہوا۔ جسے پہلے کسی نے کھولا یا لوٹا تھا۔ جب وہ کھولا گیا تو اس میں ایک طلائی کمربند۔ شاہی چکر یا ہالہ۔ بالوں کی ایک زلف۔ ہڈیاں۔ دانت اور ململ کی پٹیوں کے ٹکڑے پائے گئے۔ یہ تابوت سیاہ سنگ مرمر کا ہے۔ اور انسان کے جسم کا نقش اس پر نمودار ہے۔ جس سے اسے انسانی تابوت پکارا جاتا ہے۔ اور چونکہ اشمونظیر لوور والے تابوت پر خود کو تابنیث اور امانش طورش کا بیٹا لکھتا ہے۔ اور یہ تابوت

بھی چونکہ اسی غار میں سے برآمد ہوا ہے۔ اسلئے اغلب ہے کہ اس میں آنش طورش کا جسم مدفون تھا۔
اور یہ دانت وغیرہ اسی کے ہیں۔ یہ تابوت یا یوں کہو کہ وہ لوگ جو ان میں سب سے آخر دفن ہوئے
بقول بعض مورخین پانچویں صدی قبل مسیح اور بقول ہاس پیرو چوتھی صدی قبل مسیح میں
گذرے ہیں۔ حمدی بک کا بیان ہے۔ کہ اس زمین کو چھیلنے سے یہ برآمد ہوئے ہیں قبرستان
کہنا درست نہیں۔ اور اس کا یہ بیان ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ کیونکہ قدیم اہل فنیشیا کا
یہ وطیرہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے مردوں کو کسی خاص قبرستان کی حدود میں دفن کرنے کے
بجائے جہاں انہیں مرضی ہوتی تھی۔ دفن کر دیا کرتے تھے۔ تاہم جس موقع سے یہ تابوت نکلے
ہیں۔ وہ غالباً تدفین کیلئے بہت مناسب مقام سمجھا جاتا تھا۔ یہ تابوت ہیلہ سے برآمد
ہوئے ہیں۔ اور ہیلہ کی پہاڑی کے قریب باغ کے نام سے ہی جو بوستان المغارہ
(حجروں اور غاروں والا باغ) ہے متلاشیوں کو اس مقام کی طرف توجہ ہو جانی چاہئے
تھی۔ ۱۸۸۷ء کے شروع میں اسی موقع سے چند ایسی قبریں برآمد ہوئی تھیں حمدی بک کو
توقع ہے۔ کہ جب وہ ذرا زیادہ باقاعدگی کے ساتھ تلاش شروع کرنیکے قابل ہو جائینگے
تو انکو اس گرد نواح میں اور بھی تابوت دستیاب ہونگے۔ انکی اس توقع کے برآنے
کے بظاہر بہت کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ سردست ان کا بڑا کام یہ ہے۔ کہ اس معدن کو
جو ابھی کھولی ہے غارتگروں کے ہاتھ سے جو تجارت یا علمی ہوس کو پورا کرنیکے لئے
لوٹ مار سے باز نہیں آتے۔ محفوظ رکھیں جب ان تابوتوں کے برآمد ہونیکی خبر شائقین
اشیاء قدیمہ نے سنی تو طبعی طور پر انکے دیکھنے اور دریافت کنندہ کی قلم سے ان کی پوری
کیفیت معلوم کرنیکے لئے بیتاب ہونے لگ گئے۔ مگر بسا اوقات ایسی بے صبری اور
بے قراری نامعقولیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ۱۸۔ اپریل سے ۲۰ جون ۱۸۸۷ء تک
تو برابر کھدوائی کا کام ہوتا رہا۔ پھر جب یہ نو قیمتی تابوت صیدا سے قسطنطنیہ کو
باحتیاط تمام پہنچائے گئے۔ تو انکی درستی اور مرمت باقی رہتی تھی۔ کیونکہ گو فی الجملہ انکو
بہت بڑا نقصان نہ پہنچا تھا۔ پھر بھی حمدی بک نے حجروں میں سے کئی سو ٹکڑے جمع کئے
تھے۔ جنکو موقع بموقع اپنی اپنی جگہ پر لگانا ضروری تھا۔ پھر اس امر کی شکل ہو گئی تھی جب تک
کہ انکو نئے عجائب خانہ میں نہ رکھا جائے۔ انہیں عوام کو دکھانا مناسب نہ تھا۔ اور اس
نئے عجائب خانہ کی تعمیر پر بھی کچھ وقت صرف ہونا لازمی تھا۔ وہ تیار ہو گیا ہے۔ اور اب یہ

تابوت وہاں ہر ایک شخص دیکھ سکتا اور جس طرح چاہے اُن پر غور کر سکتا ہے۔ حمدی بک کی رپورٹ ۱۸۹۲ء سے شائع ہوتی شروع ہوئی۔ اور اسکے دو نمبر (حصے) شائع ہو چکے ہیں اور تیسرے کے عنقریب شائع ہو جانیکا اشتہار ہو چکا ہے۔ جب اس امر پر غور کیا جائے کہ ان نتائج کے مرتب کرنے پر کس قدر مشکلات عدیدہ کو ہٹانا پڑتا ہے۔ اور کہ قسطنطنیہ میں اس کام کیلئے جسکے واسطے برٹش میوزیم اور لودر میں باقاعدہ سٹاف موجود ہے کیسی تھوڑی مدد مل سکتی ہے۔ تو ہر ایک منصف مزاج تسلیم کر لیگا۔ کہ رپورٹ کی شائع کرنے میں کوئی بے جا توقف نہیں ہوا۔ دیگر ممالک کی طرح ٹرکی میں بھی مصنفین کو جبکہ وہ نہایت قیمتی کتابیں معہ تصاویر شائع کرنے چاہتے ہوں۔ بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ چنانچہ فرانس کا وزیر سررشتہ تعلیم کمال عزت واحترام کا مستحق ہے۔ کہ اسنے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں مصنف کو پوری پوری امداد دی۔ کیا کسی انگریزی وزیر کو بھی ایسا کرنیکی جرأت پڑتی ہے؟۔

حمدی بک کی تلاش وجستجو اور تصنیفات کا نتیجہ نہایت ہی اطمینان بخش ہے۔ آپنے ابھی تک صرف ۱۰ بڑے تہ خانوں کو جو زیر زمین مدفون تھے۔ کھولا ہے۔ اور ان میں سے آپ کو ۱۷ تابوت حاصل ہوئے ہیں۔ جن میں سے ۱۸ اوّل درجہ کے ہیں۔ ان تہ خانوں کے سب سے نچلے اور قدیم ترین حجرہ میں مصری تابوت تھا۔ جو دراصل ایک مصری جرنیل کی قبر تھا۔ مگر بعد میں تابنیت کو اسمیں دفن کیا گیا تھا وہ مربع حجرہ ہے جسمیں سات علیحدہ علیحدہ خانے تھے۔ پورے سترہ تعویز برآمد ہوئے۔

ناظرین کو خیال رہے کہ سب سے پہلے ایک بڑا درمیانی حجرہ برآمد ہوا تھا جس سے شمال مشرق۔ جنوب اور مغرب کی طرف حجرہ مذکور سے بڑے بڑے حجروں کو جو پتھر کے متعدد تابوتوں سے بھری ہوئے تھے۔ رستہ جاتا تھا۔ شمالی حجرہ میں دو تعویز ملے۔ اس کمرہ کو صاف کرتے وقت دو رستہ مشرق اور مغرب کو دو اور حجروں کو جاتے ہوئی پائے گئے۔ مشرق کی طرف کے حجرہ میں ایک معمولی سا تعویز تھا جسپر کسی طرح کا کوئی کام نہ تھا۔ مگر مغرب والے میں سفید سنگ مرمر کے چار نہایت ہی خوبصورت اور بیش بہا تابوت ... برے تعویز کے سرہانے والی طرف جسے حاکم صوبہ کا تعویز پکارا جاتا ہے ایک عجیب مرقع بنا ہوا ہے جسپر رنگ آمیزی کے نشان ابتک پائے جاتے ہیں ایک مرد سر پر مشرقی وضع کی پوشش رکھی ہوئے اور گھیرے دار جبہ پہنے ہوئے ہے۔ اسکے بائیں ہاتھ میں پیالہ ہے اور دائیں ہاتھ میں جام ہے جسمیں وہ ایک خاتون کی طرف جو اسکے سامنے کھڑی ہے لئے ہوئی ہے اور وہ اسمیں صراحی سے عرق ڈال

(۱) یہ رپورٹ فرنچ زبان میں ہے۔ اور پیرس کی کتب فروش ای لیرو سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

رہی ہے۔ خاتون مذکور کے پیچھے ایک اور عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ جو کہ سر کو اپنی پوشاک کے دامن سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ اور پیر مرد کی دائیں طرف ایک اور عورت کھڑی ہے۔ پائنتی کی طرف چار نو عمر مردوں کی تصویریں ہیں جو چھوٹے کوٹ پہنے اور ڈنڈے پکڑے ہوئے ہیں۔ تعویذ کی بڑی طرفوں میں سے ایک پر ایک بوڑھا آدمی تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ تاج اسکے سر پر ہے۔ اور عصائے شاہی دائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ وہ ایک چو اسپہ گاڑی کو جسپر ایک نوجوان جو اپنے چھوٹے کوٹ کو کمر سے باندھے ہوئے ہے۔ اور سر کو ہوا میں اڑتی ہوئی چادر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ سوار ہونے لگا ہے دیکھ رہا ہے۔ ایک غلام لاٹھی پر سہارا دیے کھڑا ہے۔ اور گھوڑوں کو جو ابھی چلنے والے ہیں تھامے ہوئے ہے۔ دوسرا نوکر ایک گھوڑے کو لگام سے پکڑے ہوئے ہے۔ تخت کے پیچھے بھی چند صورتیں ہیں جو نمایاں نہیں رہ گئیں دوسری بڑی طرف غالباً وہی پیر مرد گھوڑے پر سوار شیر ببر سے لڑائی کر رہا ہے ایک دوسرا سوار اسی شیر پر نیزہ سے حملہ کر رہا ہے۔ دائیں طرف ایک سوار جسکا آسن اکھڑ گیا ہے اپنے گھوڑے کی لگام کو چمٹا ہوا ہے۔ پیر مرد کی تصویر کے پیچھے ایک زخمی ہرن پڑا ہے اور ایک سوار اپنے گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان تصویروں کا مطلب بظاہر شاہوں کی بڑے بڑے مشاغل لڑائی اور شکار کو واضح کرنا ہے۔ مگر ممکن ہے اس پیر مرد کی جو تخت پر بیٹھا ہے اور جسپر اب حاکم صوبہ تصور کیا گیا ہے۔ اور نوجوانوں کی تصویروں سے جو لڑائی پر جانیکو تیار ہے ہومر[1] کی کسی داستان کا چربہ اتارنا مقصود ہو۔ اور غالباً یہ نوجوان ہیکٹر یا پیرس ہے جو شہر ٹرائے کی دیواروں کے سامنے جا کر لڑائی میں شریک ہونیکے لئے پریام سے رخصت ہو رہا ہے اور یہ مرقعے بھی اسی قسم کے ہوں جسطرح کہ جولیاشی کی سنگیں تصویریں ہیں۔ اور صرف یہ فرق رکھتے ہوں۔ کہ نسبتاً بڑے پیمانہ پر بنائے گئے ہیں۔ سرہانے کی طرف کے مرقع کی نسبت خیال ہے کہ اسمیں نزع کے وقت کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور وہ عورت جو پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہے

---

[1] ہومر زمانہ قدیم کا مشہور شاعر گذرا ہے اسکے مقام پیدائش اور سنہ ولادت وغیرہ کا پختہ حال معلوم نہیں غالباً آٹھویں اور نویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے۔ عام روایت ہے کہ وہ سمرنا کے قریب پیدا ہوا تھا۔ اور [illegible] تھا اُسے یونانی شعراء میں وہی درجہ حاصل ہے۔ جو فارسی شعراء میں فردوسی اور ہندی شعراء میں رامائن و مہابھارت کے مصنفین کو حاصل ہے۔ اسکی رزمیہ نظمیں سلاست زبان اور فصاحت و بلاغت میں قیامت تک یادگار رہیں گی۔ اسنے شہر ٹرائے کے محاصرہ اور لڑائی کا مفصل حال لکھا ہے [illegible] ایشیا کوچک میں مارمورا اور بحیرہ روم کے قریب واقع ہے۔ جو دو صدیوں سے کھنڈر پڑا ہے۔ مترجم

قریب المرگ پر مرد کی نوحہ خوانی کر رہی ہے۔

اس عجیب و غریب تعویز یا تابوت کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اسی سے بھی زیادہ عجیب تعویز دستیاب ہوگئے۔ اس کمرہ میں جو درمیانی حجرہ سے بجانب مشرق ہے سفید سنگ مرمر کے دو تابوت ملے۔ بائیں طرف والا تو سیدھا سادہ تھا۔ مگر دائیں طرف کا صنعت و دستکاری کا کامل نمونہ پایا گیا۔ اوپر حجرہ ایونین کے قدیم مندروں کی طرز کا ایک مسند بنا ہوا ہے اسکے ستون دار کمرہ میں اٹھارہ طاق ہیں۔ اور ہر ایک طاق میں ایک عورت یونانی لباس پہنے کھڑی ہے۔ لمبے ستون دھاری دار ہیں۔ اس مرقع پر بھی رنگ آمیزی کے نشان باقی ہیں اس کا نام تابوت نوحہ خواناں رکھا گیا ہے۔ مگر اسے دیکھکر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ تصویریں ایک ہی شخص کی ہیں جسکو رنج و غم اور نوحہ خوانی کی مختلف اوضاع میں دکھایا گیا ہے یا یہ تصویریں کسی خاص شخص کی نہیں۔ اور صرف رنج و اندوہ کے مختلف طریق اظہار کو ظاہر کر رہی ہیں یعنی آیا اس کو تابوت نوحہ خواناں پکارنا چاہیے یا کہ تابوت نوحہ خوانی۔ تابوت کا ڈھکنا مندر کی چھت کے مشابہ ہے۔ اور دونوں طرف سے ڈھالو ہے۔ اس کے دونوں سروں پر تراشی ہوئی مورتیں ہیں۔ اور کارنیس کے اوپر دونوں پہلوؤں پر جنازہ کے جلوس بنے ہوئے ہیں۔ جو بلندی میں تقریباً بیس انچ ہیں۔ تابوت کے اندر چند مردانی ہڈیاں اور سات کتوں کے سر پائے گئے انکے سوا اور کوئی چیز نہ پائی گئی جس سے مردہ کا نام یا درجہ معلوم ہوتا۔ ایسی ہی قیمتی چیزیں پہلے سے کسی نے نکال لی ہوئی تھیں۔ ابتک تابوت کے اندر کتوں کے سر موجود ہونے کی وجہ ظاہر کرنیکی کسی نے کوشش نہیں کی۔

تیسری طرف جنوبی حجرہ میں مزدوروں کو سفید مرمر کا ایک تابوت ملا جسکی شکل دیکھنے ہی معلوم ہوگیا۔ کہ وہ لیشین[1] ساخت کا ہے اور لیشین قبروں کی طرح جو برٹش میوزیم (عجائب خانہ) اور وائنا میں رکھی ہوئی ہیں یہ تابوت بھی چوبی عمارتوں کے نمونہ پر پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ڈھکنا چھت کا کام دے رہا ہے۔ جسکے دونوں سروں پر مثلث گوشے بنے ہوئے ہیں اس کی تصویروں کی طرز یونانی تابوتوں کی تصویروں سے زیادہ قدیم اور درشت ہے۔ مگر اس کے زیادہ قدیم ہونیکا نتیجہ نکالنا ممکن ہے۔ اسکی نسبت صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ پانچویں [illegible] تابوت کا زمانہ تھا پہلے کی ہیں۔ اور کہ تیسری صدی قبل مسیح سے

[1] [illegible] کا پرانا نام ہے۔ مترجم

جس میں نسبتاً زیادہ کابل یونانی تابوت تیار ہوئے تھے۔ بعد کی نہیں۔

لیکن سب سے اچنبھے کی چیز ابھی باقی ہے۔ مغربی طرف کے حجرہ میں ایک شاندار تابوت سفید سنگ مرمر کا معہ تین اور تابوتوں کے دستیاب ہوا۔ ان میں سے ہر ایک ایسا بیش قیمت ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی اشیاء قدیمہ کے متلاشی کو ملجاتا تو اسے مدت العمر کے لیئے فارغ البالی ہوجاتی۔ تابوت ۱۱ فٹ لمبا اور آٹھ انچ اونچا ہے۔ اور اسکا ڈھکنا تقریباً تین فٹ بلند ہے۔ اور اس کا نام سکندر[1] فلیقوس کا تابوت رکھا گیا ہے، اور غالباً عرصہ دراز تک اسی نام سے پکارا جاتا رہیگا۔ گو اس دعوی کی تائید میں ایک بھی ایسی دلیل نہیں پیش کی گئی جو بحث پر قایم رہ سکے۔ اسکی ایک طرف شکار کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور دوسری طرف لڑائی کا جو یونانیوں اور وحشیوں میں ہو رہی ہے۔ وحشیوں سے غالباً ایرانی مراد ہیں۔ یونانی برہنہ بدن یا تنگ دامن قمیصوں اور مقدونوی شکل کی خودنما ٹوپیوں سے اور ایرانی چست پاجاموں، کوٹوں سے جو سر اور ٹھوڑی کو بھی ڈھانپے ہوئے ہیں بآسانی تمیز ہو سکتے ہیں۔ گھوڑوں کے ساز سامان سے بھی بآسانی شناخت ہوسکتی ہے کہ یہ ایرانیوں کے ہیں۔ اور یہ یونانیوں کے۔

مجھے افسوس ہے کہ اس تابوت کو سکندر[2] اعظم کا تابوت کیوں ظاہر کیا گیا ہے بلحاظ صناعی و دستکاری وہ بیشک نہایت عجیب اور نادر شے ہے۔ مگر تاریخی شہادت قیاس مذکورہ کی صریح مخالف ہے زیادہ توضیح کی کچھ ضرورت نہ دیکھکر یہی بتانے پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ سکندر بابل میں فوت ہوا تھا۔ جہاں سے اسکی لاش پہلے مصر کے قدیم دارالخلافہ میمفس کو (جو قاہرہ سے بجانب جنوب ۱۰ میل کے فاصلہ پر اب ویران پڑا ہے مترجم) اور پھر سکندریہ کو پہنچائی گئی تھی اور روم میں قیصر آگسٹس نے اسکی قبر کو سکندریہ ہی میں دیکھا تھا۔ اور ابتک کسی شخص نے بیان نہیں کیا کہ اسنے سکندر کی قبر کسی اور جگہ دیکھی تھی۔ روایت ہے کہ کالی گولا[3] سکندر کے تابوت سے اسکی زرہ بکتر خود پہننے کیلئے اپنے ساتھ رومۃ الکبریٰ کو لے گیا تھا۔ اسوقت سکندر کی قبر سکندریہ میں تھی۔ اور کسی نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ صیدا میں بھی

---

[1] اس تابوت کاشاہزادی کو نگسان نے بھی عہد حکومت سلطان عبد الحمید میں فخریہ ذکر کیا ہے مترجم۔

[2] سکندر ۳۵۶ قبل مسیح بمقام پیلا پیدا ہوا۔ اور ۳۲۳ء قبل مسیح بمقام بابل فوت ہوا مترجم [3] قیصر کالی گولا ۱۲ عیسوی میں پیدا ہوا اور ۴۱ء میں فوت ہوا۔ چار برس کی حکومت کے بعد رعایا کے ہاتھ سے جو اسکے جبر و ستم سے تنگ آگئی تھی ہلاک ہوا۔ وہ اول درجہ کا بدمعاش، ظالم، اور بدطینت تھا۔ علانیہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ سیاہ کاری کرتا تھا۔ اور رعایا کی مصیبتوں پر بہت خوش ہوا کرتا تھا۔ اسکا بیان تھا کہ کاش کہ قوم کا ایک سر ہوتا اور میں اسے ایک وار سے قلم کر دیتا۔ اسنے شراب خانے اور زناخانے بکثرت قایم کیئے اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی۔ مترجم

تابوت پر ایک سوار کی شکل ہے جسکے سر پر شیر کی کھال پڑی ہے اسے اسبات کا یقینی ثبوت سمجھا گیا ہے کہ یہ تصویر سکندر کی ہے۔ مگر سکندر ہی ایک ایسا بادشاہ نہیں جسکے سر کی پوشاک شیر کی کہال بنائی گئی ہے علاوہ بریں اگر اس تابوت کی نسبت یہی فرض کر لیا جائے۔ کہ وہ سکندر کیلئے بنایا گیا تہا۔ تو کیا کوئی مصور اور دستکار جسکی عقل بجا ہو بادشاہ کو مرقع کے ایک کونہ میں بناتا اور اسکی تمیز کے لئے کوئی نشان شاہی نہ دیتا۔ مزید براں کیا وہ تابوت پر ایسے مرقعے نقش کرتا جن میں ایرانی مغلوب ہونیکی بجائے فاتح دکھائی دیتے ہوں۔ اسکو کلائی ٹس[1] کا تابوت کہنا بہی اسیطرح بالکل بے بنیاد ہے اخبارات میں سکندریہ اور (مصر کی مشہور حسین عشوہ فروش ملکہ) کلیوپٹرا کی اصلی قبر دفن کی برآمد ہونیکی جو خبر شائع ہوئی تہی۔ وہ محض اخباری دھوکا تہا۔ سکندریہ میں اسکی نسبت کسی کو علم نہیں اسبات کا مجہے ہز ایکسیلنسی طغرانی پاشا نے بزبان خود یقین دلایا تہا۔ پس ان دعوؤں کی بجائے خفیف سی لاعلمی یا لا آدریائی سے کیوں کام نہیں لیا جاتا۔ اور تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کہ تابنیث والد الشیمو نسطرٹ شہ صیدا کے سوا ابتک ان لوگوں کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ جو اس اور دیگر خوبصورت تابوتوں میں مدفون تہے۔ سردست انکی نسبت یہی تسلیم کرنا کافی ہے۔ کہ ہر ایک تابوت اپنی اپنی طرز میں کمال خوبصورت اور تاریخی پہلو سے نہایت دلچسپ ہے۔

لیکن اسبارہ میں بہی بہت احتیاط درکار ہے۔ ان یادگاروں کو اگرچہ وہ ایک ہی جگہ سے برآمد ہوئی ہیں۔ ایک ہی زمانہ کی یا مقام مذکور کے فنیشی باشندوں کی دستکاری کے نمونے نہیں سمجہنا چاہیئے۔ شاہ تابنیث کے مصری تابوت سے ثابت ہورہا ہے کہ فنیشیا کے متمول شہزادے اور تجار اپنے تابوت مصر اور دیگر ممالک سے خرید کیا کرتے تہے۔ خواہ وہ تابوت پہلے استعمال میں ہی آچکے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی جگہ سے مصر۔ یونان۔ لیسیا کی صنعت وساخت کی یادگاریں برآمد ہوئی ہیں۔ یونانی دستکاری کے نمونے اپنی قسم کی نہایت کامل صنعتیں ہیں۔ گو وہ ایسے زمانہ کی نہیں ہیں جبکہ یونان میں فنون وصنعت معراج پر پہنچے ہوئے تہے۔ تابوت موسومہ نوحہ خوان کو پہلی نظر دیکہنے پر جسپر ایک نوحہ خوان عورت

[1] سکندر اعظم کا دوست اور برادر رضاعی تہا۔ جسنے ایک لڑائی میں سکندر کی جان بچائی تہی۔ مگر ایک دفعہ مے نوشی کے جلسے میں جبکہ سکندر مخمور تہا۔ اسبات سے بگڑ کر کہ کلائی ٹس نے فیلقوس کے کارناموں کو بیٹے کے کارناموں پر ترجیح دی۔ برچہی مار کر ہلاک کر دیا بعد ہوش آنے پر سکندر کو اسکا سخت رنج ہوا۔ اور کئی دن تک کہانا پینا ترک کر دیا۔ ۳۵۶ قبل مسیح میں پیدا اور ۳۲۸ قبل مسیح میں فوت ہوا ۱۲ مترجم

رنج وغم کے مختلف اوضاع میں دکھائی گئی ہے انسان پر بیٹک رقت طاری ہوجاتی ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد یہ کیفیت نہیں رہ جاتی۔ اور معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ مصور کی قوت متخیلہ کوئی اعلیٰ درجہ کی نہیں تھی۔ اس تابوت کی نقش ونگار میں ایسی سادگی نہیں جو اس سے پرانے زمانہ کی تابوتوں کے مرقعوں میں پائی جاتی ہے۔ آخرالذکر قسم کی ایک تابوت پر یہ حسرت افزا اور موثر مرقع ہے کہ قریب المرگ آخری دفعہ بیوی اور بچوں سے مصافحہ کرتا اور اپنی کتے کی طرف یاس بھری نگاہ تاک رہا ہے۔ تابوت نوحہ خواناں میں ایک ہی عورت مختلف پیرایوں میں جو انسان کی قیاس میں آسکتی ہیں۔ دکھائی گئی ہے۔ اور اسکی صورت سے یہ ٹپکتا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ زبان حال سے ناظر کو کہہ رہی ہے " دیکھو میں کس طرح چلا رہی ہوں۔ اور نوحہ کر رہی ہوں "۔ اس حرمان نصیب عورت کے تمام آنسو اور اوضاع و انداز اس حسرت بھری نگاہ کے سامنے جس سے متوفی اپنے وفادار کتے کو اور کتا اپنے آقا کو دیکھ رہا کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ ان نگاہوں میں ایسا جادو ہے جو انسان کو بے قابو کئے دیتا ہے۔

سکندر کا مفروضہ تابوت اسی شکل اور قطع کا ہے جیساکہ فکر کا تابوت۔ البتہ یہ فرق ہے کہ وہ آخرالذکر سے جسے میں نے وانا میں دیکھا تھا۔ نسبتاً بہتر حالت میں ہے۔ لیکن تصویروں کی اس قدر بھرمار ہے۔ کہ وہ سادگی اور صوفیانہ جلال وتمکنت جو یونان کی اعلیٰ درجہ کی دستکاری میں پایا جاتا ہے نہیں رہ گئی۔ وہ سکندر اور سکندر کے زمانے سے بعد کی ساخت معلوم ہوتی ہے اس میں رقت انگیزی اور نازک خیالی تو موجود ہے۔ لیکن یونان کی بہترین سنگین صورتوں کی سی جلال آمیز سادگی مفقود ہے۔ یہ تابوت لیسین صنعت کاری کا شاندار نمونہ ہے۔ اور ان لیسی تابوتوں سے جو برٹش عجائب خانہ میں ہیں تکمیل وآرائش میں بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ تابوت حاکم صوبہ اول اول تو نامکمل سا اور کسی قدر بیدا معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑی سے غور کر بعد اسکی خوبیاں ایسی عیاں ہوجاتی ہیں۔ کہ سب سے بڑھکر وہی یونانی بت تراشی کے لگ بھگ پایا جاتا ہے۔ ان نوبرآمدشدہ عجائبات کی طرف انگریز شائقین آثار قدیمہ نے ابتک کوئی توجہ نہیں کی میرا خیال ہے۔ کہ ان کا اب پہلی مرتبہ (یعنی میری قلم سے) انگریزی رسالہ[1] میں اب ذکر ہوا ہے۔ جسے فی الواقع تذکرہ کہا جاسکتا ہے۔ اب یہ ان لوگوں کا کام ہے۔ جو یونانی بت تراشی کے شوقین ہیں کہ روانگی کی تاریخیں مقرر کرکے قسطنطنیہ پہنچیں اور وہاں بچشم خود معاینہ کرکے ان تابوتوں کی

[1] یہ خط پروفیسر مکس ملر نے پہلے لندن کی رسالہ "نیو ریویو" میں شائع کیا تھا۔ مترجم

نسبت اپنی رائے قایم کریں - لیکن یہ میں پہلے سے کہے دیتا ہوں - کہ ان مبصروں کی قطعی رائے خواہ کچھ قرار پائے - ان میں سے ہر ایک اس برآمدگی کی عظمت کو تسلیم اور حمدی بک کے استقلال کا جسے ہر طرف سے بیشمار مشکلات احاطہ کئے ہوئے تھیں - مگر آخر وہ سب پر غالباً آگیا - اعتراف کریگا - یہ تابوت خواہ کن لوگوں کے ہوں - اسمیں کلام نہیں کہ ان سے اول ترکی مبصر آثار قدیمہ یعنی حمدی بک اور اسکے بیدار مغز مربی سلطان عبدالحمید کا نام نامی ہمیشہ کے لئے علمی دنیا کی لوح پر ثبت ہو گیا ہے -

نئے عجائب خانہ کی پہلی منزل کے فرش پر اور بھی کئی یادگاریں رکھی ہوئی ہیں جن میں سے اکثر قبروں اور تابوتوں کے متعلق ہیں - کئی ابھی باہر پڑی ہیں - کہ جوں جوں گنجائش نکلتی آئے اندر رکھی جائیں - ان میں سے ایک قدیم لیسین قبر ہے - دوسری منزل میں وہ عجائبات قدیمہ ہیں جو شلیمن اور دیگر متلاشیوں نے ترکی گورنمنٹ کی نذر کئے تھے - ان میں کئی قدیم بابلی - اشوری اور مفروضہ ہٹی طرز املا کے کتبے ہیں - یہ جسوقت سلیقہ وار رکھے گئے - اور ہر ایک پر باقاعدہ چٹیں لگ گئیں - تو اس فن کے مبصروں کو اس سے بہت مدد ملیگی - ان تمام نوادرات کو ہر شخص معائنہ کر سکتا ہے - اور جو شوقین بغرض استفادہ انکو دیکھنے جائے حمدی بک اور اس کا بھائی دونوں اسکی سچی ترکی خوش اخلاقی سے تواضع اور اسکو علمی تلاش و مطالعہ میں پوری امداد دینے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں*

مرقومہ پروفیسر ایف میکس مولر

۱۳ - بروصہ

ہمیں بروصہ دیکھنے کا بڑا شوق تھا - مگر قسطنطنیہ میں ہمیں اتنی چیزیں دیکھنے اور اس قدر کام کرنے پڑے کہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں جاکر ہمکو اس شوق کو پورا کرنے کی فرصت ملی - خوش نصیبی سے صادق بک ہمارے ساتھ تھا جسکی طفیل ہمیں اس تفریحی سیاحت میں کوئی تکلیف نہ پہنچی - محل سرایوں کے پادری کی شکل دیکھتے ہی تمام مشکلیں حل ہو جاتی تھیں - البتہ بروصہ کے اس ہوٹل میں بھی جو بہترین سمجھا جاتا تھا - وہ ہماری آرائش کا عمدہ انتظام نہ کر سکا - وہاں کی ہر ایک چیز بالخصوص غذا ناقص اور غلیظ تھی - صادق اس سیر کا ذکر سنکر بہت خوش ہوا - اور جب تک سلطان المعظم کی منظوری حاصل نہ ہوئی - بچوں الیسی بیقراری ظاہر کرتا رہا - چونکہ ہم

سلطانی یاور کے ہمراہ جاتا تھا۔ ہمنے کوئی "یول تذکرہ" یعنی دستخطی پروانۂ راہداری بروصہ
جانے کے لئے نہ منگوایا۔ لیکن جب ہم نو بجے کے وقت جہاز پر سوار ہونے کو گھاٹ پر پہنچے
تو صادق ابھی نہیں آیا ہوا تھا۔ اور ادھر ہمارے پاس کوئی پروانہ نہ تھا۔ جسپر جہاز میں سوار ہونے
میں کسی قدر دقت درپیش آئی۔ مگر جسوقت ہمارے لڑکے نے افسران گھاٹ کو یقین دلادیا
کہ ہم انگلش سرادر سفارت انگلشیہ کے متعلقین میں سے ہیں تو ہم کو جہاز پر جانیکی اجازت
دیگئی۔ جہازی سفر میں چار گھنٹے صرف ہوئے۔ دن نہایت صاف اور مزیدار تھا۔ گرمی کچھ زیادہ
نہ تھی۔ چنانچہ بحری سفر میں بڑی کیفیت رہی۔ ہمنے موودانیہ کو جانا تھا۔ یہ چھوٹا سا قصبہ
اسی نام کی ایک خلیج کے ساحل پر جو بحیرۂ مارمرا سے خشکی کے اندر کو چلی جاتی ہے واقع
ہے۔ بحیرۂ مذکور میں اسی طرح کی کئی خلیجیں ہیں۔ سب سے بڑی خلیج اسمد ہے جسکے دہانہ پر
جزائر شہزادگان واقع ہیں خلیج موودانیہ میں داخل ہونے پر مسافر کو سب سے اول پہاڑیوں کی
ڈھلاؤ اور دامنوں کا گھنا سبزہ زار نظر آتا ہے۔ پہاڑیاں بعض بعض مقامات پر لب آب سے
ہی سیدھی اٹھ رہی ہیں اس سبزہ زار کے ساتھ ہی دور فاصلہ پر کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیاں
بھی دکھائی دیتی ہیں ہم دوپہر کا کھانا جہاز پر ساتھ لیگئے تھے کیونکہ ایسے سٹیمروں میں قہوہ کے
سوا دیگر سامان کی عمدگی کا یقین نہیں ہوتا۔ صادق بیگ نے مسافروں میں ہمیں ایک عجیب آدمی
دکھا کر کہا کہ وہ ایک طرح کا شعبدہ باز اور نقال ہے۔ قسطنطنیہ میں اسے سب جانتے ہیں
اور اکثر ترک لوگ اسے اپنے گھروں میں بلاکر اسکا تماشہ دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے اعضا اور چہرہ کو مروڑ
کر جسطرح کی شکل چاہے بنا سکتا ہے۔ کچھ عرصہ تک ہم اسے ایک چوہے کے ساتھ جو اسنے رومال
کا بنا کر اپنے بازو پر بٹھایا ہوا تھا۔ اسطرح سے کھیلتا دیکھتے رہے کہ گویا وہ چوہا فی الحقیقت
زندہ جانور ہے دوسرے دن بروصہ میں جب وہ ہمارے ہوٹل کے پاس سے گذرا تو ہم جھروکہ میں
بیٹھے ہوئے تھے اسنے ہمیں پہچان لیا۔ اور بازار میں کھڑا ہو کر ناچنے اور عجیب و
غریب شکلیں بنانے لگ گیا۔

موودانیہ پہنچنے پر ہم نے گھوڑے گاڑی پر بروصہ جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ٹرین کی روانگی
میں ابھی کچھ دیر تھی۔ گرمی بہت تیز ہوگئی تھی۔ ادھر ساحل سے کچھ دور جاکر ہمیں ایک ڈھلوان پنجر
گرد آلود سڑک پر چڑھنا پڑا۔ لیکن یہ غنیمت تھا کہ پچھلی طرف خوبصورت نظارے برلب
خلیج درختوں دھوپ میں چمکا رہے تھے۔ آخر جب ہم بلندی کی چوٹی کے قریب پہنچے تو نہ صرف

کے گھنے جھنڈوں کا سایہ آگیا- چوٹی سے گذرتے ہی بروصہ کا عجیب غریب میدان نظر آنے
لگ گیا- دریاء نیلوفر اسکے کنارہ کنارہ بہ رہا تہا- اولمپس کی برفانی چوٹیاں اسکی پشت پر
کھڑی تھیں اور بروصہ کی سفید فصیلیں مساجد اور مکانات کوہ مذکور کے دامن میں گھنی سبزی
میں سے چمک رہے تہے جتنی سبزی اس جگہ ہے- اسقدر کسی اور جگہ شاید ہی ہوگی یہاں کی ہوا ایسی صاف و
شفاف ہے- کہ ہمنے خیال کیا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں ہم منزل مقصود پر پہنچ جائینگے-
حالانکہ ہم ابہی تک نصف راہ کے پڑاؤ سے بہی بہت دور تہے- چوٹی سے نیلوفر کی ترائی
بڑی سیدہی ہے- آخر گرمی نے بہت ستا رکھا تہا- جب پڑاؤ آیا- تو ہمنے لاکھ لاکھ شکر کیا-
وہ شمشاد کے درختوں میں نالہ کے کنارہ پر بنا ہوا ہے- موسم سرما اور اوائل بہار میں یہ دریا بہت
زور سے بہتا ہے- یہانتک کہ بروصہ تک سڑک کی دونوں طرف کل اراضی زیر کاشت اور نہایت زرخیز
ہے- اُسی شام ہمنے شہر میں تہوڑی دیر سیر کی جسسے ہمیں معلوم ہو گیا- کہ وہ سلسلہ کوہ اولمپس کی تین
شاخوں پر آباد ہے- یہ عمیق گہاٹیاں جن پر اوپر نیچے دونوں جگہ پل بنے ہوئے ہیں- ان شاخوں
کو ایکدوسرے سے جدا کر رہی ہیں درمیانی آبادی شہر کا قدیم ترین حصہ ہے اسکے بلند ترین مقام پر
قلعہ بنا ہوا ہے عثمان و ارخان کی قبریں اور عثمانی سلاطین کا قدیم محل ہنوز ابہی اسی موقعہ پر ہیں
آبادی مذکور کے نشیبی حصہ میں کلاں مسجد اور بازار ہیں-

مشہور سبز مسجد اور محمد اول کی تربت جو بروصہ کا در مشہور شمار ہوتی ہے مشرقی شاخ میں ہیں جسے
گوق صو (آب نیلی) درمیانی شاخ سے جدا کرتا ہے واقع ہیں- مغربی شاخ "قبور سلاطین" کے
لئے مشہور ہے- بروصہ جسکا نام اسوقت پروسہ تہا- پہلے صوبہ بتھینیا کا دار الخلافہ تہا جسکو
آخری بتھینین بادشاہ نے رومن فاتحین کے حوالہ کر دیا تہا- پلینی خورد پروسہ کا گورنر تہا اسکے
زمانہ میں یہ بڑا آباد اور بارونق شہر تہا- اسوقت کئی گرم حمام- یونیورسٹی اور کتبخانہ وہاں
موجود تہے- سالہائے دراز تک کبہی اُسپر عیسائی اور کبہی مسلمان قابض رہتے تہے- آخر ۱۳۲۶ء
میں دوم عثمانی سلطان ارخان نے اسے قطعی طور پر فتح کر لیا- اور اسوقت سے وہ عثمانی
سلاطین کا مقام رہائش اور انکی سلطنت کا دار السلطنت بن گیا- درمیانی شاخ پر رومن عمارتوں
کے جابجا آثار باقی ہیں اور بائی زنطینی فصیل کے ٹکڑے کئی جگہ اب تک صحیح سالم کہڑے ہیں

دوسرے دن ہم علی الصباح بیدار ہو کر ہوٹل سے باہر نکل گئے کیونکہ بروصہ میں بیشمار
مسجدیں اور مقبرے ہیں اور وہاں کی نسبت عام مشہور ہے کہ سال بہر کے دنوں کے شمار برابر ایک ایک کیلئے جدا جدا

مسجد اور جدا جدا سیر گاہ ہی۔ کلاں مسجد ٹھیک مربع شکل کی ہی۔ اس کا نقشہ ابتدائی زمانہ کی مسجد
کے مطابق اور قسطنطنیہ کی مساجد سے بہت مختلف ہی۔ جو تقریباً سب کی سب ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔
مسجد کلاں کے پانچ دروازے ہیں صحن کے وسط میں ایک کٹ وہ میدان بے سقف
ہے تاکہ حوض پر دھوپ پڑتی رہے۔ منبر کے ماسوائے جسپر نہایت عمدہ نقش و نگار اور بیل بوٹے ہیں
باقی تمام مسجد قسطنطنیہ کی مسجدوں کے مقابلہ پر ہمیں بہت ہی سادہ نظر آئی۔ مگر جب سبز مسجد
میں داخل ہوئے تو ہم تعجب و حیرت سے دم بخود رہ گئے۔ اسے سنہ ۱۴۲۰ء میں سلطان محمد اول نے تعمیر
کرایا تھا۔ اندرونی دیواریں از سرتاپا پرانی وضع کی نہایت ہی خوبصورت مینا کاری اور پچی
کاری سے ڈھنپی ہوئی ہیں۔ جو زیادہ تر سبز رنگ کی ہیں۔ مسجد کا ایک پہلو اور دروازے
بیل بوٹے دار سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ پہلے اسکے دو مینارے بھی تھے۔ جنپر چوٹی سے لیکر پاؤں تک
پچی کاری تھی۔ سنہ ۱۸۵۵ء کے مہیب زلزلہ میں جس سے شہر کا حصہ منہدم اور ایک ہزار سے
زیادہ آدمی ہلاک ہوئے تھے گر گئے۔ اس مسجد کے سامنے بروصہ کی خوبصورت وادی دور تک پھیلی
چلی گئی ہے۔ اور اسکے قریب ہی سلطان محمد اول کا مقبرہ ہے۔ جو سارے شہر کا گوہر یکتا تصور
ہوتا ہے کسی زمانہ میں وہ اندر باہر دونوں طرف سے پچی کاری سے ڈھنپا ہوا تھا۔ بیرونی
پچی کاری متذکرہ بالا زلزلہ میں گر گئی جسکے عوض وافق پاشا نے سبز کھپریلیں لگا دیں۔
پاشا موصوف نے اپنے گورنری کے زمانہ میں شہر کی بہت کچھ رونق بڑھا دی تھی۔ اس مسجد کے اندرونی
حصہ کی پچی کاری کی جو زیادہ تر بیل بوٹوں کی شکل میں ہے۔ خوبصورتی کو بیان کرنا انسان
کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہے۔

وافق پاشا ہمارے سیر سے ماقبل کے سال سنہ ۱۸۹۳ء میں فوت ہوئے تھے۔ وہ نہایت بیدار مغز
اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ ہم نے انکے بے نظیر کتب خانہ کا روملی حصار میں معائنہ کیا تھا۔ جب ہم
ٹرکی میں تھے۔ اسوقت یہ کتب خانہ فروخت کیلئے رکھا ہوا تھا۔ صادق بک نے ہمارا اس
کتب خانہ کو دیکھنے کا انتظام کیا۔ اور ایک سہ پہر کو انکے ہمراہ جاکر روملی حصار[1] میں جہاز سے خشکی پر

[1] روملی حصار باسفورس کی تنگ ترین جگہ پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ کیخسرو شاہ ایران اسی موقع پر باسفورس کو عبور کر کے
یورپ میں داخل ہوا تھا۔ قلعہ مذکور محمد فاتح نے عین محاصرہ قسطنطنیہ سے پہلے تعمیر کروایا تھا۔ اسکی چار دیواری اس طرح
بنائی گئی ہے کہ اس سے عربی خط میں بانی کا نام (یعنی محمد [illegible]) بن گیا ہے۔ [illegible]
[illegible] خوبصورت [illegible] اس کی تعریف [illegible]

اترے۔ اور اس چھوڑے سے قصبہ کے ڈھلوان بازاروں پر چڑھنا شروع کیا۔ یہ بازار ایسے ڈھالدار ہیں کہ چلنے والوں کی آسانی کے لئے ان میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ وانق پاشا کے مکان کی چاردیواری ہمنے بلندی کی عین چوٹی پر پائی۔ ہمارے کھٹکھٹانے پر دیوار مذکور کا ایک دروازہ کھول دیا گیا اور اندر داخل ہونے پر ہمنے اپنے تئیں ایک باغ میں پایا۔ جیسے گلاب کے پھولوں کا انبار کہنا زیادہ سجا ہو سکتا ہے۔ کئی نوکر ہمارے استقبال کیلئے دست بستہ کھڑے تھے۔ ٹرکی میں ملازموں کے لئے کھڑا ہونیکا بھی درست اندازہ ہے۔ کنہہ اسکی یہ ہے کہ فی الفور معلوم ہو جاے کہ ان کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ہم کو مکان کی طرف لیگئے۔ مکان لمبا اور بلندی میں درمیانی تھا کتب خانہ اسکے سب سے بڑے کمرہ میں تھا جسکو اسکے مرحوم مالک نے بڑی احتیاط اور محنت سے جمع کیا تھا۔ اسمیں انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کی بہت سے نایاب پہلے اڈیشن تھے۔ جن میں سے اکثر پرانی مستند کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد گرامریں (قواعد) اور ڈکشنریاں (لغاتیں) اور چند بے نظیر قلمی نسخے بھی تھے۔ خوبصورت ظروف۔ چینی مینا کار کھپریلیں اور بہت سی دیگر عجائبات بھی کمرہ میں ادہر ادہر رکھی ہوئے تھے۔ سب چیزیں فروختنی تھیں۔ نوکروں نے ذکر کیا کہ ایک امریکن نے کل مجموعہ کیلئے بہت بڑی رقم پیش کی تھی۔ مگر وارثوں نے اسے منظور نہ کیا اور اب اچھا موقعہ ہاتھ سے کھو دیا۔ ہمارے چلے آنے سے بھی کئی مہینے بعد تک سلسلہ جاری رہا۔ اور تھوڑی تھوڑی کتابیں کرکے بیچی جاتی رہیں۔ اور جب بیشتر حصہ [illegible] کے بعد کل مجموعہ فروخت ہوا تو اسکا زر ثمن امریکن کی پیش کردہ سے بہت کم نکلا۔ ہمارے بیٹے نے بھی ایک نایاب کتاب بہت ہی سستے داموں پر خریدی۔ مگر اس قصبہ کو یہیں چھوڑ کر بروصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اس دن ہمنے صرف ایک مسجد یعنی بایزید اول کی مسجد اور مقبرہ دیکھا۔ یہ دونوں عمارتیں ایک ٹیلہ پر باقی سب عمارتوں سے علیحدہ یکہ و تنہا حالت کس مپرسی میں کھڑی ہیں۔ بایزید یلدرم (صاعقہ و برق) فاتح یونان۔ سرویا۔ و الیشیا و متعدد عظیم صوبجات ایشیا۔ تیمور شاہ مغلاں سے شکست کہانے اور اسکے ہاتھ اسیر ہونے سے بعد یہیں دفن ہوا تھا۔ کہاجاتا ہے کہ تیمور تقریباً آٹھ مہینوں تک بایزید کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا رہا۔ حتی کہ وہ دلی رنج و اندوہ سے فوت ہوگیا اور اسکی لاش بروصہ کو بھیجدی گئی۔ عثمانی فرمانروائیوں میں سب سے اول بایزید نے ہی سلطان کا لقب اختیار کیا تھا۔

اس مسجد و مقبرہ کے معائنہ کے وقت تک گرمی تیز ہوتے ہوتے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔

صادق نے مسقّف بازاروں میں پناہ لے لینے کا مشورہ دیا۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور وہاں کوٹاہیہ[1]
کے ظروف گلی کے چند دلفریب نمونے معاینہ کئے۔ ان برتنوں کا رنگ روغن نہایت ہی خوبصورت
ہوتا ہے۔ اسے دیکھکر طبیعت بے اختیار للچا جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اس قدر نازک ہوتے ہیں
کہ ہمنے زیادہ خریدنے مناسب نہ سمجھے۔ میں نے جو ایک خوبصورت گلدان خریدا تھا۔ وہ ہوٹل
تک پہنچنے سے پہلے ہی چور چور ہو گیا۔ ہمنے بروصہ کے ریشمی کپڑے اور تولئے خرید کئے۔ وہاں
کے تولئے بہترین ترکی تولئے شمار ہوتے ہیں۔ صادق نے بھی اپنے ساتھی یاوروں اور دیگر دوستوں
کے لئے بہت سے چھوٹے چھوٹے تحفے تحائف خرید کئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس کے سوا
کوئی چارہ نہ دکھائی دیتا تھا۔ کہ سورج کی حدت کم ہونے تک ہلکی سے ہلکی پوشاک پہنے اپنے اپنے
کمروں میں آرام کرتے رہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے پر ہم گاڑی میں سوار ہو کر درمیانی قصبہ کے بالائی
حصہ کو گئے۔ اور قصبہ کے گرداگرد چکر کاٹکر اس طویل چبوترہ پر پہنچ گئے۔ جسے واثق پاشا
نے بنوایا تھا۔ وہاں کے متعدد دلفریب نظارے ہوتے ہیں۔ پائیں میں شہر بلند شمشاد و سرو
اور دیگر بیشمار اقسام کے درختوں کی سبزی سے گھرا ہوا دائیں بائیں پھیلتا چلا گیا ہے۔
اور شہر سے پرے بروصہ کی زرخیز وادی دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

عثمان اور اسکے فرزند ارخان فاتح بروصہ کے مقبرے اس چبوترے کے عقب میں ہیں
واثق نے انکی بھی مرمت کرائی تھی۔ وہ چشم سیاہ دبیز والے سفید سنگ مرمر کے ہیں اور اندر سے استنبول کے
مقبروں کی طرح خوبصورت شالوں اور قالینوں سے آراستہ ہیں۔ عثمان کی دستار میں جو اسکی قبر کے
سرہانے آویزاں ہے طبقہ عثمانیہ کا (جسے ۱۸۶۲ء میں عبدالعزیز مرحوم نے قایم کیا تھا) مرصع
بالماس تمغہ لگا ہوا ہے۔ اور تمغہ کے ساتھ طبقہ مذکور کی اعلیٰ حمائل معہ ستارہ جو بڑے بڑے
ہیروں سے بنا ہوا ہے۔ لٹک رہی ہے۔ گو مقبرہ میں ہر وقت ایک چوکیدار موجود رہتا ہے رات کو
یہ نشان وحمائل بغرض حفاظت ایک مضبوط حجرہ میں جو زمین دوز ہے۔ بند کردیے جاتے ہیں ان
آرائشوں کا معاینہ کرتے ہوئے ہم نے صادق کو دیکھا کہ وہ چند قدم پرے ہٹ کر مودبانہ وضع سے کھڑا
ہو گیا۔ اور اپنے سلطان اعظم کی قبر کے پاس جو پہلا[2] عثمانیہ خلیفہ تھا کھڑا ہو کر دعا مانگتا رہا بعد ازاں

۱؎ ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ۱۲ مترجم ۲؎ یہ غلط ہے۔ عثمان ابوالسلاطین اور بانی خاندان عثمانیہ تھے
مگر خلیفہ نہ تھے۔ اول عثمانی خلیفہ سلطان سلیم اول ہوا ہے۔ زیادہ توضیح کے
لئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ ۱۲ مترجم

ہم مراد ثانی کے مقبرہ کو گئے جو سیدھی سادی گنبد دار عمارت ہے۔ اس میں وہ سلطان خواب عدم میں لیٹا ہوا ہے جس نے کئی خونخوار معرکوں میں ہنگری اور البانیہ کے جرنیلان اعظم ہنیاڈز اور سکندر بیگ کو شکستیں دی تھیں اور پھر تخت چھوڑ کر صوبہ میگنیشیا میں چلا گیا تھا۔ جہاں اس کی۱؎ باقی عمر عیش و عشرت میں بسر ہوئی۔ تاہم مرتے وقت ہر غریب آدمی کی طرح معمولی کچی قبر میں دفن کئے جانے کی وصیت کی جس کی تعمیل کی گئی مگر پھر بھی قبر کی سینہ کے گرداگرد سنگ مرمر لگا دیا گیا۔ اور تاکہ اس پر بارش اور شبنم پڑ سکے گنبد کو بیچ سے کھلا رہنے دیا گیا۔ یہ مقبرہ نہایت ہی پر فضا مقام پر شہر کے شور و شغب سے بالکل علیحدہ ہے۔ "قبور سلاطین" چار دیواری کی گھری ہوئی ہیں۔ ان کے گرداگرد گلاب کے چمن ہیں۔ اور شمشاد کے اتنے اتنے بڑے درخت ان پر سایہ ڈالے ہوئے ہیں کہ انگلستان میں بھی ہم نے شمشاد کا کوئی درخت نہیں دیکھا۔ قبریں تعداد میں آٹھ یا دس ہیں۔ اور معمولی اینٹوں یا پتھروں کی ہیں۔ لیکن بعض پر پرانی وضع کی خوشنما کھپریلیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک مراد ثانی کی عیسائی بیوی کی ہے۔ وہ سرویا کی شاہزادی تھی۔ اور سلاطین کی عیسائی بیویوں میں سے ایک ہی ایسی تھی جو اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مسلمان نہیں ہوئی تھی جو ترکی کی مشہور ... اس کی قبر بھی قسطنطنیہ میں کہیں تھی۔ ابتدا ہی میں اپنا مذہب کلیسا یونانی اختیار کر لیا تھا۔ قبور سلاطین کی چار دیواری میں کئی قبریں شعراء۔ فلاسفروں۔ اور درویشوں کی ہیں جو ابتدائے سلاطین کے درباروں میں بمقام بروصہ جمع رہتے تھے۔ شفق کے نمودار ہونے تک ہم اس خاموش اور پر تاثیر قبرستان میں ٹھیرے رہے۔ پھر ہوٹل واپس جا کر کھانے سے فراغت پا کے بعد باغ میں جا بیٹھے۔ اور صادق ایک پہاڑ کے پاس بیٹھا ہوا نارگیلہ پیتا رہا۔ اس کے مل جانے پر سگرٹ یا چرٹ کا نام نہیں لیتا تھا۔

دوسرے دن علی الصبح انگریزی قونصل ہماری ملاقات کو ہوٹل میں آیا۔ اور پھر ہم بازار میں گئے۔ بلکہ صبح کا سارا پہر ہم نے خرید و فروخت میں صرف کیا۔ صادق اس معاملہ میں بہت ہوشیار ثابت ہوا۔ وہ دوکاندار سے پہلے اس کے مذہب کی قسم دریافت کرتا کہ اس نے خود فلاں چیز کتنے کو خریدی

۱؎ مراد ثانی کا بحالت عزلت نشینی فوت ہونا درست نہیں۔ اس نے دو دفعہ بیشک تاج و تخت کو تیاگ کر اپنے فرزند محمد فاتح کو بادشاہ بنا دیا تھا۔ مگر دونوں دفعہ شاہزادہ کی صغر سنی سے مجبور ہو کر اسے عنان سلطنت پھر اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ اور مرتے وقت تک برابر حکمران رہا۔ مترجم

چشمہ سرائے میں بھی تھا - مگر اب اس کا نام و نشان تک معدوم ہو گیا ہے۔ صادق پاشا نے ذکر کیا
کہ پچھلے برس میری بیوی حمام کرنے کے لئے شکرگاہ آئی تھی۔ اسکی ماں ساتھ تھی جو اس چشمہ کو
دیکھ کر سخت حیران ہوتی تھی۔ مسجد ہم آہن اور گندھک کے مشہور چشموں کو دیکھنے کے
لئے موضع شکرگاہ کو گئے اور وہاں کی ایک سرائے کی سیر کی - گرمی کے مہینوں میں یہاں کی سرائیں
وجع مفاصل اور دیگر اعصابی بیماریوں کے مریضوں سے پُر ہو جاتی ہیں۔ ان میں نلوں کے ذریعہ سے
ان چشموں کا پانی لایا جاتا ہے۔ یہ پانی ایک طرح سے خالص گندھک اور آہن ہوتا ہے
بعض چشموں کا پانی فہرن ہائٹ تھرمامیٹر کے پیمانہ کے مطابق ۱۷۰ درجہ کی گرمی رکھتے
ہیں۔ غالباً شکرگاہ وہی جگہ ہے جہاں قیصر جسٹینین نے محل اور حمام بنوایا تھا - اور قیصرہ تھیوڈورا
چار ہزار آدمیوں کے جلوس میں اس حمام اور محل کو گئی تھی

ہم نے سب سے مشہور حمام کی سیر کی - یہ تقریباً ۳۵۰ برس ہوئے سلطان سلیمان اعظم کے
عہد میں تعمیر ہوا تھا جسکے نصف میں مردانہ حمام ہیں اور نصف میں زنانہ۔ کل عمارت پر نہایت
ہی خوبصورت و سبک طرز اور شوخ ترین رنگ کی نقاشی ہے۔ بیرونی کمرہ میں بدیع الجمال
ترکی خواتین ململ کے سفید رنگ برنگ کے تہ بند باندھے اور ریشمی اور سنہری روپہلی پوشاکیں
پہنے دیوانوں پر بیٹھی ہوئی ایک دوسری سے باتیں کر رہی اور ساتھ ہی سگرٹ پی رہی اور
قہوہ کی چسکیاں لگا رہی تھیں۔ دوسرے کمرہ میں کئی خواتین جو ابھی گرم حمام سے
باہر نکلی تھیں برہنہ تن بال بکھرائے نیم بانہا استراحت کر رہی تھیں۔ اس کمرہ اور خاص
حمام کے کمرہ میں اس قدر گرمی تھی کہ ہم چند لمحوں سے زیادہ وہاں نہ ٹھہر سکے۔ حمام
کے کمرہ میں بہت بڑا حوض ہے جس پر اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ اس گرم پانی میں عورتیں
ادھر ادھر تیرتی پھرتی تھیں اور انکی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں انکے جسموں کی چندھیا
دینے والی سفیدی کے مقابلہ پر عجیب پُر کشش کیفیت دکھا رہی تھیں - حماموں کی بائیں
میں اس جگہ جہاں نلکہ پانی گرتا ہے سبز لوہے کا اتنا بڑا انبار دیکھا کہ ضخیم چٹانی سی
پہاڑی معلوم ہوتا ہے۔ حمام سے نکلکر ہم گاڑی میں اس سڑک پر چڑھ گئے جسے پہاڑی
کے ڈھلاؤ پر واثق پاشا نے بنوایا تھا۔ اس سڑک سے دلفریب نظارے ہوتے ہیں
ہم تقریباً عین مغرب کی طرف جاکر آخر موضع ایلکا آیا پہنچ گئے۔ وہاں سے جھیل اپولونیا
کا جو موضع مذکور سے بہت نشیب میں ہے - اور نیز جنگل کا جو چاروں طرف کئی میلوں تک

چلا گیا ہے عجدہ نظارہ ہوتا ہے۔ اسکا آیا ہمیشہ کا ایک درخت ہے۔ جو پانچ آدمیوں کے گھیرے میں
نہیں آتا۔ ہم کچھ دیر اسکے نیچے بیٹھکر شہتوت کھاتے رہے۔ جو گاؤں سے لڑکے ہمارے لئے
لے آئے تھے۔ یہانتک میرا خاوند صرف صادق بک کے ساتھ اکیلا گاڑی پر گیا تھا۔ اس نے
بعد میں مجھ سے ذکر کیا۔ کہ صادق بک کے ساتھ اسکی اسلام اور عیسویت پر عجیب گفتگو ہوئی تھی
جس سے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ صادق قرآن شریف اور اپنے مذہب کے احکام سے پوری پوری
واقفیت اور خبر رکھتا ہے۔ اور اپنے پیغمبروں کا جان نثار معتقد ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی تعصب
کا نام تک نہیں جانتا۔

واپسی کے وقت بہی عمدہ تفریح ہوئی۔ پہلے ہم قونصل کے مکان پر گئے وہاں اس نے
کوہستانیہ کے طرف گلی کا بہت سا ذخیرہ جمع کر رکھا تہا۔ اسجگہ ہمنے اس قواص سے
جو قونصل کے ساتھ ملکر نوجوان انگریز مسٹر میکلن کی تلاش کر رہا تھا۔ بات چیت کی۔
مسٹر میکلن کوہ اولمپس پر گم ہوا تہا۔ اس واقعہ کے حالات اکثر لوگوں کو ابھی تک یاد ہوں گے
مختصر کیفیت یہ ہے۔ کہ مسٹر میکلن اور انگریزی سفارت کا مسٹر ہارڈنگ ملکر پہاڑ پر چڑہے
تہے۔ مگر تقریباً ایک گھنٹہ بعد چوٹی تک پہنچنے سے پہلے ہی دونوں جدا ہو گئے۔ کیونکہ
مسٹر ہارڈنگ زیادہ چست و چالاک ہونیکی وجہ سے مسٹر میکلن کی نسبت زیادہ جلد چڑھ
سکتا تہا۔ اسوقت سے بعد پھر میکلن کا پتہ نہ ملا۔ قونصل اور قواص دونوں کی رائے تہی کہ اسکو
وحشی البانوی گڈریوں نے جو پہاڑ کی چوٹیوں اور مرغزاروں پر اپنے ریوڑ چراتے رہتے ہیں قتل
کر دیا۔ اور جب ترکی گورنمنٹ نے تلاش شروع کی۔ تو نشان معدوم کرنیکے لئے اسکی لاش کو
جلا دیا۔ کل جستجو سے صرف ایک ذرا سا نشان ملا۔ قواص نے بتایا۔ کہ ایک جگہ مجہے بہت قدموں
کے کہوج دکھائی دیئے۔ جن سے ایسا معلوم ہوتا تہا۔ کہ چند آدمیوں میں یہاں دھینگا
مشتی ہوئی ہے۔ اس جگہ کو کہودنے سے مجہے چند انگریزی سکے دستیاب ہوئے۔ مگر جرم
گڈریوں پر ثابت نہ ہو سکا۔ اب آئندہ کیلئے لوگوں کو سوچ کر کوہ المپس پر چڑھنا چاہئے۔ ترکی
گورنمنٹ حفاظت کیلئے کوئی آدمی ساتھ نہیں دیتی مسٹر ہارڈنگ اور میکلن کے ساتھ کوئی راہبر
بہی نہ تہا۔ دوسری صبح ہم بروصہ سے ریل پر روانہ ہو گئے۔ ایک بلا چھت کی کھلی گاڑی ریزرو
کرا لی گئی تہی اسپر مکلف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اور اوپر سائبان پڑا ہوا تہا جس سے ہماری نظر چاروں
طرف کام کر سکتی تہی۔ راستہ بڑی عمدگی سے طے ہوا۔ کھیت لہلہا رہے تہے۔ اور دہقانوں کی

جھونپڑیاں جابجا بنی ہوئی تھیں۔ موودانیا کی طرف کی اترائی کے وقت رستہ زیتون انجیر انگور۔ اخروٹ۔ شاہ بلوط اور سفید شہتوت کے درختوں کے بیشمار جھنڈوں میں سے گذرتا تہا۔ شہتوت کے درخت ریشمی کیڑوں کی پرورش کیلئے لگائے جاتے ہیں۔ قونصل اور ریلوے لائن کا انجنیئر موودانیا تک ہمارے ساتھ آئے۔ وہاں انگریزی سفارت کا حفاظتی جہاز ہمارے انتظار میں کہڑا تہا۔ جہاز کا کپتان ہیگن معہ میم جہاز پر موجود تہا۔ اور ٹھیٹھ انگریزی طرز کا ناشتہ ہمارے لئے تیار کیا گیا ہوا تھا اس ناشتہ سے صادق بہت محظوظ ہوا۔ انگریزی جنگی جہاز دیکھنے سے بہی اسے بڑی خوشی ہوئی۔ واپسی کا بحری سفر بہی مزے سے طے ہوا۔ جہاں گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب لنگرزن ہوا۔ اور صادق بک وہیں سے سلطان المعظم کو ہماری واپسی اور اس امر کی اطلاع کرنے کے لئے کہ ہم اس سیاحت سے کمال محظوظ ہوئے ہیں۔ اور نیز ہماری طرف سے شکریہ عرض کرنے کے لئے سیدھا محل ہمایوں کو روانہ ہو گیا۔

(۱۴) امام حسنؓ و حسینؓ

دنیا میں بعض ایسی چیزیں ہیں کہ دیکھنے سے پہلے تو خیر وہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہی ہیں۔ مگر دیکھ لینے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں۔ یہ امر ہمیں قدیم زمانہ کی افسانہ نما روایتوں سے ہی نہیں بلکہ تاریخ سے بھی واضح ہے کہ بعض اوقات مذہبی خبط ایک قسم کی مجنونانہ وارفتگی ہو جاتا ہے۔ اور چشم دید معتبر شاہدوں کے بیان موجود ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو مذہبی دیوانگی کے جوش میں اپنے جسموں کو خوفناک اذیتیں اور ضربیں پہنچاتے اور دوسروں پر مظالم ناگفتہ بہ توڑتے دیکھا ہے۔ مگر بسا اوقات ان تذکروں کی پوری ماہیت پر غور کرنے کے بغیر ہم سرسری نظر سے انہیں عبور کر جاتے ہیں۔ اور دل میں خیال کر لیتے ہیں کہ وحشت کا جبلّی خاصہ ہی یہی ہے۔ اور اگر وہ تذکرے نسبتاً زیادہ مہذب اقوام کے متعلق ہوں۔ تو یہ قیاس کر لیتے ہیں۔ کہ ایسی حرکات بدمستی اور شراب کے نشہ کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔ مگر قسطنطنیہ کی موجودہ باشندوں کو کوئی شخص وحشی نہیں پکار سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نشہ آور چیزوں کا ہماری نسبت وہاں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ تاہم امامین حسنؓ و حسینؓ کے ماتم کے دنوں میں جو کچھ ہم نے وہاں مشاہدہ کیا۔ اور

جو ہر سال محرم کے پہلے دنوں میں وہاں ہر ایک شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اسپر اعتبار کرنا ایسا مشکل ہے۔ کہ انسان اسکی کیفیت بیان کرنیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بتا دینا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ ترکوں کا اس عجیب غریب طریق اظہار رنج و ماتم میں کوئی دخل نہیں بلکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن سلطان المعظم اس خیال سے کہ متعصب نہ گنے جائیں اس طریقہ کو بند کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ کام زیادہ تر ایرانیوں کا ہے۔

قسطنطنیہ کے ایرانی باشندوں نے ترکی حکومت میں ایک طرح کی خود اپنی حکومت قائم کر رکھی ہے۔ اور وہ ہر سال ان مذہبی مظالم کو مشاہدہ کرنیکے استحقاق سے ہرگز دست بردار نہیں ہونا چاہتے۔ ہمیں اس ماتم کو دیکھنے کے لئے ایرانی سفیر نے مدعو کیا تہا۔ چنانچہ ہم شام کے قریب ایک بڑی خان میں جو مربع شکل کی اور چاروں طرف سے دوکانوں اور مکانات سے گھری ہوئی ہے۔ جا پہنچے۔ وہ خلقت سے کھچا کھچ بھری ہوئی تہی۔ اسکے صحن میں درخت بہی موجود ہیں۔ تاریکی پڑنے پر مکانات میں چراغاں کی گئی۔ اور سرا میں بڑی بڑی مشعلیں روشن کی گئیں جنپر زیادہ تر مٹی کا تیل ڈالا جاتا تہا۔ مٹی کے تیل دھوئیں مسوریوں اور ان کے جسموں اور پسینوں کی بو سے کھلے میدان میں بھی ٹھیرنا سخت مشکل ہو رہا تہا تھوڑی دیر انتظار کرنیکے بعد باجے کی آواز سنائی دی۔ اور لوگوں نے ایک بڑے جلوس کیلئے راستہ کر دیا۔ اسمیں ایکہزار سے زیادہ مرد اور لڑکے تہے۔ جلوس کے آگے آگے سفید پوش اطفال تہے جن میں بعض گھوڑوں پر سوار تہے۔ اور بڑی عمر کے مرد پیچھے بیٹھے ان کو تھامے ہوئے تہے۔ یہ سب کے سب چیختے چلاتے اور روتے دھوتے طرح طرح کی حرکتیں کرتے جاتے تہے۔ اس جلوس کے بعد تین اور جماعتیں گذریں۔ سب کی قمیصیں سفید رنگ کی تہیں۔ بعض کے ہاتھ میں تلواریں اور دوسروں کے پاس لوہے کی بھاری بھاری زنجیریں تہیں۔ کل سر کے ساتھ باری باری یا حسین یا حسنؓ پکارتے جاتے تہے۔ پہلی جماعت یا حلقہ والے اپنی برہنہ چھاتیوں کو پہلے دائیں اور پہر بائیں ہاتھ سے پیٹ رہے تہے۔ دوسری جماعت اپنی زنجیروں کو ایک طرف سے دوسری طرف ہلاتی ہوئی اس طرح سے موزون حرکت کرتی ہوئی گذری جس طرح ہمارے ہاں ناچ میں ہوتی ہے تیسری جماعت دو لمبی قطاروں میں تہی۔ جو ایک دوسرے کے بالمقابل پہلو کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہر ایک نے بایاں ہاتھ اپنے ہمسایہ کے کمر میں ڈالا ہوا تہا۔ اور دائیں ہاتھ سے سب کے سب ایک ساتھ تلواریں ہلا رہے تہے۔ ان دونوں قطاروں کے بیچ میں بہت سے آدمی تہے۔ جو

امام حسن حسینؓ کی داستان پڑھتے جاتے تھے۔ یہ کل جلوس آہستہ آہستہ خان کی صحن کے گرداگرد چکر لگا کر پھر اسی دروازہ سے جس سے داخل ہوا تھا باہر نکل گیا۔

ہم حیران ہو رہے تھے۔ کہ جلوس میں تو کوئی ایسی بات نہیں دیکھی گئی جس سے کچھ خوف معلوم ہو پھر ہمیں کیوں کہا گیا تھا۔ کہ یہاں صرف مضبوط دل کے آدمیوں کو آنا چاہیئے۔ جلوس یہاں سے نکلکر جب تک کسی دوسرے خان کا چکر لگا تا رہا۔ ہم نے نہایت ہی مفرح چائے اپنی طبیعیں تازہ دم کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر باجے کی آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ وہ زیادہ بلند اور متوحش تھی۔ اور جو لوگ صحن میں موجود تھے۔ ان کے چہروں پر بھی جوں جوں جلوس خان کے قریب پہنچتا گیا سخت تحریک اور ہلچل کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے گئے۔ جلوس پھر سراء میں داخل ہو گیا مٹی کے تیل کی مشعلیں آگے آگے روشن تھیں مشعلوں کے بعد بدستور خورد سال لڑکے تھے انکے پیچھے ایک سفید گھوڑے پر دو فاختہ تھیں جن سے امام حسن حسینؓ کی روحیں مراد تھیں نا ئے۔ وائے اور حسن حسینؓ کے نعرے بتدریج زیادہ بلند ہوتے گئے۔ اور کئی تماشائی بھی نعروں میں شریک ہو گئے۔ پہلا حلقہ اس دفعہ اپنے برہنہ سینوں کو ایسی باقاعدگی اور اس زور سے پیٹتا ہوا گذرا۔ کہ یہی معلوم ہوتا تھا۔ بڑے بڑے ہتھوڑے سخت پتھر کے چٹانوں پر گر رہے ہیں۔ دوسری جماعت زنجیروں کو سروں پر سے اپنی پیٹھوں پر جواب ننگی تھیں۔ ایسی بیدردی سے مارتی ہوئی گذری۔ کہ گوشت پھٹ گیا تھا۔ اور خون کی دھاریں بہ رہی تھیں۔ سب سے آخر تلواروں والے آئے۔ وہ اپنے تمام جسم بالخصوص سروں پر سچ مچ تلواروں سے ضربیں لگا رہے تھے۔ خون ان کے بدن سے چاروں طرف اڑ رہا تھا۔ چنانچہ تماشائیوں کو ان چھینٹوں سے بچنے کے لئے کسیقدر پیچھے ہو جانا پڑا۔ اس حلقہ والوں کی سفید قمیصیں چشم زدن میں لہولہان ہو گئیں۔ سر بعینہ سرخ ترکی ٹوپی کے مشابہ ہو گئے اور فرش پر بھی خون جاری ہو گیا۔ مگر وہ بعالم خود رفتگی اس طرح بڑھے جا رہے تھے۔ جیسے پر بڈیہ فوج۔ زخموں سے تعجب ہے بے ہوش ہو کر بہت کم آدمی گرے۔ ایک ماتم کنندہ عین ہماری آنکھوں کے سامنے مردہ ہو کر گرا۔ آخرکار ایک طرح کی پولیس آگے بڑھی۔ سپاہیوں نے اپنے اپنے سونٹے ماتم کنندگان کے سروں کے اوپر پھیلا دیئے۔ تاکہ ضربیں سونٹوں پر پڑیں۔ اور کھوپریوں کا قیمہ ہو کر وہ مر ہی نہ جائیں کسی پر تشدد کوئی نہیں کیا جا رہا تھا۔ اور بدمستی و خمار کے آثار مطلقاً نہیں پائے جاتے تھے خلقت کا

بیحد ہجوم تہا۔ مگر بے ترتیبی کا نام نہیں تھا۔ ہم نے کئی معمّر کرخت رومردوں کو چلاتے۔ سخت اندوہ بھرے آنسو بہاتے اور بآوسرد امام حسنؓ اور حسینؓ کے نام پکارتے سُنا۔ یہ سب لوگ جہانتک کہ انکی ظاہری شکل شباہت سے قیاس ہو سکتا تہا۔ ادنی یا ادنی ترین لوگوں کے گروہ تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے اگر کسی سے رونے چلانے کا سبب پوچھا جاتا۔ تو غالبًا وہ " آہ حسن! آہ حسین" کے سوا اور کوئی جواب نہ دیسکتا تہا۔ یہ درست ہے کہ اس جلوس میں چند ایسے آدمی بھی تھے۔ جو امام حسن وحسین کے واقعات پڑھتے جاتے تہے۔ مگر ان کی طرف کوئی شخص متوجہ نہیں معلوم ہوتا تہا۔ بلکہ یہ کہ حسن حسین کے نعروں سے جو باقاعدگی کے ساتھ باری باری پکارے جارہے تہے۔ قصہ خوانوں کی آواز سُنائی ہی نہیں دیسکتی تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد گرمی اور مختلف ابخرات اور بدبوئیں ناقابل برداشت ہوگئیں ہمیں اندیشہ تہا۔ کہ انسانوں کے اس بحر متلاطم سے جو بسبب کے سب وحشیوں کی طرح حرکتیں کر رہے اور مہیب وخونخوار دکھائی دے رہے تہے۔ گزر کر سراء سے باہر جانا محال ہوگا۔ راستے بہت تنگ تہے۔ اور ہماری پارٹی میں کئی لیڈیاں بہی تھیں۔ مگر جونہی لوگوں کی نظر محل سلطانی کے یاور پر جو ہمارے ساتھ تہا پڑتی۔ تو وہ خود بخود ہمارے لئے رستہ کر دیتے۔ لندن میں ہزاروں پولیس والے بہی اس قدر جلد رستہ صاف نہ کرا سکتے جیسی جلدی ہمارے یاور اور چند قواصوں نے کردیا۔ جب ہمنے اس ہجوم کی باسلیقگی کی ایک ترکی دوست سے تعریف کی تو اسنے مسکرا کر کہا" بات یہ ہے کہ ہمارے اژدحاموں میں عورتیں نہیں تھیں ہم اہالیان مغرب کو جو دقتیں درپیش آتی ہیں۔ ان کے زیادہ حصّہ کا باعث ایشیائیوں کے نزدیک عورتوں کی موجودگی ہے۔ اور وہ اپنی یہ رائے بڑے وثوق کے ساتھہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جب تک ہم بہی عورتوں کو پردہ میں بند نہ کرینگے ہماری حالت کبھی درست نہ ہوگی۔

اس موقع پر اکثر ناظرین سوال کرینگے کہ یہ سینکڑوں ہزاروں آدمی کس لئے آنسو بہارہے اور حسن حسین پکار رہے تہے۔ اس کے متعلق تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے۔ کہ پنجم خلیفہ امام حسن فرزند فاطمہ زہرا، وحضرت علیؓ خلیفہ چہارم نے صرف چھ ماہ خلافت کی اور غالبًا بیوی کے زہر دے دینے سے فوت ہوگئے۔ اور امام حسینؓ کربلا کی لڑائی میں عبیداللہ

کی شامی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے سنہ ۶۸۰ء شہید ہوئے۔ سینکڑوں بادشاہ اور شہزادے بعینہٖ ویسے حالات کی موجودگی میں اس عالم سے رخصت ہوئے ہیں۔ مگر اب ان کے نام تک دنیا کو یاد نہیں۔ اور کوئی شخص ان پر آنسو نہیں بہاتا۔ امام حسن حسین پر ان آنسوؤں کے بہانیکی اصل وجہ بہت گہری ہے۔ اولاً یہ مذہبی ہے۔ باوجودیکہ حضرت سرورکائنات اپنی امت کو بار بار سناتے اور سمجھاتے رہے۔ کہ میں بھی محض تم سا بشر ہوں۔ مجھ میں اور تم میں بلحاظ بشریت کوئی فرق نہیں۔ تھوڑا زمانہ گذرا تھا۔ کہ لوگوں کا انکی نسبت یہ اعتقاد ہوگیا۔ کہ خداوند کریم نے ان کو سب چیزوں سے پہلے جبکہ ابھی آسمان و زمین۔ نور و ظلمت۔ آفتاب و ماہتاب یا بہشت و دوزخ بھی موجود نہیں ہوئے تھے۔ پیدا کیا تھا۔ آنحضرت کے وقت انکی اولاد میں سے فقط فاطمۃ الزہراؓ زوجہ حضرت علیؓ و مادر امام حسنؓ و حسینؓ زندہ تھیں۔ خوش اعتقادوں نے نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد جلد ہی ان چاروں کی پیدائش کو بھی ویسا ہی سمجھ لیا جیسی کہ آنحضرتؐ کی پیدائش سمجھی گئی تھی بنا بریں ان کا مقابلہ کرنا یا انہیں سے کسی کو قتل کرنا سخت گناہ کبیرہ شمار ہوتا تھا۔ ان کے رگ و پے میں حضرت کا خون تھا۔ اور اس مقدس خون کو بہانے سے بڑھکر کوئی سنگین جرم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ہے کنہ امام حسن و حسین سے مذہبی تعلق ہونیکی جو دونوں قتل کئے گئے تھے۔ حالانکہ ان کو حضرت سرور کائنات سے خاص قرابت تھی۔ علاوہ بریں ماہین کا واقعہ اس امر سے رقت انگیز بھی بہت ہو رہا ہے۔ کہ وہ دونوں بعالم جوانی شہید ہوئے اور قومی شعرا انکو بہت سے اوصاف کا جامع بناتے ہیں۔

ایران میں مرثیہ خوانی کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ جو قسطنطنیہ کے طریق ماتم سے بہت مختلف ہیں۔ سر لوئی اس پلی مرحوم نے کئی مرثیوں کا ترجمہ کیا تھا۔ ان مرثیوں میں امام حسن اور بالخصوص امام حسین کو قومی شہید اور ہیرو بنایا گیا ہے۔ اور دنیا میں کوئی خوبی نہیں جو انکی طرف منسوب نہ کی گئی ہو۔ آخری لڑائی سے جسمیں امام حسین شہید ہوئے۔ ایک دن پہلے بھی فریق مخالف نے جب ان کو اطاعت مان لینے کا پیغام بھیجا۔ تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔ رات کے وقت انکی ہمشیرہ روتی ہوئی آئیں اور کہا۔ "افسوس ہمارا خاندان برباد ہوگیا۔ میری ماں فوت ہوچکی ہیں اور نیز میرا والد علی اور میرا بھائی حسن۔ وائے بر بربادی گذشتہ۔ اور وائے بر بربادی آئندہ"۔ اس کے جواب میں امام حسین نے فرمایا۔

"دہن خدا پر بھروسہ رکھو اور یاد رکھو انسان مرنیکے لئے پیدا ہوا ہے - اور یہ زمین آسمان
بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے ہر ایک چیز سوائے خدا کی ذات کے جسنے اپنی قدرت سے ان کو
پیدا کیا - اور اپنی قدرت سے انکو معدوم کریگا - صفحۂ ہستی سے معدوم اور پھر اسی کے پاس
پلٹ جائیگی - میرا باپ میری ماں اور میرا بھائی مجھ سے بہتر تھے - انکے لئے اور ہمارے لئے
اور نیز کل مسلمانوں کیلئے رسول اللہؐ کی نظیر موجود ہے" - اس کے بعد امام ہمام نے اپنے
سپاہیوں کو کہا - تم چلے جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو - دشمنوں کو صرف میری ضرورت ہے - مگر ان
سب نے انکار کر دیا - کہ ہم آپکے ساتھ اپنی جانیں نثار کرینگے - پس امام گھوڑے پر سوار ہو گئے
قرآن شریف سامنے رکھ لیا - اور بآواز بلند پکارا" اے الہ العالمین - ہر مشکل میں تو ہی
میرا بھروسہ اور ہر مصیبت میں تو ہی میری امید ہے" حضرت کی ہمشیرہ اور لڑکی رونے
لگ گئیں - لیکن امام کا حوصلہ و استقلال برابر مضبوط رہا - اسیوقت دشمن کے چند سوار
ساتھیوں کو چھوڑ کر امام سے آملے - مگر پھر بھی امام کی فوج اعداء کی جمعیت کے مقابلہ پر کچھ
حقیقت نہیں رکھتی تھی - امام حسین کے سر کو زخم پہنچا - اور وہ اپنے خیمہ کو واپس آ گئے - خون
کی دھار زخم سے جاری تھی - وہ زمین پر بیٹھ گئے - اور اپنے معصوم لڑکے کو گود میں لے لیا
وہ حضرت کی گود میں ہی تھا - کہ تیر کے لگنے سے ملک بقا کو راہی ہو گیا - باپ نے اپنے بچے کی
لاش کو زمین پر رکھ کر باواز بلند کہا" اے الہ العالمین - مجھے ان مصیبتوں کو برداشت
کرنیکی طاقت بخش" پھر وہ پانی پینے کے لئے فرات کی طرف دوڑے - اعدا نے تیروں کی
بوچھاڑ کی جن میں سے ایک سے دہن مبارک زخمی ہو گیا - امام کھڑے ہو کر دعا میں مشغول
ہو گئے - خوردسال بھتیجا دوڑ کر چچا کو لپٹ گیا - اور اسکا ایک ہاتھ تلوار سے کٹ گیا - امام
یہ دیکھکر بڑھے اور کہا" پیارے بچے اس کا اجر تجھے اپنے آباؤ اجداد کے پاس بہشت
میں ملیگا" امام نے گو وہ سخت زخمی اور خون کے بہنے سے بیہوش ہو رہے تھے - اعداء پر
شیر کی طرح حملہ کیا - وہ جلد شہید ہو گئے - اور ان کی لاش دشمن کے گھوڑوں کی
ٹاپوں میں روندی گئی -

مندرجہ بالا واقعات تاریخی لحاظ سے ٹھیک ہوں یا نہ - اسمیں کوئی شک نہیں
کہ اگر سٹیج پر انکی نقل اتاری جائے - تو دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو
جلد ہی ہو جائیں - مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کے مشاہدہ کے بغیر ہی جس کو انسان

کے دل پر براہ راست اثر پڑ سکتا ہے۔ ان سینکڑوں درشت مزاج، اکھڑ اور وحشی خصال آدمیوں پر یہ خود رفتگی کس طرح اور کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے جسموں کو زدوکوب اور ضرباتِ شمشیر سے زخمی کر کے قریب المرگ ہو جاتے ہیں۔ اور ادہر ہزارہا دوسری مخلوق بے اختیار رو رہی ہوتی ہے۔ لیکن خواہ اس معمہ کو ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں یہ نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود تہا۔ اور اکثر سفارتوں کے متعلقین اسکے مشاہدہ کیلئے آئے ہوئے تہے۔ جن میں سے بہت تہوڑے ایسے تہے۔ جو اپنی پوشاکوں پر خون کے چھینٹے نہ لے کر واپس گھروں کو گئے ہوں۔

ان متذکرہ بالا وجوہات کے علاوہ جو مذہب اور انسانی رقیق القلبی پر مبنی ہیں۔ آنسوؤں کی نہ سہی کم از کم اس پرجوشی کی ایک اور بھی وجہ ہے۔ جو قومی اختلاف پر نہ سہی پولٹیکل امور پر ضرور مبنی ہے۔ وہ پولٹیکل (سیاسی) اس لحاظ سے ہے۔ کہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں سُنّی و شیعہ میں سے آخر الذکر آنحضرتؐ کی اولاد و علی رضؓ شوہر فاطمہ رضؓ اور انکے فرزندان حسن حسین کے سوا اور کسی جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ ابو بکر رضؓ عمر رضؓ اور عثمان رضؓ انکی نگاہوں میں غاصب تہے۔ اور اموی خلفا یعنی جانشینانِ معاویہ رضؓ تو جنہے ۶۶۱ء میں امام حسن سے خلافت لی تہی۔ بدرجہ اولی غاصب کنندہ ہے۔ یہ عناد شیعہ اور سنیوں میں اب تک دم تک موجود ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ کبھی اب بھی وہ معمولی ہنگاموں اور بلووں کے لئے ہی نہیں بلکہ اہم پولٹیکل مشکلات و مصائب کے واسطے کافی بہانہ بن جائے۔

اس پولٹیکل تفریق میں قومی اختلاف کا بھی کچھ دخل ہونا امکان میں داخل ہے۔ کیونکہ شیعہ زیادہ تر ایرانی یعنی آریا نسل کے اور سنی عرب یعنے سامی نسل کے ہیں۔ عربوں کا خاصہ ہے۔ کہ وہ رسم و رواج قواعد قانون اور شرع کے پابند باضابطہ ہوتے ہیں۔ برعکس اسکے ایرانی آزاد منش شاعرانہ مزاج اور فلسفیانہ طبیعت کے ہیں۔ عربوں نے گو ایرانیوں کو مغلوب کیا تہا۔ تاہم آخر الذکر عرصہ دراز تک دماغی تعلیم اور تربیت کے معاملہ میں اپنی فاتحین کی استاد اور معلم رہی ہے۔ قسطنطنیہ میں شیعہ[۱] سنی دوش بدوش

[۱] قسطنطنیہ میں تقریباً ساٹھ ہزار ایرانی آباد ہیں۔ اکثر دفاتر میں ملازم ہیں بعض تاجر ہیں اکثر حکمہ اور پیشے کرتے ہیں۔ اور بعض مزدوری سے حیات بسری کرتے ہیں۔ اور گو شہر کے مختلف حصوں میں بود و باش رکھتے ہیں مگر جہاں انکی بہت کثرت ہے۔ اس محلہ کو والدہ خانہ کہتے ہیں۔ ایام محرم میں زیادہ تر اسی محلہ میں ہوم دہام کی مجلسیں ہوتی ہیں اور نوحہ و بکا کا بازار گرم ہوتا ہے۔ مگر بیاسوز و تحت لفظ کا دستور بالکل نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے (از سفرنامہ مولوی شبلی)

اور بظاہر صلح و آشتی سے رہتے ہیں۔ مگر ایرانیوں کو رنجیدہ خاطر کرنا ہرگز مناسب نہیں وہ فی الفور
برسر فساد ہو جائیں۔ اگر انکو اس قسم کی ماتم سے روکا جائے۔ تو گو باقی تمام دنیا اس وحشیانہ دستور کی موقوفی کو
بہت پسند کرے۔ لیکن وہ اسے اپنی سخت دلآزاری سمجھیں۔ ہر ایک شاہدہ کنندہ جان سکتا ہے کہ جب ہزارہا
آدمی چند گھنٹوں کیلئے محض حسن حسین کے نعرے مارنے سے ایسے خود رفتہ ہو سکتے ہیں تو اگر کبھی اسکے عوض کوئی
اور کلمہ جسکا مطلب زیادہ واضح ہو (مثلاً کفار کو مارو وغیرہ) ورد زبان ہو جائے تو کیسا کچھ خطرہ عظیم پیدا ہو
سکتا ہے۔ ایسے خود رفتہ اشخاص کو کوئی چالاک آدمی آسانی کے ساتھ قابو میں لا کر قتل عام لگا سکتا
ہے۔ اور اغلب خیال ہے کہ اسوقت یہ لوگ جس طرح حسن حسین پکارتے بازاروں میں لہولہان پڑے رہنے
پر ہمہ تن تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بڑی خوشی سے آخری دم تک لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور موت کو بہشتی
کنواریوں (حوران جنت) اور امامین حسن حسین کے پاس پہنچ جانیکا جو ان کے اعتقاد کے مطابق جنت میں
ان کا انتظار کر رہی ہیں۔ زبردست ذریعہ اور وسیلہ سمجھ لیں۔

پروفیسر ایف میکس مولر۔

۱۵۔ ترکی خاتونیں

جو یورپین لیڈی ترکی کی سیر کو جائے جبتک وہ چند حرم سراؤں کا معائنہ نہ کرے۔ وہ اسجگہ کے باشندوں کی
اصلی معاشرت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتی۔ یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے۔ کہ چونکہ ترکی مستورات بیرونی دنیا کو
دکھائی نہیں دیتیں انکو اقتدار بھی کچھ حاصل نہیں۔ برعکس اسکے چونکہ وہ اپنا سارا وقت گھروں کے باہر ادھر ادھر
پھرنے پھرانے اور سہیلیوں سے انکے مکانوں پر جا کر یا اپنے مکان میں ملاقاتیں کرنے پر صرف نہیں کر سکتیں انکو
جوڑ توڑ اور سازشیں کرنیکے لئے بہت وقت ملتا ہے۔ مزید براں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ترکی میں رشتوں
ناطوں کا انتظام دونوں طرف سے صرف مستورات ہی کرتی ہیں۔ مردوں کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

گو موجودہ سلطان المعظم کی اپنی بیویوں اور کنیزوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ محض تفریح جسمانی کے
کھلونے ہیں اور اپنا سارا وقت اور بہت بیش بہا کپڑے پہننے اور لذیذ کھانوں میں صرف کرتی ہیں لیکن
اکثر پاشاؤں کی بیویاں نہایت ذہین اور قابل عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی جائدادوں کے انتظام کی
پوری قابلیت رکھتی ہیں۔ اور یہ تو عام معلوم بات ہے کہ سلاطین کی ماؤں کو ہمیشہ امور سلطنت میں
بہت دخل رہا ہے۔ اسوقت ترکی میں تمام لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ سلطان المعظم نے اسی غرض کیلئے زنانہ مدارس
قائم کر دیئے ہیں۔ جو بہت عمدہ اور قابل تعریف ہیں۔ لڑکیاں ۱۲ برس کی عمر تک ان میں تعلیم پاتی ہیں اسکے بعد

ان کو یشمق (باریک نقاب) پہنا دیا جاتا ہے۔ اور وہ پردہ میں بیٹھ جاتی ہیں اس عمر تک وہ اپنی باپوں کے ساتھ سہ پہر کو سیر کیلئے باغوں کو چلی جاتی ہیں اور پیدل سڑک مکانوں سے مدرسہ کو آتی جاتی ہیں امراء کی لڑکیوں کے ساتھ مدرسہ آنے جانے وقت حبشی غلام ہوتا ہے۔ مجھے شاہی حرم سرا کے اندر جانے کی دعوت نہیں کی گئی تھی۔ لیکن شاہی حرم کے سوا قسطنطنیہ کے دوران اقامت میں مجھ کئی ترکی حرموں میں جانے کا موقع ملا۔

سب سے اول میں ایک جلیل القدر وزیر کی حرم محترم کو ملنے گئی۔ اس ملاقات کا انتظام ان یورپین افسروں میں سے ایک کی بیوی نے جو ترکی ملازم ہیں کیا تھا۔ اور خود بھی ازراہ شفقت میرے ہمراہ گئی تھی ہم گاڑی پر سوار ہو کر سرا کے اس حصہ کو گئے۔ جو گرینڈ رو (جادہ کبیر) سے پرے محل یلدز کے مقابل واقع ہے۔ سگر اسمیں اور محل کی حدود میں ایک عمیق گھاٹی حائل ہے۔ میں نے گاڑی پر سوار ہو کر ہواخوری کرتے وقت اس نواح کی مکانات کی اونچی اونچی دیواروں کو کئی دفعہ دیکھا تھا۔ مگر یہ کبھی خیال نہ گذرا تھا کہ ان چار دیواریوں میں اکثر وزراء اور اعلیٰ امراء کے حرم پنہاں ہیں۔ ہماری گاڑی خود وزیر کے مکان یعنی سلاملق کے پاس سے گذرتی ہوئی سڑک سے نیچے اتر کر ایک بلند دروازہ پر جو اونچی دیوار میں بنا ہوا تھا۔ کھڑی ہو گئی۔ اور ہم اس میں سے نیچے اترنے ہی لگی تھی۔ کہ پھاٹک کھل گیا۔ اور گاڑی کو بھی اندر آجانے کے لئے کہا گیا۔ کیونکہ باغ میں ابھی تک مالی کام کر رہے تھے۔ اسلئے خاتونانِ حرم اسمیں نہیں آسکتی تھیں گاڑی باغ سے گذر کر ایک وسیع مربع سفید مکان کے دروازہ پر رک گئی۔ مکان کی کرسی بہت بلند تھی اسلئے دروازہ تک کئی سیڑھیاں سنگ مرمر کی تھیں۔ چاروں طرف سے مکان کو حرم سرا کی دیواریں احاطہ کئے ہوئے تھیں جن پر یلدز کی دیواروں کی طرح بیلیں نہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل برہنہ اور سفید اور ایسی بلند تھیں کہ مکان کی بالائی منزل کے دریچوں سے بھی کچھ دکھائی نہیں دیسکتا تھا پس خوبصورت گھاس کے تختوں درخشاں پھولوں کے چمنوں اور باثمر اشجار کے باوجود کل عمارت جیلخانہ کی مشابہ دکھائی دیتی اور معلوم ہوتی تھی۔ مکان کا ایک دروازہ ایک غلام نے کھولا اور ہم ایک لمبے اور تنگ رستہ میں داخل ہو گئیں وہ درمیانی ہال کو جو بہت بلند اور وسیع تھا۔ جاتا تھا۔ ہال کے وسط میں فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ چوطرفہ گملوں میں کھجوروں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اور گرداگرد غلام اور کنیزکیں دست بستہ ایستادہ تھیں۔ کنیزکیں حبشنیں اور سفید رنگ دونوں طرح کی تھیں جو شوخ رنگ کی سوتی پارچات اور سفید پگڑیاں پہنے ہوئے تھیں غلام سب کے سب سیاہ فام خواجہ سرا تھے جو فراک کوٹ اور فیس پہنے تھے۔

ہمیں ایک وسیع کمرہ میں جو مکلف تہا جا کر بٹھا دیا گیا۔ اسمیں ایک شاندار زرد رنگ کا قالین بچھا ہوا تہا
مگر کتاب یا سامان دستکاری کا نام و نشان نہ تہا۔ نہ اس امر کے کوئی آثار پائے جاتے تہے کہ یہاں
کوئی رہتا ہے۔ اور کسی طرح کا کار و بار ہوتا ہے۔ ہمیں بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تہی کہ پاشا کی حرم
آپہنچی۔ اسکی پوشاک یورپین طرز کی تہی۔ جسکا رواج قسطنطنیہ میں ایسا عام ہو گیا ہے۔ کہ اب صرف
شاہی حرم سرا ہی میں ویسی طرز کی پوشاک پہنی جاتی ہے۔ خاتون موصوفہ کے ساتھ اسکی دیورانی یعنی وزیر
کی بھاوجہ بہی تہی۔ آخر الذکر فقط ترکی بول سکتی تہی۔ بنابریں میری ساتھی تو اسکے ساتھ ترکی میں باتیں
کرنے لگ گئیں اور میں وزیر کی بیوی سے فرنچ میں گفتگو شروع کر دی۔ خاتون کا قد درمیانہ شکل
صورت خوشنما۔ اور آنکھیں چمکدار اور بڑی بڑی تہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ سال میں ایکدفعہ یا زیادہ سے
زیادہ دو دفعہ وہ بند گاڑی میں سوار ہو کر ان مہیب دیواروں سے باہر جاتی ہے۔ اسکے سوائے چار دیواری
سے کبھی باہر نہیں جاتی۔ اسے اپنے باغ اور پالتو جانوروں۔ بلیوں اور پرندوں سے بہت انس تہا
اولاد کوئی نہیں رکھتی تہی۔ جس سے ہر وقت اسے طلاق کا اندیشہ رہتا تہا۔ کیونکہ اب بہت کم
ترک دو بیویاں رکھتے ہیں۔ وہ فرنچ زبان کی ناولوں کو بکثرت پڑھتی رہتی تہی۔ اور انہی پر اسکے ان
خیالات اور رائے کا دار و مدار تہا۔ جو وہ یورپین طرز معاشرت کی نسبت رکھتی تہی۔ باتوں
باتوں میں اُسنے مجھی کہا۔ ہم تم سے زیادہ خوش ہیں۔ کیونکہ اگر ہمارے خاوندوں کو کسی اور عورت
سے دل لگی ہو جائے تو وہ ہماری کنیزکوں میں سے کوئی نہ کوئی ہوگی۔ جنکو ہم بخوبی جانتی ہیں
لیکن تمہارے خاوند فرانسیسی ایکٹرسوں (تھیٹر میں ناچنے گانیوالی عورتوں) کو ساتھ لئے
پھرتے ہیں۔ جن کو تم مطلقاً نہیں جانتی۔" کنیزکیں پہلے شیرینی وغیرہ لائیں۔ اور پھر سگرٹ
مگر میں نے تمباکو نوشی سے نابلد ہونے کا عذر کر دیا۔ سب سے آخر خوشگوار اور مفرح ترکی قہوہ
لایا گیا۔ قہوہ کی پیالیاں طلائی پرچوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ خاتون موصوفہ اچھی گویّہ اور
باجہ نواز ہے۔ اور اسکی دیورانی تصویر و نقشہ عمدہ بناتی ہے۔ دونوں کا اتالیق خود وزیر تہا۔
جو بہت عمدہ صنّاع اور فنون لطیفہ میں خوب ماہر ہے۔ مگر موسیقی نوازی مصوّری فرنچ ناولوں
اور خوبصورت باغ کے باوجود مجھی یہ حسرت بخش احساس ہو رہا تہا۔ کہ خاتون موصوفہ لطیفہ اس پرندہ کے
مشابہ تہی۔ جو اپنے پروں کو طلائی قفس کی سیخوں سے پھڑپھڑا رہا ہو۔ وہ اتنا زیادہ پڑھ گئی تہی
کہ موجودہ حالت پر کبھی قانع نہیں ہو سکتی تہی۔ (یعنی اگر جاہل یا نیم جاہل رہتی۔ تو یہ بندش
ایسی ناگوار نہ معلوم ہوتی)

جب تک ہم کمرہ میں رہیں اس کے تمام دروازے کھلے رہے۔ اور کنیزیں ان میں سے اندر باہر آتی جاتی رہیں۔ گویا کہ وہ مسلسل نگرانی کر رہی تھیں۔ ایک کنیز نے اطلاع دی کہ مالی چلے گئے ہیں جس پر ہم باغ کو جانے ہی لگی تھیں کہ وزیر اور اس کا بھائی پہنچ گئے۔ وہ محل سلطانی سے ہماری ملاقات کیلئے جلد واپس چلے آئے تھے۔ ان دونوں کے پہنچنے کیوقت سے انکی بیویاں بالکل ساکت ہو گئیں۔ اور گو میں نے وزیر کی بیوی کو اس عجیب گفتگو میں جو وزیر اور میرے درمیان ہو رہی تھی۔ شامل کرنیکی کوشش کی مگر قطعاً ناکامیاب ہوئی۔ بعد میں جب میں نے اس معاملہ پر غور کیا تو مجھے اس سکوت کی کنہ معلوم ہوئی کہ ہم مساجد۔ اور دیگر قابل دید عمارات۔ عجائب خانہ کے قدیم تابوتوں اور قدیم محل سرا کے نوادرات کا ذکر کر رہے تھے۔ جن کو خاتون موصوفہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ آئندہ کبھی دیکھ سکتی تھی۔ میں اس ملاقات سے ان دونوں عورتوں کی حالت پر دل میں سخت رحم کھاتی ہوئی واپس آئی۔ وہ مجھے اپنی حالت سے بیچین غیر مطمئن اور ناخوش سی معلوم ہوئیں گو خاوند انکی کمال نازبرداری کرتے تھے علاوہ جو چیز دولت سے میسر ہو سکتی تھی۔ انکے لئے موجود تھی۔

تھراپیا کی اقامت کے دوران میں ایک دن آسٹرین سفیر کی بیوی مجھے منیر پاشا ڈیس آف سیریمونیز[1] کی بیوی کی ملاقات کرانیکے لئے لے گئی۔ پاشا موصوف کا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ اور پانی اسکی دیواروں سے ٹکرا کر بہتا ہے۔ مکان مذکور کا مردانہ حصہ (سلاملق) میں نے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ حرم اور سلاملق کے درمیان خوبصورت باغ ہے جسمیں مختلف اقسام کے گلاب کے سینکڑوں پودے ہیں۔ حرم کے گرداگرد چونکہ کوئی چار دیواری نہیں اسکی تمام کھڑکیاں جالی دار ہیں ان میں سے اندر کی طرف سے باہر کی چیزیں دکھائی دیسکتی ہیں۔ مگر باہر سے اندر بالکل نگاہ نہیں پڑتی۔ ہم آسٹرین سفارت کی ایک قایق پر گئیں۔ گھاٹ پر دو یا تین حبشی خواجہ سراؤں نے ہمارا استقبال کیا جن میں سے ایک بہت ہی دراز قامت تھا۔ اسے ہم نے کئی مرتبہ پاشا کی خوردسال لڑکی کے ساتھ سٹیمر پر بیوسے کو جاتے یا واپس آتے دیکھا تھا۔ ہماری میزبان پہلی منزل کے وسیع کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور چونکہ وہ صرف ترکی بول سکتی تھی۔ اس کا بھتیجا جو محل سلطانی میں یاور ہے ترجمان کا کام دینے کیلئے اسکے پاس موجود تھا۔ یہ خاتون نہایت قابل اور ہوشیار عورت ہے۔ اور گو اسے اعلیٰ تعلیمیافتہ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اپنے خاوند کے تمام معاملات کے انصرام اور اسکی جائداد کے انتظام کی پوری قابلیت رکھتی ہے۔ پاشا موصوف کو خود ان کاموں کے لئے بہت ہی کم فرصت

---

[1] یعنی نجیب بک جو قدیم محلسرا کی سیر کیوقت ہمارے ساتھ تھا۔ مصنفہ

ہوتی ہے۔ اسکا تقریباً سارا وقت محل سلطانی میں صرف ہوتا ہے۔ ہم فرانسیسی میں گفتگو کرتی رہیں اور گوہر ایک بات یاور کی وساطت سے ہوتی تھی۔ گفتگو ایک لمحہ کیلئے بھی سست نہ پڑی۔ جن حرم سراؤں میں ہم گئیں ان میں صرف یہی ایسا تھا۔ جہاں ناشتہ وغیرہ سے ہماری تواضع نہ کی گئی۔ ہماری میزبان کی عمر چالیس پچاس کے درمیان تھی۔ اور وہ اکثر خاتونوں کی طرح مضبوط جسم کی عورت تھی۔ وہ ہلکے اودے رنگ کی ململ کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اوسکے گلے میں بڑے بڑے سلیموں کا ہار پڑا تھا۔ بال سیاہ اور تازہ ترین فرنچ فیشن کے مطابق جوڑا کیا ہوا تھا۔ مکان کی قطع اکثر اہی مکانوں ایسی تھی جن کے دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ مکان کے بیرونی دروازے سے گذرتے ہی دریانی ہال ہے۔ اسکے دونوں طرف کمرے ہیں اور دروازہ کے مقابل والے سرے پر اوپر جانے کو خوبصورت فراخ زینہ ہے۔ تمنیر کی بیوی کی قطع وضع سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے حال میں خوش اور نہایت مصروف عورت ہے۔ اسنے مجھے بتایا کہ وہ اکثر قایق پر سوار ہوکر باہر جاتی ہے یہ بتانیکی تو ضرورت نہیں کہ باہر جاتے وقت وہ نقاب اور فرجہ پہن لیتی ہے۔ فرجہ سیدھے سادے لمبے گھیرے دار جبہ کو کہتے ہیں جسے تمام ترکی مخدرات جوان ہوں یا معمّر باہر نکلتے وقت کپڑوں کے اوپر اوڑھ لیتی ہیں۔ اس سے تمام جسم گردن سے لیکر پاؤں تک ڈھنپ جاتا ہے۔ عموماً یہ قیمتی اور خوشرنگ کپڑے کا ہوتا ہے۔ مگر باایں ہمہ اسکی بھدا پن میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میزبانہ ہمسے کمرہ کے دروازہ سے رخصت ہوگئی۔ ہال میں اسلئے نہ آئی۔ کہ شاید باغ میں کوئی مرد موجود ہو۔ اور اسکی نظر ہال کے دروازہ سے جو کھلا ہوا تھا۔ اندر پڑتی ہو۔

اس ملاقات سے چندروز بعد حمدی بک عجائب خانہ قدیم اشیا کے اعلیٰ مہتمم اور صیدا کے تابوتوں کے دریافت کنندہ نے جو عجائب خانہ مذکور کی زیب و زینت ہیں میری میرے خاوند اور ہمارے لڑکے کی دوپہر کے کھانیکی دعوت کی۔ اسکا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ گر مکان اور دریا کے درمیان ایک عام شاہراہ حایل ہے۔ خادم ہمکو سیڑھیوں پر سے بالائی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے جہاں ہمارا میزبان اور اسکی بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ کمرہ صنعتی نوادرات، مشرقی ساخت کے پردوں اور مینا کار کھریلوں کے بے نظیر نمونوں سے پر تھا۔ حمدی بک کی بیوی فرنچ نسل کی ہے مگر اسکی پرورش اور تربیت بچپن سے ترکی لڑکیونکی طرح ہوئی تھی۔ تاہم وہ اپنے خاوند کے دوستوں سے پردہ نہیں کرتی۔ اور کھانے کی میز پر صدرنشین ہوتی ہے۔ تمام مکان کی آرائش یوروپین طرز کی ہے۔ چنانچہ اگر اسکے دریچوں سے باسفرس۔ قایقیں اور دیگر عجیب و غریب شکل کی کشتیاں جو ہر لحظہ

سامنے سے گذرتی رہتی ہیں۔ دکھائی نہ دیتی ہوں۔ تو انسان کو یہی خیال گذر جاتا ہے کہ وہ ترکی میں نہیں بلکہ یورپ کے کسی اور ملک میں بیٹھا ہوا ہے۔ کھانے کے وقت فرنچ زبان میں پرجوش گفتگو ہوتی رہی جسمیں خاتون موصوفہ بھی برابر شریک رہی۔ کھانے کے بعد وہ مجھے اپنے گول کمرہ میں لے گئی اور جنٹلمین (مرد) تمباکو نوشی کیلئے مکان کے مردانہ حصّہ میں چلے گئے۔ میزبانہ نے باتوں باتوں میں مجھ سے کہا کہ سفر و سیاحت سے تمہیں بہت ہی لطف و خوشی حاصل ہوتی ہوگی۔ اسپر میں نے دریافت کیا۔ کیا تم کبھی اپنے خاوند کے ہمراہ باہر نہیں گئیں۔ یہ سنکر وہ سچ مچ ششدر رہ گئی۔ اور جواب دیا "یہ امر بالکل ناممکن ہے۔ میں کبھی پچھواڑے کی سڑک سے ہی اپنے باغ کو جو پہاڑی پر ہے بلاتشمق نہیں گذرتی"۔

ہمارا صادق بک محل سلطانی کے خوش آیند و دلفریب یاور سے جو ہر جگہ سلطان المعظم کے حسب الارشاد ہمارے ہمراہ جاتا تھا۔ اس قدر ربط ضبط اور میل جول ہوگیا تھا۔ کہ مجھے اس کا گھر دیکھنے کی بڑی خواہش ہوگئی گو اسنے اسبارہ میں ہمسے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔ اور مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ اسکے کس قدر بال بچے ہیں وہ عرب ہے۔ اور ایک دفعہ باتوں باتوں میں اسنے ذکر کیا تھا کہ اسکی بیوی بھی عرب ہے۔ وہ میری اس درخواست سے بہت خوش ہوا۔ اور یہ قرار پایا۔ کہ میں اسکی بیوی کو دیکھنے کے لئے تھراپیا سے پیرا کو جاؤں۔ اُس کا گھر مختصر سا۔ مگر اکثر ترکی گھروں سے بلند اور اس عمودی پہاڑی کے کنارہ پر جو یلدز کوشک کے مقابل بنا ہوا ہے۔ اس مکان میں بھی بیرونی دروازہ سے اندرونی حصہ کو تنگ رستہ جاتا ہے جسکی وجہ سے دروازہ مکان کے اندر نظر نہیں پڑتی۔ خادم مجھے پہلی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ وہ بظاہر صادق بک کی نشست گاہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اسکے دروازے اور دریچے جالیدار نہ تھے۔ اس کا سامان آرائش سیدھا سادہ تھا۔ گو ایک الماری فرنچ اور جرمن کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ صادق بک نے جرمن برلن میں سیکھی تھی جہاں وہ کچھ عرصہ رہا تھا۔ اور فرنچ پیرا میں۔ انگریزی بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ میں کمرہ میں پہنچی ہی تھی کہ وہ بھی آگیا۔ اور مجھے اوپر لے گیا۔ زینہ کی چوٹی پر اسکی بیوی کھڑی تھی۔ وہ نہایت ہی خوبصورت اور دریا نقاست کی تھی۔ آنکھیں خوشنما۔ اور سیاہ بالوں پر جو رخ زیبا کو اس طرح ہالہ کئے ہوئے تھے۔ کہ گویا سیاہ ابر رُخ آفتاب کو حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ گلاب کا قدرتی پھول لگائے ہوئے تھی۔ وہ سفید ململ کے کپڑے اور سفید ساٹن کی پاپوش پہنے ہوئے تھی۔ جامہ کے گھیر اور حاشیہ پر گلاب رنگ کا ریشمی فیتہ لگا ہوا تھا۔

اور سرخ رنگ کا پٹکا کمر میں پڑا ہوا تھا۔ گلاب کا پھول بہی کمال شوخ ارغوانی رنگ کا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت الماس اور مرصع زیورات پہنے ہوئے تہے۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس ملاقات کیلئے اسنے بننے سجنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اسکی نظروں میں میری سیاہ مخملی پوشاک فی الواقع بہت بے حقیقت اور میلی کچیلی دکھائی دی ہوگی جس کمرہ میں ہم گئے۔ وہ چھوٹا سا تھا۔ اور اسکے دریچوں میں سر سے پاؤں تک جالی لگی ہوئی تہی۔ خاتون موصوف نہایت خوش وخرم اور مسرور معلوم ہوتی تہی۔ اور اپنے آقا کو جو اسکے مقابل بیٹھا ہوا تھا۔ ایسی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ جو عشق کے درجہ کو پہنچی ہوئی تہی۔ صادق بک نے بیٹھتے ہی اس سوال سے گفتگو کو شروع کیا۔ "تمہارا اسکی نسبت کیا خیال ہے"؟ مینے جواب دیا "کل پیرا بھر میں اس سے خوبصورت میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی"۔ میرے اس جواب میں ذرہ بھر مبالغہ نہ تھا۔

اُس دن گرمی سخت تھی۔ صادق بک نے ایک دریچہ کا جالی دار پیتہ نیچے اتار دیا۔ اس پردہ کے ہٹتے ہی سامنے کی سبز پہاڑی کا خوبصورت نظارہ جسکی چوٹی پر یلدز محل کی سفید کوٹھیں اور وہ مسجد ہی جہاں سلطان المعظم سلاملق کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ میرے سامنے نمودار ہو گیا۔ اور دائیں طرف محلہ بشکطاش کے مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے باسفرس کا پانی چمکتا ہوا دکھائی دینے لگ گیا۔ صادق بک کی بیوی اسی وقت اپنی جگہ سے اٹھکر ایسی جگہ بیٹھ گئی۔ جہاں سے اسے دریچہ میں سے آسمان کے سوا اور کچھ نظر نہیں آسکتا تھا۔

بعد ازاں بچے کمرے میں لائے گئے۔ سب سے بڑی تقریباً آٹھ برس کی عمر کی لڑکی تہی جسکے کپڑے اور ٹوپی عجیب وغریب شکل کی تہی۔ وہ ہر صبح مدرسے جاتی تہی۔ اور سہ پہر کو اپنی ماں سے جو سوئی کے کام میں بالخصوص بہت ماہر ہے موسیقی اور کشیدہ کاری سیکھتی تہی۔ ماں کی طرح وہ بھی صرف ترکی اور عربی بول سکتی تہی۔ صادق بک نے کہا "کہ میں اپنی لڑکی کو کبھی کوئی یورپین زبان نہیں سکھاؤنگا۔ ان سے کیا فائدہ ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ لڑکیاں اپنی حالت سے ناخوش ہو جاتی ہیں"۔ مجھے اسکا یہ قول بالکل درست معلوم ہوا۔ لڑکی سے چھوٹا ڈیڑھ سال کا لڑکا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اُسے اسکی ماں کمرہ میں لائی۔ سب سے آخر صادق کی ساس جو ہمرنگ پیرانہ سال عورت تھی۔ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا کمال مفرح شربت بادام لائی۔ جو سویڈن کے بادام سے

بہت ملتا جلتا تھا۔ یہ پیرزن سر پر سفید ململ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ اور سیاہ رنگ کے نرم کپڑے کی بیڈول سی گون دسایہ۔ پشواز پہنے ہوئے تھی۔ میرا دل تو مکان کے دوسرے حصوں کو بھی دیکھنے کو چاہتا تہا۔ مگر درخواست کرنے سے حجاب سے آگیا۔ اور میں نے خیال کیا۔ کہ شاید یہ امر گھر والوں کو ناگوار گذرے۔ تاہم میں یہ یقین دل میں لئے وہاں سے رخصت ہوئی۔ کہ یہ کنبہ واقعی بہت خوش ہے۔ خاوند بیوی میں کامل محبت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور بیوی اپنے فرائض خانہ داری کے سرانجام میں ایسی مصروف ہے کہ وہ اپنے حال میں پوری قانع اور سرست ہے۔ اسے کسی اور چیز کی خواہش نہیں۔ مگر بعد میں جبکہ صادق بک اپنے کنبہ کو مفصلات کے ایک موضع میں جو تھرا پیا کے زیادہ دور نہ تہا لے گیا ہوا تہا۔ اسنے مجھ سے ذکر کیا۔ کہ "وہاں اسے کوئی شغل نہیں۔ اندیشہ کی ہے کہ انسان عورتوں کے پاس بیکار بیٹھا رہے"۔ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ چونکہ عورتیں مردوں سے بہت ہی ادنٰی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان سارا دن انکی صحبت میں نہیں رہ سکتا۔

سب سے آخر میں نے جو مکان دیکھا۔ وہ ایک نہایت وسیع خیال ترکی خاتون کا تہا۔ جو سلطان المعظم کی دور سے رشتہ دار ہے۔ وہ اپنی خوبصورت لڑکیوں کو انکی عمر سترہ برس کی بھی اوپر ہو جانے تک مختلف سفارتوں میں جانے دیتی رہی۔ حتیٰ کہ خود سلطان المعظم نے اس معاملہ میں مداخلت کرکے ان کو یشمق پہننے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب بھی جب کبھی مصر یا جزائر شاہزادگان میں رہتی ہیں۔ تو بہت کچھ آزادانہ روش رکھتی ہیں ان کا مکان جو برلب باسفورس ہے بہت خوشنما ہے۔ اسمیں ایک بڑا حجرہ کہ دریا کی طرف ہے جو تقریباً کلہم ورجینیا[1] بیلوں سے ڈہنپا ہوا ہے۔ سٹیمر مکان کے پاس سے گذرتے وقت مجھے بسا اوقات ان لڑکیوں کے سروں کی جھلک دکھائی دے جایا کرتی تہی۔ جو اسوقت حجرہ کہ میں بیٹھی کشیدہ کاری میں مصروف ہوتی تھیں۔ یا سہ پہر کی چاء پیتی ہوتی تھیں جس دن میں گئی لڑکیوں کی ماں باہر گئی ہوئی تہی۔ میں نے ان کو نہایت ہی آزادی اور کمال خوبصورت پایا۔ وہ انگریزی بہت عمدہ بولتی ہیں۔ اور ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کی موسیقی نواز اور دوسری چابکدست مصورہ ہے۔ اسکی اپنی ہاتھ کی بنائی ہوئی بیشمار روغنی اور آبی تصویریں کمروں میں آویزاں ہیں۔ انہوں نے مجھ کو اپنا خاص کمرہ نشستگاہ دکھلایا۔ وہ بعینہٖ انگریز لڑکیوں کے کمروں کی مشابہ تہا۔ فرق صرف یہ تہا۔ کہ نسبتاً بڑا اور زیادہ

[1] ورجینیا صوبجات متحدہ امریکہ کی ایک ریاست کا نام ہے۔ مترجم

مکلف اور آراستہ تھا۔ کوٹھوں کے تختوں پر قاہرہ کے منظروں کی دستی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ جوان لڑکیوں نے خود بنائی تھیں۔ اور میزوں پر بکثرت عکسی تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کمروں کو دیکھنے سے فوراً معلوم ہوجاتا تھا۔ کہ وہ اپنی پابندی کی حجوبیت کو حتی الامکان خوشگوار بنانیکی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ مگر پھر بھی وہ خوش نہ تھیں۔ چھوٹی کی سگائی ایک سخت بدچلن شخص سے کر دیگئی ہوئی تھی۔ لڑکی سے چلے آنیکے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ اُس نے اس رشتہ کو توڑ دیا ہے۔ اسکی باتوں سے واضح ہوتا تھا۔ کہ وہ شادی کے خیال سے متنفر ہے۔ اور حتی الامکان بیاہ کو معرض التوا میں ڈال رہی ہے۔ سہ پہر کی چاء ہمنے پانچ بجے جھروکہ پر بیٹھ کر نوش کی۔ وہاں سے وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھیں۔ مگر خود بخوبی نہیں دیکھی جاسکتی تھیں۔ وہ ہر شام قایق پر سوار ہوکر دریا کی سیر کو نکلتی تھیں۔ انکے نقاب اور خاتونوں ایسے دبیز نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اس ملاقات کے بعد میں اکثر انکو پہچان لیا کرتی تھی۔ میں جب انکی آئندہ زندگی کی ناخوشی اور بے اطمینانی پر خیال کرتی تھی تو مجھے انکی حالت پر بہت ہی رحم آتا تھا۔

ترکی خاتونوں کی طرز معاشرت کی ایک سوادی اور یک آہنگی کی پوری پوری کیفیت ہم باشندگان مغرب محسوس نہیں کرسکتے۔ ہر عورت کیلئے امیر ہو یا غریب جسکو اپنی عزت کا کچھ بھی پاس ہو۔ لازمی ہے کہ وہ غروب آفتاب کے وقت تک اپنے گھر میں پہنچ جائے۔ اب ایک طرف جاڑے کی کٹھن اور ختم ہونیوالی شام اور راتوں کا خیال کرو۔ اور دوسری طرف یہ کہ کوئی دوست یا سہیلی اسوقت انکے پاس نہیں ہوسکتی زنانہ رفقا یعنی سہیلیوں کے واسطے ضروری ہے۔ کہ وہ اسوقت اپنے اپنے گھروں میں ہوں۔ اور مرد رفیق ان کا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ باقی رہے اپنے کنبے کے مرد۔ وہ بھی عورتوں کی صحبت میں کم بیٹھتے ہیں یہ کیفیت دیکھکر ہم مغربی عورتوں کو اپنی ترکی بہنوں پر بہت رحم آتا ہے۔ مگر امید ہے کہ جوں جوں ترکوں اور یورپینوں میں میل میل بڑھتا جائیگا۔ عورتوں کی طرز معاشرت میں ضرور تغیر ہوتا جائیگا۔ اور جسطرح مردوں نے مشرقی پوشاکیں اُتار دی ہیں۔ ایک وقت ایسا آئیگا۔ (جو خدا کرے کبھی نہ آئے) جبکہ عورتیں یشمق اور فرجہ کو دُور کردینگی۔ اور اسکے ساتھ ہی انکی تنہائی اور پردہ داری کا بھی خاتمہ ہوجائیگا۔ وہ نوجوان ترک جنہوں نے برلن پیرس اور وائنا میں تعلیم پائی ہے

شادی سے پہلے یہ کہتے سُنے جاتے ہیں - کہ ہم اپنی بیویوں کو پردہ میں نہیں رکھیں گے وہ آزاد
رکھی جائینگی - لیکن جب موقع آجاتا ہے - تو وہ سب کے سب رسم و رواج کی پابندی کے
سامنے چوں نہیں کرتے - نہ اعلیحضرت عبد الحمید[ل] خان کی عہد حکومت میں
تغیر کی کوئی امید کی جاتی ہے - عورتوں کے پردہ کے متعلق انکی رائے بہت ہی
سخت ہے - اور بمشکل کوئی ایسا برس گذرتا ہے جسمیں لشمقوں کے اور زیادہ دبیز کرنے
اور فرجیوں کو اور زیادہ بیڈول اور گھیرے دار بنانیکی نسبت جدید سلطانی احکام صادر
نہ ہوتے ہوں - جن خاتونوں کے مکان باسفرس کے ساحل پر ہیں انکے لئے تو ہواخوری
کے واسطے قایقیں موجود ہیں - مگر سرا کی بیگمات صرف بند گاڑیوں میں آب شیریں
کو جاسکتی ہیں - جن کے ساتھ ساتھ گاہ گاہ انکے خاوند بھی زین سوار ہوتے ہیں
مگر وہ گاڑی میں سے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کرسکتیں - اگر ترکی خاتون کی گاڑی اسکے
خاوند یا فرزند کے پاس سے گذرے تو وہ بھی اسوقت اسکو سلام نہیں کرسکتا - اور
جبکہ گاڑی کھڑی ہو - اسوقت کوئی شخص اپنی بیوی یا ماں سے بھی ایک لفظ بولنے
کی جرأت نہیں کرسکتا - اگر وہ ایسا کرے تو پولیس فوراً مواخذہ کرے - بڑی سے بڑی
عزت جو تم کسی خاتون کی کرسکتے ہو - یہ ہے کہ جب اسکی سواری گذرے مُنہ پھیر
کر اُدھر پیٹھ کردو - جب شاہی حرم سرا کی کسی بیگم کی سواری گذرے تو ایسا کرنا لازمی
ہوتا ہے - ایکدن ہم (دریا) آب شیریں کے اس حصہ کے کنارے پر جو سلطان المعظم کی
ایک مفصلاتی محل کے باغ کے پاس سے بہتا ہے - بیٹھے ہوئے قہوہ پی رہے تھے - کہ
صادق بک یکبارگی کھڑا ہوگیا - اور دوڑ کر پیٹھ دریا کی طرف کئے ہوئے ایک درخت
کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا - اس کا باعث معلوم کرنیکے لئے ہمنے ادہر ادہر نظر دوڑائی تو کیا
دیکھتے ہیں کہ دریا کے دوسرے کنارہ پر باغ میں سے سلطانی حرم سرا کی دو یا تین گاڑیاں
سڑک پر چلی جارہی ہیں - انکے پردے (یعنی کھڑکیاں) اسقدر اٹھے ہوئے تھے کہ یہ دیکھنا

[ل] لیڈی مذکور کی خیالات چونکہ بدنیتی پر مبنی نہیں ہیں - اسلئے ہم مسلمانوں کو انکی شکایت کرنیکا کوئی حق نہیں ہے - اور ہمارے رسم و رواج اور خیالات کو اچھی طرح نہ سمجھ سکنے کے باعث معذور سمجھی جاسکتی ہیں - اور کمال خوشی کا مقام ہے - کہ جو امید لیڈی صاحبہ نے اوپر ظاہر کی تھی - اسلام کے مخلص خادم اور سچے حامی خلیفۃ المسلمین عبد الحمید خان کی ذات والا صفات کی طفیل اسکے پورے ہونیکے کوئی آثار نہیں ہیں - مترجم

ناممکن تھا۔ کہ آیا گاڑیوں میں کوئی شخص سوار بھی ہے یا نہیں؟ تاہم ہماری طرف جس قدر ترک تھے۔ ملازم یا غیر ملازم سب ہی بیہودہ حرکت کر رہے تھے۔ اور صرف اسوقت اپنی اپنی جگہ پر واپس آئے۔ جبکہ گاڑیاں نظر سے اوجھل ہو گئیں۔

پہلے مرد اپنی منگیتر کو شادی سے پہلے کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شادی کے بعد جب میاں بیوی الگ کمرہ میں جاتے تھے۔ تو اسوقت پہلی مرتبہ نقاب اٹھایا جاتا تھا۔ لیکن اب عموماً اس امر کا انتظام کیا جاتا ہے۔ کہ لڑکا اپنی مستقبلہ بیوی کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے بے نقاب دیکھ لے۔ پردہ کی وجہ سے ٹرکی میں ایسی مہمان نوازی نہیں ہو سکتی تھی جو کہ ہم لوگوں کی مفہوم ہے۔ پاشا ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہتے ہیں اور بعض پاشا یوروپین شرفا کو بھی اپنے گھروں میں مدعو کرتے ہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ جہاں لیڈیوں کی تواضع اور مدارات کیلئے میزبان کی خاتون شریک ضیافت نہ ہو۔ انکو مدعو نہیں کیا جاتا۔ اسنبا میں جہاں تک مجھے علم ہے۔ صرف حمدی بک ایک مستثنیٰ ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ہے۔ کہ اسکی بیوی بلحاظ پیدائش فرنچ ہے۔ تاوقتیکہ وہ مبارک زمانہ آئے۔ جبکہ ترکی عورتیں اپنے والدین اور شوہروں کے ساتھ ہر جگہ آسکیں میری رائے میں اعلیٰ تعلیم انکو صرف بیچین اور ناخوش بنانیکا موجب ہوتی رہیگی۔ اور محض ان عورتوں کی زندگی آرام سے بسر ہوگی۔ جن کو سلطانی حرم سراء کی بیگمات کی طرح کھانے پینے اور پہننے اور ساری عمر نازپروردہ بچوں کی طرح رہنے کے سوا اور کسی کام سے سروکار نہ ہو۔

(۱۶)۔ آخری باریابی بارگاہِ سلطانی میں

۹۔ اگست پہنچ گیا۔ ۱۰ کو ہمارا ارادہ روانہ ہوجانے کا تھا۔ مگر ابتک آخری ملاقات کی نسبت ہمیں محل سے کوئی اطلاع نہ ملی تھی۔ صرف یہ افواہ سننے میں آئی تھی۔ کہ اعلیٰحضرت کی طبیعت (لضیب اعدا) کسی قدر ناساز ہے۔ شام کیوقت ہم انگریزی سفارت کی سکرتریوں کی سکوٹ میں سکرتری خانہ میں گئے جو لارڈ سٹریٹ فورڈ وہی ریڈ کلف کے زمانہ میں انگریزی سفارت خانہ تھا۔ کھانا کھانے گئے۔ اور میز پر بیٹھے ہی تھے۔ کہ ہمیں اطلاع دی گئی

کہ صادق بک محل سرا سے پیغام لیکر آیا ہے۔ پہلے وہ ہوٹل گیا تھا۔ اور ہمکو وہاں نہ پاکر سکوٹ
کو آیا ہے۔ ہمارے میزبانوں نے اس کی کھانے میں شریک ہونیکی درخواست کی۔ جسے اس نے
خوشی سے منظور کر لیا۔ اور پھر ہمیں بتایا۔ کہ دوپہر کے کھانیکے لئے ہم دوسرے دن دوپہر کے وقت
محل میں پہنچ جائیں۔ ہمنے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے اسے محل سے باہر آملنے کا اقرار کیا
چنانچہ دوسرے دن سفارت کی کشتی پر سوار ہوکر دولمہ باغچہ کے کنارے خشکی پر اترے
اور وہاں سے گاڑی پر محل کو گئے۔ وہاں صادق ہم کو سفراء کی کوشک سے باہر مل گیا
وہ ہم کو اس دروازہ سے آگے لے گیا جس سے اس کوشک کو رستہ جاتا ہے جہاں ہم نے
حاجی علی کو دیکھا اور جلال الدین افغانی سے ملاقات کی تھی۔ مگر ہم اس کوشک کو نہ گئے
بلکہ وہ ہمکو ایک لمبی سی پست قامت عمارت کی طرف لے گیا جسکی دیواریں بیلوں سے ڈھنپی
ہوئی تھیں اور جو حرم سرا کے اس دروازہ کی سیدھ میں ہے جسمیں سے ہم پہلی سلاملق کے موقع پر گذر کر
پیچھے باغ کی جس روش پر ہم چلے جا رہے تھے۔ وہ عمارت مذکور کے ایک آئینہ دار دروازہ پر جاکر ختم ہوئی
جسکے سامنے کوئی زینہ نہیں تھا۔ اسکی سطح روش کی سطح کے برابر تھی۔ اسمیں سے گذر کر ہم ایک وسیع ہال میں جو
بہت ٹھنڈا تھا داخل ہوگئے تھے۔ اسمیں کوئی نوکر موجود نہ تھا۔ مگر صادق بک کو مفصل ہدایتیں ملی ہوئی
تھیں وہ ہمیں ہال میں سیدھا ایک کمرہ کو جو بائیں جانب تھا لے گیا۔ اور ہمیں وہاں بٹھا کر باہر چلا گیا
ہمیں اپنے فرزند کو ہمراہ لانیکی خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی۔ کمرہ میں شاندار قالین بچھا ہوا تھا اور
اودی رنگ کی ریشمی زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ چند المدیاں اور چھوٹی چھوٹی میزیں اور
بعض دیگر مینا کار چیزیں بھی جا بجا رکھی ہوئی تھیں ہمنے وہاں کچھ دیر انتظار کیا۔ دوپہر کے
وقت ہمیں موذن کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مینار سے نہیں بلکہ باغ میں کھڑا ہوکر اذان
دے رہا تھا۔ قرب کی وجہ سے اسکی آواز معمول سے زیادہ متوحش معلوم ہوئی۔ دور سے سننے پر
اس میں پھر بھی ایک طرح کی نرمی سی پیدا ہوجاتی ہے۔

آخر کار صادق بک نے واپس آکر کہا۔ کہ سلطان المعظم کی طبیعت درست نہیں۔ اسلئے وہ
تمہارے ساتھ بیٹھ کر طعام تناول کرنیسے معذور ہیں۔ پھر ایک اور کمرہ کے جو پہلے سے اندر کی طرف تھا
دروازے کھول دیئے گئے۔ ہم نے ایک چھوٹی سی میز پر کمال لذیذ اور بینظیر کھانا چنا ہوا پایا
میز کے گرد چار کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اور وسط میں تین بڑے بڑے طلائی بادیے جن پر نہایت
نفیس کام تھا۔ ایسے بے نظیر پھلوں سے بھرے رکھے تھے کہ ویسے پھل ہمیں پہلے کسی میز پر کبھی نصیب نہیں

ہوئے تھے - دیگر ماکولات کے علاوہ مچھلی - پلاؤ اور چوزے کا گوشت بھی تھا ہمیں نہایت ہی اعلیٰ قسم کی شامپین بھی دیگئی - مگر صادق کے سامنے اسکے جام نہ رکھے گئے - جب کبھی وہ ہمارے ساتھ کھانا کھاتا تھا - تو شراب سے ایسا سخت پرہیز کرتا - اور کہا کرتا تھا کہ میں اسے گناہ صغیرہ تصور کرتا ہوں " - کھانے سے فارغ ہو چکنے کے بعد ہمیں اطلاع دیگئی - کہ جلالت مآب ہم سے ملاقات کرنیکے لئے تیار ہیں - چنانچہ صادق کے ہمراہ ہم پھر سے بڑے ہال کو واپس گئے - وہ اسی جگہ رہا اور منیر پاشا رئیس التشریفات ایک دروازہ سے جو اس کمرہ کے عین مقابل تھا جس سے ہم باہر آئے تھے - باہر برآمد ہوکر ہمکو اپنے ساتھ لیگیا - ایک چھوٹے سے کمرہ سے گذر کر ہم سلطان المعظم کے روبرو پہنچ گئے - جلالت مآب کھڑے ہوئے تھے - جب ہمنے قریب پہنچکر فرشی سلام کیا حضور ممدوح نے ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ مصافحہ کیا - پھر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی دائیں جانب ایک صوفا پر جا بٹھایا - اور پروفیسر - ہمارا فرزند اور منیر پاشا صوفا کے مقابل تین کرسیوں پر بیٹھ گئے ؛

جلالت مآب کے چہرہ پر اس دن سے جبکہ ہمنے انکو پہلی مرتبہ دیکھا تھا بہت فرق تھا جب وہ سلاملق کو تشریف لے جاتے ہیں - تو گو کوئی شخص ان فوجوں کی صفوں کو چیر کر جو ہر ایک سڑک پر صف بستہ کھڑی ہوتی ہیں آگے نہیں بڑھ سکتا - حضور ممدوح کو یہ اندیشہ رہتا ہے - کہ کوئی (مردود) انکی ذات پر حملہ نکردے - چنانچہ جب پہلی مرتبہ سلاملق کے بعد انکو دیکھا تھا - تو چہرہ مبارک پر ابھی تک تردد کے آثار باقی تھے محل میں وہ اپنے تئیں بالکل محفوظ تصور فرماتے ہیں بنابریں اب محل میں بہت خوش اور کمال مطمئن نظر آتے تھے انہوں نے سلسلۂ گفتگو یہ افسوس ظاہر کرنے سے شروع کیا کہ انکی طبیعت درست نہ رہی تھی - اور ابتک بھی بالکل بحال نہیں ہوئی اسلئے وہ ہمکو اپنے ساتھ کھانا تناول کرنیکے لئے مدعو نکر سکے - منیر پاشا نے حضور ممدوح کے ارشاد کا فرانسیسی میں یہ ترجمہ کیا کہ ہمارے معدہ میں کچھ فتور آگیا " یہ عام مشہور بات ہے کہ جلالت مآب ہیضہ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں لیکن گو آداب شاہی کے مطابق انکو ترکی کے سوا کسی دوسری زبان کے سمجھ سکنے کا اظہار کرنا مناسب نہیں پھر بھی انہوں نے منیر پاشا کو فی الفور ٹوک کر ترکی میں کچھ کہا جسپر منیر نے پہلے غلط فقرہ کی اصلاح کرکے دوسرے الفاظ استعمال کئے جن کا مطلب تھا کہ " جلالت مآب کی طبیعت ناساز رہی ہے " - اسکے بعد حضور ممدوح نے میری نسبت ارشاد فرمایا کہ تمہاری صحت اس دن کی نسبت جبکہ ہمنے تمکو پہلے دیکھا تھا - بہتر معلوم ہوتی ہے - اس عنایت آمیز ارشاد کا بجز یہی جواب دے سکتی تھی - کہ ترکی کی عمدہ آب وہوا مجھے بہت ہی موافق آئی ہے - پھر جلالت مآب نے ہمارے بیٹے کو تسلی دی - کہ ہمارے چلے جانے سے اسے پژمردہ خاطر نہیں ہونا چاہیے اسکے جواب میں ہوشیار صدر نے فی البدیہہ عرض کیا کہ کسی اور ملک میں تو ضرور وہ بہت ہی آزردہ خاطر ہوتا مگر ٹرکی میں اسکی زندگی - ایسی خوشی کے ساتھ بسر ہوتی ہے کہ

کہ وہ اس مجبوری کو چنداں محسوس نہیں کریگا۔ ہمیں اس بات کا وہم و گمان تک بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ عنقریب قسطنطنیہ میں آرمینیوں کا خوفناک قتل عام ہوگا۔ اور ہمیں اسکو منصبی حیثیت سے بہت کچھ دخل دینا پڑیگا۔ میرے خاوند کے ساتھ سلطان المعظم نے اپنے ملک کے مدارس اور ان مساعی جمیلہ کے متعلق جو انہوں نے اپنے سپاہیوں اور اپنی رعایا کی اولاد لڑکوں لڑکیوں دونوں کی تعلیم و تربیت کیلئے اختیار کی ہیں کشادہ دلی کے ساتھ بحث کی۔ وہ یہ سنکر بہت خوش ہوئے۔ کہ ہم انکے ملک کی سیر سے کمال محظوظ ہوئے ہیں ہم نے جلالت مآب کا اس امر کیلئے بھی شکریہ ادا کیا۔ کہ حضور ممدوح نے صادق بک کو ہمارے ہمراہ کر دیکر ہمارے لئے ہر ایک معاملہ میں کمال آسانی پیدا کر دی۔ اور بدوران اقامت ہمیر ہر وقت نظر عنایت مبذول رکھی اور ہمارے حال پر کمال شفقت ظاہر فرماتے رہے۔ جب امیر المومنین ہمکو رخصت کرنیکے لئے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ کہ انکی خواہش ہے۔ کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس انکے ملک میں کچھ عرصہ بسر کرنیکی یادگار موجود رہنے۔ جو یادگاری تحائف ہمکو دوسرے کمرہ میں ملیں گے۔ پھر ہمارے لڑکے کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ "میں جانتا ہوں کہ انگریزی سفارت کے ممبر کی حیثیت سے تم کوئی تحفہ نہیں لے سکتے۔ مگر میں تمہارے باپ کے بیٹے کو تحفہ دیتا ہوں" سلطان المعظم دروازہ تک ہمارے ساتھ آئے مگر اس دفعہ مجھے اپنے بازو کا سہارا نہ دیا۔ ہمنے دروازہ پر پھر شکر و امتنان کا اظہار کرکے مودبانہ سلام کیا۔ اور منیر پاشا چھوٹے کمرہ وہاں سے ہمکو ہمراہ اسی کمرہ میں لیگیا۔ جہاں ہمنے پہلے انتظار کیا تھا۔ صادق بک بھی ہمیں یہیں آملا۔ منیر پاشا نے وہاں سفید ململ کا ایک بڑا تھیلا جیب سے نکالکر اسمیں سے تین پیکٹ جو سفید کاغذ میں بندہے نکالے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک پیکٹ دیدیا۔ میرے خاوند کو طلائی سگرٹ دان تحفہ دیا۔ اسپر سلطان المعظم کا طغرا ہیروں میں بنا ہوا تھا اور حاشیہ پر بڑے بڑے حجم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ مجھے ایک نہایت خوبصورت ہیروں کا موباف جوڑیکے لئے عطا ہوا۔ اسکے ساتھ ہی ہیروں کا بنا ہوا ایک پرندہ تھا جسکی دم زمرد اور لعل کی تھی۔ یہ پرندہ بطور جگنو گلے میں بھی پہنا جا سکتا ہے۔ اور پیچ سے موباف کے ساتھ بھی جڑ سکتا ہے۔ جو دونوں ملکر نہایت ہی خوبصورت زیور بنجاتے ہیں۔ میرے لڑکے کو بھی خالص کندن کا سگرٹ دان ملا جسپر سلطان المعظم کا طغرا ہیروں میں بنا ہوا ہے۔ یہ پروفیسر کے سگرٹ دان سے چھوٹا ہے۔ اُسے اس تحفہ کو اپنے پاس رکھنے کی اپنی گورنمنٹ سے اجازت منگوانی پڑی تھی۔ جو اُسے عطا کر دی گئی۔ ان شاہانہ تحائف کو دیکھکر ہماری زبان سے خوشی اور تعجب کے جو کلمات بے اختیار نکل گئے۔ انکو سنکر منیر پاشا نے کہا کہ "جو کچھ تمنے کہا ہے اسے فی الفور سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کرنا مجھپر لازمی ہے۔" اور اسطرح سے ہمکو اس غیر معمولی عنایت و نوازش شاہانہ کا جو ہمارا اقامت کے دوران

ہمارے حال پر مبذول رہی۔ شکر و امتنان ظاہر کرنیکا ایک اور موقع ملگیا۔ ہمیں دروازہ تک خود میزبان پہنچا کر چھوڑ گیا۔ کوئی خادم سامنے نہ آیا۔ اور ہم محل یلدیز سے اسکو بلند مرتبت سکونت گزین کیلئے پسندیدگی و محبت اور رحم کی مخلوط احساس کو دل میں لیے ہوئے رخصت ہوگئے۔

یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ جو وہ شخص بلا شک و شبہ اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز اور نہایت ہی لطف میزبان ہے گفتگو و تکلم میں کمال خوش اخلاق مہربان اور بیدار مغز ہے۔ اور جو بیحد خواہش دوسروں کو خوش کرنیکی رکھتا ہے کیا وہی آدمی ہے جسنے اور کچھ نہیں تو کم از کم ارمینیوں کے قتل عام میں چشم پوشی اور مسامحت کی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ انکو بچوں سے بہت محبت ہے۔ جب ہم ٹرکی میں تھے۔ تو ہمنے سُنا تھا۔ کہ انکے محل میں ایک کمرہ نہایت خوبصورت اور بیش قیمت کھلونوں سے جو پیرس سے منگوائے گئے ہوتے ہیں بھرا ہوا ہے۔ اور جونہی وہ سنتے ہیں۔ کہ کسی لیڈی کے ساتھ اسکا بچہ بھی شاہی حرم سرا میں آیا ہے تو وہ ان میں سے ایک دو کھلونے بطور تحفہ لیڈی مذکور کو ارسال فرما دیتے ہیں۔ انگلستان میں عام خیال ہے کہ اگر سلطان المعظم چاہتے تو وہ اس مہیب قتل عام کو جو جا بجا انکے نام سے کیا گیا۔ روک سکتے تھے۔ مگر مجھے اسکے ماننے میں کچھ کلام ہے جو عیسائی انکی سلطنت میں رہتے ہیں۔ انکو بیشمار رعایتیں حاصل ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے انکے لیے ممنوع نہیں۔ ہیں۔ کئی سفراء اور کئی وزیر عیسائی ہیں۔ اسکی نظیر نہ انگلستان بلکہ ہندوستان میں بھی نہیں ملتی۔ سلطان المعظم کو تخت کے ساتھ ہی ایک ایسی مشکل ورثہ میں ملی ہے جسکا بظاہر کوئی تدارک نہیں معلوم ہوتا۔ انکی عیسائی رعایا بلحاظ تعلیم و ذہانت و دولت و حشمت اور اقتدار سلطنت کا سب سے زیادہ زبردست حصہ ہے۔ ادہر ترک تعداد میں زیادہ اور صلیبی لڑائیوں اور فتح قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی اقوام کے باہمی جھگڑوں کے طفیل ملک کے مالک ہیں ان دونوں حصوں کے تعلقات کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ ترک اور عیسائی وقتاً ایکدوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ جب کبھی کہیں بغاوت پھوٹ پڑتی ہے۔ تو سلطان المعظم یا انکے وزراء کے پاس یہ حکم دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ کہ جسطرح ہو بغاوت کو فرو کیا جائے۔ عیسائی خود ہی بتائیں کہ جب دو قومیں جو ایک ہی گورنمنٹ کے ماتحت ہوں۔ ایکدوسرے سے سخت عناد رکھتی ہوں۔ تو وہاں اور کیا چارہ ہو سکتا ہے! ہندوؤں کی بہتری اور فلاح کیلیے انگریزی گورنمنٹ نے جو کچھ کیا تھا۔ وہ دنیا میں پوشیدہ نہیں مگر انکی طرف سے ایام غدر میں جو بے محل محض اور نامناسب سفاکی ظہور میں آئی ہے اسکی کوئی نظیر ہو سکتی ہے۔ پھر اسکے عوض میں جب ہزارہا باغی توپوں کے سامنے اڑا دیے گئے۔ تو ابناءِ ملک سے مخفی نہیں کہ لارڈ کیننگ پر بھی سخت اعتراض کیے جاتے ہیں تھے کہ انہوں نے باغیوں کے ساتھ بہت ہی نرمی کی ہے۔ سلطان المعظم جانتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرح بھی غیر مسلم رعایا کی

طرفداری کریں۔ تو یورپ میں انکی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور انکی مسلمان رعایا انکے مقابلہ پر اٹھ کھڑی ہوگی
ناظرین کو یہ بھی خیال رہے کہ سلطان کی سلطنت میں ایک جماعت نوجوان ترکونکی بھی ہے جو آرمینیوں سے بڑھ کر
انکی حکومت کیلئے خطرناک ہے۔ اور جو محض اپنے سلطان المعظم کی وفادار چلی آتی ہے کہ جماعت مذکور کو
عیسائیوں سے دشمنی ہے ان دونوں قوموں میں ایسا سخت عناد ہے کہ وہ قطعی طور پر کبھی دور نہیں ہو سکتا
صرف یہ ہو سکتا ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً عارضی طور پر عناد کے اظہار اور لڑائی میں التوا ہوتا رہا ہے۔
مگر اسکا قطعی خاتمہ صرف دو صورتوں میں ہی ہو سکتا ہے۔ یا عیسائی بالکل معدوم کردیئے جائیں یا مسلمان
یورپ سے نکال دیئے جائیں۔

کیا یورپین دول نے اس مسئلہ کے متعلق درست وطیرہ اختیار کیا ہے؟ اور کیا انہوں نے صرف
عیسائیونکی حمایت کا بیڑا اٹھا کر اس امر کو فراموش نہیں کردیا۔ کہ ترکی رعایا کو بھی بدانتظامی
ٹیکسونکی زیادتی اور کئی دیگر سختیونکی شکایت ہے۔ فرق فقط یہ ہے کہ ترک ان سختیونکو عرصہ دراز سے
خاموشی اور تحمل کے ساتھ برداشت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اف نہیں کرتے۔ برعکس اسکے ارمنی مدت سے
برسر بغاوت اور شورش پشت چلی آرہی ہیں اگر فی الحقیقت یورپ یہ اصرار کریں۔ کہ ٹرکی کی کل طرز حکومت ہی ازسرتا پا
ایسی خراب ہے۔ کہ اسے قایم رہنی دینا ناممکن اور یورپ کیلئے باعث شرم ہے۔ اور جبتک ترکوں کا باسفرس
سے ورلی طرف رہنا گوارا کیا جائے۔ یہ لازمی امر ہے۔ کہ انکی حکومت تہذیب و تمدن کے مسلمہ
اصول کے مطابق ہو تو اس صورت میں ہوا خواہان اصلاح جماعت جو نوجوان ترکی جماعت کے نام سے موسوم ہے
ان کی طرف مائل ہوجاتی۔ اور ٹرکی کی عیسائی رعایا بھی یورپین دول سے فرنٹ نہ
ہوتی۔ اور پھر یہ مجتمعہ اور متحدہ اقتدار اور دباؤ کل سلطنت کے لئے ڈائنامائٹ اور بمب کے
گولے پھینکنے کے بغیر دربار سلطانی سے ضروری اصلاحات حاصل کرلیتے۔ اور یورپ کو وہ
خوفناک مقاتل عام نہ دیکھنے پڑتے۔ جو حصول اصلاحات کیلئے ناجائز وسائل اختیار کرنے
کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔[۱]

(قسطنطنیہ حصہ اول ختم ہوا)

---

[۱] لیڈی صاحبہ نے آرمینیوں کی قتل عام۔ نوجوان ترکی پارٹی۔ اصلاحات اور سلطان المعظم کی منشاء ارادہ اور انکی کارروائی کی نسبت جو کچھ تحریر کیا ہے۔ اسکے متعلق میں کچھ تحریر کرنے یا لیڈی صاحبہ کی بعض غلط اسناد لااثات و قیاسات کی تردید کرنیکی کوئی ضرورت نہیں دیکھتا۔ میں اس بارہ میں رسالہ مفروضہ مظالم آرمینیا۔ واقعات روم لسیت سالہ عہد حکومت امیر المومنین عبدالحمید خان خلد اللہ ملکہ اور تاریخ خاندان عثمانیہ میں مفصل تحریر کرچکا ہوں۔ مترجم

قسطنطنیہ حصۂ دوم

(جزو دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسطنطنیہ کی سیاحت اور وہاں کی پُر فضا سینری اور نظاروں کے متعلق انگلستان کے زندہ سیاح اور مشہور مصنف مسٹر مورین کرافورڈ حسب ذیل لکھتے ہیں

فتح قسطنطنیہ

آنحضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے ارشاد فرمایا تھا۔ مبارک[1] و مغفور ہونگے وہ لوگ جو قسطنطنیہ کو فتح کرینگے[2]۔ اس موعودہ مغفرت و برکت کو حاصل کرنیکے لئے بیشمار جان توڑ لڑائیاں اور کئی دلیرانہ معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ آنحضرت کے صحابی ایوب رضی اللہ عنہ اس فوج کشی میں شہید ہوئے جو سب سے اول ترکوں نے مشرقی رومن سلطنت کے دارالخلافہ کو فتح کرنے کیلئے کی تھی۔ عیسائی مجاہدین[3] نے شہر کو فتح کرکے قدسے قلیل برکت حاصل کی۔ اور ایک ہفتہ کے اندر اندر اس قدر تباہی ڈالی کہ تمام دوسرے فاتحین نے بارہ صدیوں میں بھی اُسے ایسا ویران اور برباد نہ کیا تھا۔ آخر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ہمنام اور جانشین

---

[1] حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اس شہر کے متعلق یہ حدیث مروی ہے اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (میری امت کا اول جو لشکر قیصر کے شہر پر فوج کشی کریگا اسکے لوگ مغفور ہونگے) دوم لتفتحن القسطنطنیۃ والنعم الامیر امیرھا والنعم الجیش جیشھا (قسطنطنیہ فتح کیا جائیگا اور کیا اچھا امیر ہے اسکی فوج کا امیر ہوا اور کیا اچھی وہ فوج جو اس فتح کے حاصل کرنیوالی فوج ہو۔ مترجم

[2] یہ فوجکشی معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ خلافت میں بقول بعض ۵۲ھ بقول دیگر میں کی گئی تھی جسکا اختتام ۵۴ھ میں صلح پر ہوا تھا۔

[3] یہ مجاہدین بیت المقدس کو مسلمانوں سے فتح کرنیکے لئے یورپ سے علاوہ ہوئے تھے۔ مگر راستہ میں اپنا ہی مذہب سلطنت کے دارالخلافہ کا محاصرہ کرکے ۱۲۰۴ء میں اسے فتح کر لیا۔ اور بالڈون کے زیر حکومت قسطنطنیہ پر لاطینی بادشاہی قائم ہو گئی۔ جو ۱۲۶۱ء تک قائم رہی۔ (مترجم)

محمد فاتح جیسے ترک اب تک اپنے کل دوسرے فاتح و منصور سلاطین پر ترجیح دیکر
فاتح کے ممتاز لقب سے پکارتے ہیں اس فتح سے دب ہوا قسطنطین اول کی وسیع و عظیم الشان
سلطنت گو اسکے آخری ہمنام کے زمانہ میں صرف شہر کی چار دیواری تک محدود ہو گئی تھی - لیکن محمد کو
اس چند میل مربع کیلئے بھی جو سینٹ صوفیا اور قلعہ رومیلی حصار کے درمیان ہے کئی برس لڑائی کرنی پڑی
اس فتح کیواسطے اسکو ناقابل تسخیر بڑے بڑے قلعے تعمیر کرنے پڑے - بڑی بڑی خندقیں کھودنی پڑیں
اور حملہ آور بیڑہ کی جہازات کو پانی سے باسفرس کے کنارے پر اٹھانا پڑا جو وہاں سے پہیوں اور گراریوں
کی مدد سے خشکی پر کھینچ کر خلیج گولڈن ہارن میں لے گئے - اور ان ابتدائی مرحلوں کو طے کر کے بعد عین
آخری وقت سخت جاں گداز اور خونخوار لڑائی کرنی پڑی -

آخری قیصر اپنے شہر کے دروازہ پر جان توڑ کر پیدل لڑتا ہوا ہلاک ہوا - اور فاتح گھوڑے پر سوار
مقتولین کی لاشوں پر سے گذرتا ہوا آیا صوفیا کے جنوبی حصہ میں داخل ہوا - جہاں اسنے قریب ترین
ستون پر اپنا خون آلود ہاتھ مار کر اپنی فتح کا خونی نشان لگا دیا - جو ابتک دکھائی دیتا ہے فاتح کے
داخلہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے - اسکی صحت اور درستی کا میں ذمہ وار نہیں - تاریخ نہ سہی کم از کم روایت
یہی کہتی ہے - فی زمانہ تو گرجے کی چار دیواری کے اندر کوئی خونریزی ہونیسے ہی قطعاً انکار کیا جاتا ہے
اور وثوق کیساتھ کہا جاتا ہے کہ جو عیسائی اسمیں جمع ہوئے تھے - انکو بلاکشت و خون گرفتار کر لیا گیا تھا
تاہم ہم لوگ جو اس ترقی و تہذیب کے موجودہ زمانہ میں بستے ہیں - اور وہ زمانہ ایسا ہے کہ اسمیں فوجوں کی
فوجیں پلکوں سے تباہ کر دیجاتی ہیں - اور سلطنتیں کھمبیوں کی طرح ایک رات میں پیدا ہو جاتی ہیں اور
اور گولی سے پھولوں کی طرح ایکشن جو بن دکھا کر دوسری صبح دھوئیں کی طرح معدوم و فنا
ہو جاتی ہیں اور ایسی بے ثبات ہوتی ہیں کہ مندرجہ بالا استعاروں میں سے کبھی کوئی ایک
فی الحقیقت ان پر پورا پورا صادق نہیں آسکتا - ان مختصر دو ٹوک و ظالمانہ کارناموں
کو جو مذہبی اعتقاد اور دینی پرجوشی کے پرانے زمانہ میں وقوع میں آتے تھے - انکے منصفانہ عمل ہونیکی
وجہ سے بے اعتقادانہ نظر محبت سے دیکھتے ہیں اور انکو کبھی غلط تصور کرنا گوارا نہیں کر سکتے
آجکل کے زمانہ میں سلطنتیں ایکدوسری سے لڑائی کرنیکے لئے مدتوں پہلے اپنی لمبی چوڑی تجویزیں کرتی رہتی اور
تدابیر سوچتی رہتی ہیں - کہ انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے - اور وہ چاہتا ہے کہ کیوں نہیں پہلے
زمانہ کی طرح جھٹ پٹ معاملہ کو یکسو کر دیا جاتا - اس انیسویں صدی میں اب جو معرکہ کی جنگ ہوتی
اسمیں شریک ہونیوالی سلطنتوں کی طول و طویل فوجی تیاریاں اور جنگ کرنیوالی فوجوں کی نقل و حرکت

اور اجتماع کی تجاویز کے طومار پر جو جنگ مذکور کی بٹھا پر جو عمل میں لائی جائینگی گھنٹوں غور
کرتے رہنے کی بجائے انسان کا دل یہی چاہتا ہے۔ کہ وہ اس عالی شان مسجد کے نیم تاریک مسقف
رستے میں کھڑا ہو کر ایک لمحہ کیلئے اسے درست یاد کرلے کہ نیم مہذب تبرز دآزما (یعنی محمد فاتح)
نے عیسائی خون کا نشان اسپر اس امر کی علامت میں لگایا تھا کہ اب وہ اسکی ملکیت ہو گئی ہے
اگر یہ معاملہ صحیح ہے۔ تو اس ایک چھاپہ میں اور اگر یہ محض روایت ہی تو اس روایت میں مشرقی کل تاریخ
اور داستان مرکوز ہے جسوقت یہ چھاپا لگایا گیا تھا۔ اسوقت مغرب نے مشرق کا مقابلہ کیا۔ اور
اسکے سامنے ہزیمت یاب ہوا۔ اسوقت جو گذشتہ زمانہ کی باتیں تھیں۔ وہ نسیاً منسیاً
ہو گئیں۔ اور استقبال حال ہونا شروع ہو گیا۔ نئی سلطنت کے قائم کرنیوالوں نے جنکے ہاتھ خون سے
رنگے ہوئے تھے۔ قدیم سلطنت کے آخری حصن حصین کو مار لیا۔ اور قسطنطین جسٹینین اور یونانی
قیاصرہ کا قسطنطنیہ ہمیشہ کیلئے صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ اور یہ بے بہا مرصع زیور جو تین اقوی سمندروں
کے محل اتصال پر جڑا ہوا ہے۔ یورپ کی گردن سے اتار لیا گیا۔ تاکہ ایشیا کی تاج میں گوہر شب تاب
کا کام دے۔ قیصر جسٹنین۔ اسکی قیصرہ تھیوڈورا اور اسکے اندھے سپہ سالار بیلی ساریس
الغرض زمانہ گذشتہ کے تمام یونانی نامورونکی روحیں اور انکے آثار ان تمام وسیع در و دیوار
اور ستون دار گیلریوں اور ایوانوں سے جو استنبول کے نیچے پھیلے ہوئے تھے۔ ابد الآباد کیلئے غائب
ہو گئی۔ اور انکی مذبوح آل و اولاد اور ورثا کی لاشوں سے ابھی خون جاری ہی تھا۔ کہ انکو ورثہ کے
مالک نے اپنی قوم اور اپنی ذات کیلئے اس خیر و برکت کے عطا ہونیکی دعا مانگی جسکا تقریباً ۸ سو برس پیشتر
رسول اللہؐ نے وعدہ فرمایا تھا۔ (یعنی جامع ایا صوفیا میں نماز شکرانہ ادا کی)

تاریخ عالم میں ایسا بہت کم ہوا ہے۔ کہ کوئی شہر ایک ہزار برس سے زیادہ تک ایک سلطنت کا دارالخلافہ
رہکر چوبیس گھنٹوں کے اندر دوسری ایسی سلطنت کا دارالخلافہ ہو جائے جسکے بانی مبانی اور رونق دہندگان
مغلوب قوم سے۔ مذہب۔ ملت۔ زبان اور اوضاع و اطوار اور رسم و رواج میں قطعاً مختلف اور متضاد
ہوں۔ یہ طبعی امر تھا۔ کہ محمدؐ کی فتح قسطنطنیہ کی حالت میں جو اچانک تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ وہ
اہمیت اور نوعیت میں بہت ہی بڑا تغیر ہو۔ لیکن پھر بھی جو کچھ انقلاب ہوا اس سے فاتح کی
اوصاف حمیدہ کی بدیہی شہادت مل رہی ہے۔ اسدن سے لیکر آج تک میرے یقین میں قسطنطنیہ میں کسی عیسائی
یا یہودی کو ایذا نہیں پہنچائی گئی۔ استنبول پیرا اور اسکودرہ دستنوطی کو یکجا کرکے دیکھا جائے تو ترکی دارالخلافہ
میں آجکل عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے غالباً زیادہ پائی جائیگی جسکا باعث ترکوں کی بے تعصبی کے سوا اور کچھ نہیں

ہو سکتا۔ گو انکی اس صنعت کا عام طور پر چنداں اعتراف نہیں کیا جاتا۔ یہ بیشک سچ ہے کہ جب بڑے گرجا
کی مسجدیں بنالی گئی تھیں اور جہاں جہاں ان میں صلیب کے نشان تھے وہاں وہاں ہلال کا نشان بنا دیا گیا تھا
اور مزید براں انکی دیواروں پر اولیا۔ فرشتوں اور مشرک لوگوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان پر
فی الفور چونہ کا پلاستر کرا دیا گیا جس سے اکثر تصویریں ہمیشہ کیلئے نظر سے چھپ گئیں اور اسلام کی سخت
سادگی پسندی نے ان تصویروں کی جگہ چند نام اللہ۔ محمد۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ لکھوائے
استنبول کی ہر مسجد میں یہ آٹھوں نام نہایت خوبصورتی کے ساتھ عربی خط میں آٹھ سپروں پر لکھے ہوئے
ہیں۔ جو مسجد کے اندر آویزاں ہوتی ہیں۔ اور دنیا میں شاید ہی کوئی مسجد ایسی ہوگی جس میں اس طرح
یہ نام نہ لکھے ہوئے ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ تسلیم کرنے سے چارا نہیں ہو سکتا۔ کہ ترک فنا کنندگان نہ
تھے۔ بلکہ برعکس اسکے انہوں نے اپنی مساجد کیلئے عیسائی گرجے کا نمونہ پسند کیا۔ چنانچہ ترکوں نے جقدر
مسجدیں قسطنطنیہ میں تعمیر کی ہیں۔ وہ تقریباً سب کی سب کم و بیش ایا صوفیہ کا نمونہ ہیں۔

قسطنطنیہ کی دلچسپی اور اسکے نام میں ایسا جادو ہونیکی جو فی الفور لوگوں کو اسکی طرف کھینچ لیتا ہے بڑی
وجہ میرے خیال میں یہ ہے۔ کہ وہاں ہر ایک عمارت اور ہر ایک چیز کے متعلق جو صدیوں کے انقلابات سے اب تک
بچی چلی آتی ہیں طرح طرح کی مختلف روایتوں کے طومار در طومار موجود ہیں۔ [illegible] ایا صوفیا کو اور
دوسری چیزوں کو چھوڑ دیجئے ڈلفی کے ستون کے بے سر سانپ کو جو آتمیدان میں کھڑا ہے۔ نمونہ سمجھ لو۔ اور قسمت کی اس سہ سرے سانپ
کے ستون کو جو ڈلفی سے قسطنطین کے ہاتھوں قسطنطنیہ منگوایا گیا۔ جہاں وہ اس موقعہ پر کھڑا کیا گیا جسکا ڈلفی کے مندر کے
بت نے ابتدا میں حکم دیا تھا۔ اس انتقال کی متعلق روایتیں عجیب و غریب افسانوں سے بھری ہوئی ہیں۔

اس روایت میں بھی قصہ اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔ کہ جب محمد فاتح مشرقی سلطنت کے دار الخلافہ کو تیسرا
نام دینے کیلئے شہر پر قابض ہوا۔ تو اس نے شہر میں داخل ہونے کے پہلے ہی دن اپنے جنگی تبر سے سانپ کا
تیسرا سر اڑا دیا۔ اس میں کلام نہیں کہ قدیم زمانہ کی موجودہ چیزوں میں بہت کم ایسی ہیں جن کا
بانی تھولس کی اس یادگار سے زیادہ پرانا اور گہرا تعلق دنیا کی قدیم ترین تہذیب سے چلا آتا ہو۔ اسکے
سر غائب ہو گئے ہیں مگر اور سب طرح سے سالم ہے۔ وہ آتمیدان میں مشرق کی تہذیب ہوپ میں تن تنہا
کھڑی ہوئی ہے۔ اور کسی اور انقلاب کا انتظار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ شاید ایک صدی
بھی گذرنے نہ پائے اور کسی تربت کے ہاتھ اسکو یہاں سے اٹھا کر لیجائیں۔ اور دوسری جگہ اسکو کھڑا کر کے
اسکو پھر بدستور مندر بنا دیں۔ اور اسکے تینوں سروں کو پھر اسیطرح درست کر دیں جسطرح کہ وہ یونان اعظم کی وفات کے پہلے
فونیس اور پیلو کے زمانہ اقتدار میں تھے۔ کون جانتا ہے کہ شاید وہ فاتح پیدا ہو چکا ہو۔ جو اللہ اور محمد

اور جہازوں کی ناموں کے ڈھالوں کو اکھیڑ کر انکی جگہ پھر طلائی صورتیں جڑ دیگا۔ مگر خواہ نوشتۂ تقدیر میں ایسا واقع ثبت ہی ہو۔ میرا شدن ناجسمیں انقلاب عظیم ہے۔ اسکو مقرر ذکر کرنا نہیں چاہتا تاہم یہ کہدینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ خواہ عثمانی قوم کبھی ان پھر ایشیا کو اسی گمنام گوشہ میں جا پڑے۔ جہاں سے وہ آئی تھی۔ قسطنطنیہ جسکا نام بھی شاید بدل جائے۔ بدستور قدیم پھر بھی شرق کا دارالخلافہ ایشیا کی طلائی کلید اور ایسا گوہر تابان رہیگا جسکی ہوس تمنا ہر تاجدار کو ستاتی رہیگی اور جسپر قیامت تک دنیا کی طامع قومیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں گی۔

ترکوں کے اوصاف

قسطنطنیہ کی سب سے حیرت انگیز چیز اسکی بیحد چہل پہل اور بارونقی ہے جسنے اسکو باوجود اس قدر انقلابوں کی جو بمنزلہ موت کے تھے۔ ابتک قایم و برقرار رکھا ہے۔ ٹرکی کو "مرد بیمار" اور قسطنطنیہ کو جو دنیا کی نہایت ہی بارونق اور آباد شہروں میں سے ہے ویران و بوسیدہ کہنا ایک معمولی بات ہو گیا ہے مگر جس شخص نے غلطہ پل کے کسی سرے پر جو بیس گھنٹے بھی ٹھہرے ہوں۔ وہ استنبول کی چکبول اور غلطہ پل خود غلطہ کے پر ہجوم بازاروں یا اس سے اوپر کی محلہ پیرا کی نسبت کبھی یہ گمان نہیں بھی بے رونقی کا بعید ترین شائبہ تک کا تصور نہیں کر سکتا یورپین سیاح خواہ وہ اسٹریا کے راستہ آئے یا اٹلی کی راہ دارالخلافہ کی چہل پہل رونق شگفتگی اور گرمی بازار دیکھکر دنگ رہ جاتا ہے۔ دنیا کی کسی اور شہر میں غالباً کو بنی نوع انسان کی اس قدر مختلف قسمیں ایکدوسرے کے دوش بدوش گذرتی دکھائی نہیں دیتیں یورپ کے ہر ایک ملک و ایشیا کی ہر ایک قوم کے آدمی وہاں موجود ہیں غلطہ پر جو سفید پوش اہلکار میونسپلٹی کا محصول وصول کرنے پر مامور ہیں حضرت آدم کی موجودہ نسل کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ ترین نمونے انکو محصول کا پیسہ دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا کے اکثر دارالخلافوں کی طرح یہاں یہ بات نہیں۔ کہ کسی خاص خط و خال یا رنگ کے لوگ دوسری قسموں سے زیادہ پائے جائیں بلکہ سب طرح کے لوگ یکساں بیشمار نظر آتے ہیں یہ خود ترکوں کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا انکو ایک قوم کے افراد تصور کیا جائے۔ یا مختلف اقوام کے افراد کا مجموعہ سمجھا جائے۔ اسلام نے ایک مشترک رشتہ سے وابستہ کر رکھا ہے۔ تم کسی مسجد میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں خالص النسل ترک جسکے رنگ کی صفائی ناروے کے باشندہ کے چہرہ کی رنگت کو بھی ماند کر رہی ہوگی۔ افریقہ کی تاریک عمیق جنگلوں کے سیاہ ترین حبشی کے دوش بدوش رکوع و سجود میں مشغول دکھائی دیگا اور جونہی تم مسجد میں داخل ہو دونوں کی نظریں بالکل ایک ساتھ خود بخود تمہارے قدموں کی طرف پڑینگی۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا تم بوٹ اتار کر یا اُنکے پا برہنہ (موزہ)

پہنے ہوئے ہو یا نہیں جو بالعموم ہر مسجد کے دروازہ پر اس غرض کیلئے رکھے رہتے ہیں رومن کیتھولکوں کی طرح مسلمانوں میں بھی مشترک اعمال و رسومات بکثرت ہیں اور اس کثرت و عمومیت میں کمی نہیں کہ کوئی چیز ایسی موثر ہو کہ انسان مسلمانوں کے اس تقاضا و طلب کو کہ انکی عبادتگاہ کا احترام کیا جائے اختیار عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے میں اس موقعہ پر شروع شروع میں ہی ناظرین سے یہ کہدینے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کہ بلاد مشرق کی متعدد سیاحتوں اور قدرے رہائش کے بعد مجھے ذاتی تجربہ سے خالص ترکوں کی اوصاف حمیدہ کا پورا پورا الیقین ہو گیا ہے۔ مگر خالص ترک کی شرط لازمی ہے۔ یونانیوں۔ ارمنوں۔ ایرانیوں اور افریقیوں نے اپنی آپکو ترک مشہور کر کے اور بعض اوقات سرکاری عہدے ملجانے پر انکے فرائض بد دیانتی سے ادا کر نیسے ترکوں کو بدنام کر رکھا ہے ورنہ ترک بذاتہم نہایت شریف النفس اور دنیا کی اعلیٰ اور غالب قوموں میں سے ہیں وہ بالطبع خوبصورت دراز قامت۔ کمال جفاکش۔ متحمل اور بے اندازہ مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ انکا رنگ نکھرا ہوا اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں وہ متین۔ پاکیزگی پسند اور ایسے دیانتدار ہیں کہ اپنا نقصان گوارا کر لیں گے لیکن دیانت اور صداقت کو کبھی نہ چھوڑینگے۔ اس معاملہ میں وہ چالاک یونانیوں اور ارمنوں سے جو ان کا خون جگر پی پی کے موٹے ہو رہے ہیں۔ کبھی برسر نہیں آسکتے۔ بلاد مشرق میں عام کہاوت ہے کہ ایک ارمنی کو دغا دینے کیلئے دس یہودی اور ایک ایرانی کو دغا دینے کے لئے دس ارمنی درکار ہوتے ہیں خالص ترک ایسے بدمعاشوں سے بھلا کب پورے پنٹ سکتے ہیں۔ وہ ان شریر متفنیوں سے ویسے ہی برسر آ سکتے ہیں۔ جیسے شاید کہ خود بدمعاش ایک متوسط ذہانت کے ہندو بنئے سے۔ قسطنطنیہ کی عجیب و غریب مخلوط الاقوام آبادی ہی ترکوں کی سادگی اور شرافت کا بدیہی ثبوت ہے ترک آسانی کے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ انکی سادگی سے فائدہ اٹھانیکے لئے دنیا کی چار کونٹ سے لوگ قسطنطنیہ میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس امر کو ذہن نشین رکھکر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کھڑا ہو جائے۔ اور تھوڑی دیر کیلئے اپنے دماغ سے بھی کام لینے کی تکلیف اٹھائے تو اسے اس بیان کی پوری پوری تصدیق ہو جائیگی۔ ملک کی پیداوار کم ہے اور ممالک غیر سے بھی زیادہ مال داخل نہیں ہوتا۔ وہ گویا بحیرہ روم اور بحیرہ اسود کے درمیان بحری راستہ کا ایک پڑاؤ ہے۔ پس ان یونانیوں اور ارمنوں کے جم غفیر جو پیرا کے بلند ترین مقام سے لیکر یدی قلہ اور دروازہ ایڈریا نوپل کے قرب و جوار یعنی استنبول کی انتہائی سرے تک کھچا کھچ بھر ہوئے ہیں اگر ترکوں کو نہیں لوٹ رہے تو اور کس چیز پر گذارا کر رہے ہیں۔ اور فربہ و مالدار بن رہے ہیں۔

کیا تمکو قسطنطنیہ میں کبھی کوئی ایسا یونانی یا ارمنی مالدار ملا ہے؟ جو سرکار سے کسی امتیاز اجارہ ٹھیکہ یا کسی اور

خاص رعایت کیا طلب گار نہ ہو۔ اور کیا ان امتیازات۔ اجاروں یا ٹھیکوں کی بدولت ترکوں کو آخر بد نیت اجارہ داروں کو تاوان اور ہرجانے نہیں دینے پڑتے؟ کاروباری لوگوں کو اس قدر انبوہ کی کھپت اور انکی گذارہ کیلئے بیشمار کارخانے، کوٹھیاں۔ اجناس کی منڈیاں اور ریلوے لائنیں درکار ہیں مگر کیا حسب ضرورت کارخانے اور کوٹھیاں وغیرہ کہیں دکھائی دیتی ہیں؟ پھر یہ لوگ کس طرح گذارہ کر رہے ہیں؟ کاروبار کے بہانے سے ترکوں کو لوٹ لوٹ کر۔

غلطہ پل سے نظارہ

غلطہ پل کی خوبیوں اور اسکی دلکش منظر کی پوری پوری کیفیت پہلی نظر میں نہیں بلکہ کچھ دیر مشاہدہ کرتے رہنے کے بعد واضح ہوتی ہے۔ اسے وینس اور فلورنس کی سر دو شہرہ آفاق پلوں کا مجموعہ کہنا چاہیئے۔ پل کشتیوں پر بنا ہوا ہے اسکے درمیان ایک جوڑ ایسا ہے جسے حسب ضرورت ہٹا کر جہازوں اور کشتیوں کے لئے رستہ بنا لیا جاتا ہے۔ یہ ٹکڑا صرف رات کو ہٹایا جاتا ہے۔ پل عرضاً تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ میں گاڑیوں اور پیدل مسافروں کا رستہ ہے۔ دوسرے حصے میں جو چنداں عریض نہیں چھوٹی چھوٹی دوکانوں اور قہوہ خانوں کا قطعہ ہے۔ اور تیسرا وہ حصہ ہے جہاں دخانی جہازوں پر چڑھنے اترنے یا مال اتارنے چڑھانے کیلئے پلیٹ فارم بنے ہوئے ہیں۔ کل سال کا اوسط نکالکر مینے سرسری طور پر اندازہ لگایا ہے کہ ہر روز غلطہ پل پر سے ۲۸ ہزار آدمی گذرتے ہیں اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسکودرہ اور باسفرس کو جانے کیلئے پل پر سے گذر کر جہازوں کی گھاٹوں کو چلے جاتے ہیں اس پل پر ایک ایسا مقام ہے جہاں انسان گھنٹوں آرام و چین کر قہوہ اور سگرٹ نوش کرتے ہوئے پل پر سے گذرنے والوں ایک پلیٹ فارم یا گھاٹ سے جہازوں پر اترنے چڑھنے والوں اور غلطہ سے قائق چپوں اور حمالوں کی اوضاع و اطوار اور طریق و دستور کو جو غلطہ کی طرف سرے پر پل سے مشرق کی طرف کی گھاٹ پر جمع رہتی ہیں۔ بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ اکثر یورپین سیاح جو نکو اس مقام کی خبر نہیں یہ خوشگوار مقام اس قہوہ خانہ کا ایک گوشہ ہے۔ جو استنبول کو جاتے ہوئے پل کی بائیں طرف سب سے پہلے آتا ہے۔ اس قہوہ خانہ میں ایک وسیع ہوادار اور کمال پاکیزہ و ستھرا کمرہ ہے۔ اور کمرہ کے تین طرف دریچے ہیں جن میں سے ہر وقت گرم سے گرم دن میں بھی ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے کمرے کے اس گوشہ میں بیٹھ جاؤ۔ جو پل اور نیز غلطہ سے قریب ترین ہے، اور شکرلی (میٹھی) یا سادہ (بلا قند) قہوہ کی ایک پیالی تیار کی جانے کا حکم دیکر اپنا سگرٹ سلگالو اور مشاہدہ شروع کردو۔ جو منظر تمہارے پیش نظر ہوگا۔ وہ ایسا رنگ برنگی اور کثیر الالوان ہوگا کہ آنکھیں چندھیا جائیں گی پھر لطف یہ کہ وہ رنگ ساکن نہیں ہونگے بلکہ سیر بین کی رنگین تصویروں کی طرح رواروی گذرتے چلے جا رہے ہونگے۔ سب سے اول جو چیز آنکھوں کو محسوس ہوگی وہ فس (ترکی ٹوپیوں) کی کثرت اور نہایت ہی سینکڑوں نہایت شوخ سرخ رنگ کی بالکل ہم شکل نیم مخروطی

ٹوپیاں ادہر سے ادہر اور ادہر سے ادہر سرخ پھولوں کی جھنڈوں کی طرح تقریباً ایک ہی سطح پر حرکت کرتی اور ایک دوسری کے
پاس سے گذرتی دکھائی دینگی - فیض کو سلطان محمود ثانی الملقب بہ مصلح نے جنہوں نے یونانی ٹوپی میں
تھوڑا سا ردوبدل کرکے اختراع کیا تھا - سوائے دیگر سرکاری ملازموں کے سر کی پوشش قرار دیا تھا -
ان کو وہ بہاری بہاری ہوتا ہیں جنکو پہلے فوج اور تمام سرکاری اہلکار باندھتے تھے منسوخ کر دیا - فیض رنگ
کی شوخی کو اگر عیب سمجھا جائے - تو یہ ٹوپی بڑا اچھا خوشنما اور خوش شکل نہیں مگر اس میں کلام نہیں کہ
ساتھ ہی مستعمل اور ستھری ضرور ہوتی ہے - اس سر کی پوشش میں یکرنگی و یکسانی پیدا ہو گئی ہے
اور لمبے سیاہ ریشمی پھندنے کی وجہ سے جو کہ ٹوپی کے نیچے پر جڑے ہوتے ہیں سپاہیوں کے سرخ چہروں پر ایک قسم کا رعب
وجلال برسنے لگتا ہے - لیکن ابھی عمامے بالکل ناپید نہیں ہو گئے - وہ ابھی تک موجود اور بکثرت مروج
ہیں - جو زیادہ تر سفید یا سبز رنگ کے ہوتے ہیں - اکثر غربا اس امر کے اظہار کیلئے کہ وہ مسلمان ہیں اپنی
ٹوپیوں کے گرد سفید یا سبز کپڑا لپیٹ لیتے ہیں - سفید اور سبز رنگ کا عمامہ علما کا امتیازی لباس ہے
اسے وہی پہنتے ہیں جنہوں نے دینی تعلیم پائی ہو - گو یہ ضروری نہیں کہ وہ بالضرور علما کا کام بھی کرتے
ہوں - علما کی باقی پوشاک بھی قدیم طرز کی ہے یعنی گھیردار تنگ آستین کا سیدھا سادہ چوغہ جو
سامنے سے کھلا ہوتا ہے - اور اسکے نیچے سے سفید سیدھی قمیص اور کلابتون کے کام کی صدری دکھائی
دیتی رہتی ہے پھر ڈھیلی شلوار - اور بہت چوڑا کمربند جو سرخ کے سوا اور سب رنگوں کا ہوتا ہے مگر اب زیادہ
رواج یورپین طرز کے لباس کا ہے - فوجی وردیاں ہوبہو جرمن فوج کی وردیوں کی نقل ہیں - اور سویلینوں
اور غیر فوجی اشخاص کا لباس مغربی یورپ کے شرفا کے لباس سے ملتا جلتا ہے - علما رعب داب اور
متانت کے ساتھ چلتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے لباس کی خوشنمائی پر نازاں اور اس کی
فوقیت سے باخبر ہیں جنکے سر پر سبز پگڑی ہو - اسے جانو کہ پیغمبر کے خاندان سے ہے جو حضرت ابراہیم
کے خاندان کی طرح جسکے بڑھانے کا خدا نے وعدہ کیا تھا - کثرت میں صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر ہو گیا ہے
مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب بنو فاطمہ سید ہیں - سادات کی نسل سے ہونیکے دعوی میں اکثر سچے ہیں
کیونکہ سبز کپڑے کا نشان خاندان میں ابا عن جد چلا آتا ہے - اور باپ سے بیٹے کو ملتا ہے - بس
یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص جسکا خاندان پشتوں سے ایک جگہ رہتا ہو اپنے آپ ہی یہ نشان لگا کر سید بن جائے -
ہاں کوئی گھر سے باہر جاکر ایسا کرے تو وہ دوسری بات ہے - سیدوں کے گھر انکی عورتیں بھی بڑ گھروں میں سبز ریشمی یا
سوتی کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا بطور نشان اپنے کپڑوں پر لگا لیتی ہیں مکانوں سے باہر ان عورتوں کو بہت ہی شاذ و نادر
دیکھا جاتا ہے - شاید ریشمی یا فرجیہ کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہوگا - فرجیہ اس گھیردار جبہ کو کہتے ہیں جسکا تمام

عورتیں گھروں سے باہر نکلتے وقت گردن سے پاپوش ایڑیوں تک پہن لیتی ہیں۔ جو تمام سب عورتوں کی اعلیٰ درجہ کے ولایتی چرطہ کی ہوتی ہیں لیشمق اب وہ نہیں رہ گیا۔ جو دس برس پہلے تہا۔ موجودہ یشمق چہرہ کو چھپانے کا مطلق کام نہیں دیتا۔ سلطان المعظم نے اسبارہ میں سخت احکام جاری کر رکھے ہیں۔ مگر کوئی عورت ان کی تعمیل کی پروا نہیں کرتی۔ آجکل اکثر صرف پیشانی کو باریک سی سفید ململ کے نقاب سے ڈھانپکر نقاب کا باقی حصہ ٹھوڑی کے نیچے گچھا کر دیتی ہیں۔ وہ دوہری پٹی جو آدہی چہرہ اور ناک پر ہوتی تہی اب بالکل غائب ہو گئی ہے۔ یا صرف اس وقت پہن لی جاتی ہے۔ جبکہ آب شیریں جیسی تفریح گاہوں میں ہوں۔ یا اپنی قائیقوں میں بیٹھکر خلیج گولڈن ہارن اور باسفرس کی سیر کر رہی ہوں۔ پرانی طرز کے نقابوں کا رواج ہٹ جانیسے قسطنطنیہ کے بازاروں سے ایک بڑا دہوکہ اور چھلاوا دور ہو گیا ہے۔ ان نقابوں سے انسان کی طبیعت خواہ مخواہ اُلجھتی تہی۔ کیونکہ کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے۔ سفید پٹیوں میں صرف آنکھیں دکھائی دیا کرتی تھیں جو تنہا دیکھے جانے پر کمال سیاہ طرح دار ست اور دلاویز نظر آتی تھیں اسوقت خواہ مخواہ یہی خیال ہوتا تہا کہ اس یشمق کے نیچے حور کا چہرہ پنہاں ہے مگر اب نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ باریک یشمقوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ وہ سب سراب ہی تہا۔ ورنہ پہلے بھی وہی زرد رنگ اور نحیف چہرے ہوتے تہے۔ جو اب دکھائی دیتے ہیں۔ ترکی مستورات کے حسن کی یہ کیفیت دیکھکر مجھے اکثر تعجب ہوتا تھا۔ کہ شاید انکے حرم سراؤں میں آئینہ کا عام رواج نہیں ورنہ وہ اس بضاعت پر اپنے یشمقوں کو باریک نہ کرتیں۔

مگر قہوہ خانہ کے دریچوں میں بیٹھے ہوئے متحرک انبوہ کو دیکھا سوں۔ خط و خال کی پوری پوری جانچ میں سر کھپانیکی اصلاً فرصت نہیں مل سکتی۔ جو کچھ تمہیں وہاں سے نظر آئیگا۔ وہ یہی ہے کہ متحرک دہوپ اور چمک اور سایہ اور رنگ آپسمیں مل جلکر عجیب شاندار کھچڑی بنا رہے ہیں۔ مشرقی و مغربی طرز معاشرت کا حیرت افزا اجتماع اور گڑ بڑ ہو رہی ہے۔ ادہر ایک نہایت ہی صاف و شستہ پوشاک کا آدمی ہے اور ادہر اسکے شانہ بشانہ غلیظ ترین انسان موجود ہے۔ یہاں ایک فوجی ایجوٹینٹ زریں کمر بند لگائے عرب گہوڑے کو سوار جا رہا ہے۔ ادہر دوسری طرف ایک کمال بدبخت اندھا اور لنجا گداگر ہاتھ پھیلائے "ان پارہ" ایک پیسہ راہ خدا میں دیتے جاؤ کی مسلسل ہانک رہا ہے۔ ہمجگہ کوئی سید آل رسول سبز عمامہ باندہے جاہ و تمکنت کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے۔ اُسکے قریب ہی بغایت زرد رنگ کوئی ترکی لیڈی سفید وسیاہ فرجہ میں چھپی ہوئی بیفکرانہ جا رہی ہے۔ اور اسکے پیچھے پیچھے اسکی شوخ چشم حبشن کنیز ہے جسکا نقاب اپنی خاتون کے نقاب سے بہی ہلکا اور ڈہیلا ڈہالا ہے۔ کہیں کوئی متبرک صورت ملائی بالکل

ہلکا سبز یا فولادی بھورے رنگ کے کپڑے اور لمبی نوکدار کلاہ پہنے سر و چشم جھکائے چلا جا رہا ہے کہیں کوئی نوعمر فوجی طالب علم جسکی عمر غالباً بارہ برس سے زیادہ نہیں چست وردی ڈانٹے اکڑتا چلا جا رہا ہے - اور ایک ترش رو حبشی غلام اسکے ساتھ ساتھ ہے - اور اگر وہ لونڈا ذرا بھی دائیں بائیں ہو تو فی الفور اسے گھونسہ رسید کر دیتا ہے یہ نظارہ کچھ دیر آنکھوں کے سامنے رہتا تھا کہ لو یکبارگی انبوہ پھٹ جاتا ہے - اور ایک شاندار گاڑی جسمیں بجلی کی طرح کوندتی ہوئی گذر جاتی ہے اسمیں غالباً کوئی سفید ریش چست کوٹ - متین و ثقہ وزیر سلطنت سوار تھا - جو سلاملق کو جا رہا ہوگا - یا یلدز کوشک سے باب عالی کو واپس آ رہا ہوگا - اگر گاڑی بند بروام تھی اور اس سے آگے اردلی بھی کچھ سوار تھے - تو سمجھ لو کہ اس میں خاندان قیصری کے بیشمار شاہزادوں میں سے کوئی خفیف بدن و نفیس مزاج زرد رو دق زدہ شہزادہ سوار تھا - انسانی سروں کا یہ دریا سفید دھوپ میں ادھر سے ادھر لہریں مارتا رہتا ہے - اس کے پرے سمندر کا شفاف نیلگون پانی اور اسی رنگ کا آسمان اور دور فاصلہ پر پہاڑیوں کی باریک سی دھاریاں نظارہ کی دلفریبی کو غایت درجہ تک بڑھائے دیتی ہیں یہ درخشاں سیلاب پل پر سے اس طرح گذرتا رہتا ہے جیسے پگلی ہوئی دھات کی دھار بھٹی سے نکلکر دوڑتی ہوئی سانچہ میں گرتی رہتی ہے - اور کل نظارہ کچھ ایسا دلکش اور دلاویز ہے کہ انسان کے حواس تقریباً مبہوت ہو جاتے ہیں -

اسکا یہ حیرت افزا اثر صرف نو واردوں پر ہی نہیں پڑتا - بلکہ تم دیکھو گے کہ وہ موٹا تازہ تونند یونانی بھی جو تمہارے قریب چرمی بنچ پر بیٹھا ہے اس نظارہ کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے - حالانکہ طفولیت سے اسکی آنکھیں اس سے مانوس ہو رہی ہیں اور اسکے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں وہ باورچی ہے اور اسکی آنکھیں صفرا زدہ ہیں - ہمکو اس کا باورچی ہونا اس سے معلوم ہو جائیگا کہ وہ نارگیلہ (حقہ) پی رہا ہے - اور جن لوگوں کی قسطنطنیہ کے قہوہ خانوں میں عام آمد و رفت رہی ہے اُن سے پوشیدہ نہیں کہ تمباکو نوشی کی یہ طرز تقریباً محض اسی پیشہ والوں کی پسندیدہ خاطر ہے وہ چولہے میں آگ کو روشن رکھنے کی مسلسل کوشش کرتا ہے مگر اس کے اور نیز حقہ کی آواز کے باوجود غلطہ پل کے دوپہر کے وقت کے دلفریب منظر سے اسکی بیمار و زرد آنکھیں ایک لحظہ کیلئے نہیں ہٹتیں صوبجات متحدہ امریکہ کے مغربی ساحل کے مشہور بندرگاہ سان فرانسسکو کو لیکر چین کے دارالخلافہ پیکین تک کل دنیا میں اسکی نظیر موجود نہیں - اور نہ کوئی اور منظر ایسا دلفریب و صعدار - شوخ شگفتہ - مختلف الانواع اور جامع الضدادات و عناصر مختلفہ ہے - ان بیشمار آدمیوں میں سے

جو ہر لحظہ نظر سے گذرتے ہیں۔ اور انسانی بود و باش کے دو حصّوں (استنبول و پیرا)
کے درمیان جو صرف ایک تنگ سی رہگذر سے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی طرح
ادھر سے ادھر تانتا باندھے ہوئے ہیں۔ ڈس بیس ہی کی قطع وضع اور تراش خراش
کی پوری کیفیت و نظم و نثر یا افشا میں بیان کرنی حیطۂ انسانی سے خارج ہے۔ یہاں
سر تا نو در کنار انسانی تصور کے پائے ثبات ایسا کرنے کی کوشش سے ہی ڈگمگا جاتے ہیں۔

قسطنطنیہ کا منظر

اول اول قسطنطنیہ کو دیکھنے پر جو نقشہ میرے دل پر قائم ہوا۔ اُسے میں مدت العمر فراموش نہیں
کر سکتا۔ اس سے بعد خوش نصیبی سے مجھے کئی مرتبہ قسطنطنیہ کو سال کے مختلف موسموں اور دن کے
مختلف وقتوں اور حصوں میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر پہلی دفعہ کے نظارہ کی دلچسپی اور خصوصیت
کو ما بعد کا کوئی نظارہ نہیں پہنچا۔ جبھی یا ہر کہ فروری کا مہینہ تھا۔ جبکہ ہمارا اسٹیمر بحیرۂ مارمورا سے باسفورس میں داخل ہوا
اسوقت سخت برفباری ہو رہی تھی برف کے پھنے ایسی سرعت و کثرت کے ساتھ گر رہے تھے کہ بمشکل کوئی بھی
عمارت بھی صاف صاف دکھائی دے سکتی تھی۔ مگر جونہی ہمارا جہاز جامع ایا صوفیا کے بالمقابل پہنچا
برف یکبارگی بند ہو گئی۔ بادل پھٹ گئے۔ صاف نیلگوں آسمان برآمد ہو گیا۔ اور سمندر کے پیچھے سے صبح کا
آفتاب نکل آیا جس سے استنبول پر روشنی چھا گئی۔ اسوقت کا سماں کمال حیرت افزا تھا۔ ہر
ایک گنبد اور مینار برف سے ڈھنپا ہوا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا یہ تمام خوبصورت شہر چاندی
کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے۔ اور پھر صناع دستکاروں نے اُس پر طرح طرح کی کندہ کاری کر دی ہے۔
نازک مینار روشنی کی کرنوں کی طرح سر بفلک دکھائی دینے لگ گئے۔ اور ایسا شمشاد چاندی کے
طرے معلوم ہوتے تھے۔ حتی کہ یدی قلہ بھی جو مغربی فصیل کی انتہا پر واقع ہے۔ خالص سنگ مرمر کا
مکان نظر آ رہا تھا۔ صرف سمندر کا رنگ اور تھا۔ چند لحظہ پہلے وہ غلیظ و کثیف سا تھا۔ اب دھوپ
کی چمک سے وہ یک لخت سخت نیلگوں رنگت کا ہو گیا۔ جو نیلم کی بجائے زیادہ تر لاجورد کے مشابہ تھی
اس نظارہ کی کیفیت ہرگز بیان نہیں ہو سکتی۔ دنیا کسی اور حصہ میں دیکھا ~~ ~~ ایسا منظر میں نے عمر بھر
یہ کیفیت چند لحظے ہی اپنی جھلک دکھا کر کافور ہو گئی۔ ابر پھر گھر آئے۔ روشنی دور ہو گئی۔ برف پڑنی
شروع ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر تک بارش اور بعد ازاں برفباری ہوئی۔ اُسوقت ہم خشکی پر پہنچ گئے تھے۔ گلیوں
کے کیچڑ سنسانی۔ چھت نالوں کی بوچھاڑوں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے جو ہڈی کے گودے کو بھی یخ بنا رہی تھی
ہماری بُری گت بنی۔ اور دل یہی چاہتا تھا۔ کہ فوراً ہوٹل پہنچ جائیے۔ تاکہ کسی آرام دہ کمرے میں آتشدان

کے پاس لبسیرا کیا جائے۔ ممکن ہے اس دوسری کیفیت نے ہی پہلی کیفیت کو دماغ کے خانۂ یادداشت
میں اسکی قدر سے زیادہ نمایاں جگہ دلادی ہو۔ مگر یادداشت کے بعض مبالغے کچھ ایسے خوشگوار ہوتے ہیں
کہ انسان کو اُن پر کچھ تاسف نہیں ہوتا۔

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے میں نے قسطنطنیہ کی تصویر کو ایک اور روشنی میں جو پہلی سے بالکل ہی مختلف
ہی دیکھا تھا۔ ایکدن مجھے محلہ قاضی کوئی[1] میں دیر ہوگئی اور شام پڑ گئی مگر چونکہ رات ضرور پیرا واپس جانا تھا
میں نے چار چپوؤں کی قائق کرایہ کر لی۔ گرمی کی بہار تھی۔ چاند چھٹی یا ساتویں رات کا تھا۔ اور خوب روشن چمک
رہا تھا۔ مگر شمال کی طرف دور فاصلہ پر کچھ ابر دکھائی دیتے تھے۔ اور سطح سمندر پر سرد و تیز ہوا چل رہی تھی کشتی
آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی کہ بادل بڑھتے بڑھتے چاند تک پہنچ گئے۔ اور جب ہم توپ کاپو کے مقابل
پہنچے تو طوفان رعد و برق پورے زور سے شروع ہوگیا۔ یکبارگی کمال تاریکی چھا گئی اور بجلی کے لمعوں کی دھندلی روشنی
اور سمندر کی سفید جھاگ کے بغیر جو سامنے نظر آرہی تھی اور سب چیزیں دکھائی دینے سے رہ گئیں پانی کی بڑی بڑی
بوندیں پڑنے لگ گئی تھیں لیکن ملاح روشنی کے مینار موسومہ مینار لینڈر کی سرخ روشنی کی مدد سے جو ہمارے عقب
اور دائیں رخ تھا کشتی کو برابر کھیتے گئے۔ اتنے میں بجلی بھی چمکنی شروع ہوگئی تھوڑے تھوڑے لمحوں کے بعد اسکی
چمک سے دونوں شہر پیرا اور استنبول ایسے روشن ہو جاتے کہ دور دور کے مکانات کے دریچے اُنکی عمارتوں کے دیگر جزئیات
اور حتی کہ مسجدوں کے مناروں کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی صاف دکھائی دیجاتیں اسوقت بعینہ یہی معلوم ہوتا تھا
کہ سارا شہر آگ کے شعلوں سے مشتعل ہوگیا ہے جو دوسرے ہی لمحہ بجھ جاتے ہیں اور پھر یکبارگی روشن ہو جاتے ہیں

قسطنطنیہ کا سب سے بہتر نظارہ جسکا اثر بہت دیر پا رہتا ہے گرمی کے موسم میں نظر آتا ہے۔ اُن دنوں مسلسل دھوپ کی
کرنوں سے ہر گلی کوچہ اور کونہ صبح سے شام تک یکساں روشن رہتا ہے۔ اور انکے سامنے تاریکی و سایہ اس طرح
غائب ہو جاتا ہے جس طرح گرمی نمی کو چوس لیتی ہے۔ اس موسم میں تم دیکھو گے کہ ان سقاؤں کو جو سلطان احمد کے
خوبصورت فوارہ کے زرین جنگلے کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں مومن و کافر بلا تمیز مذہب کل پیاسوں کو ٹھنڈے
پانی کے چھوٹے چھوٹے کٹورے دینے سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی یہ وہ دن ہیں جبکہ گلیوں کے کتے اپنا لڑنا
جھگڑنا بھول جاتے ہیں اور روشن سایہ میں جو دوسرے شہروں کی دھوپ کے برابر ہوتا ہے۔ گرمی کے مارے ہانپتے ہوئے لیٹے
رہتے ہیں اور ایسی عادت رکھتے ہیں کہ ہر ایک رہگذر رحمدلی ترک ہو جاتا ہے انکو تکلیف دینے کی بجائے خود ایک قدم پرے
ہٹکر گذر جائیگا۔ کوئی یونانی یا ارمنی تو ہو جو خود ایک گڑبڑی ہو جانیکی بجائے بیچارے کتوں کو بوٹ کی ضرب سے
سڑک کے نصف پار پھینک دیگا۔ محل توپ کاپو سرائے کے ایوان اور مسقف رستوں میں گلگشت کرنیکا مزہ
ابھی اسی موسم میں آتا ہے۔ اس محل میں ایک مختصر سا کتب خانہ بھی ہے جسمیں خاندان عثمانیہ کے سلاطین کی

[1] قاضی کوئی ایشیائی ساحل پر اسکودار کے قریب واقع ہے اور پیرا یورپی ساحل پر غلطہ کے اوپر ہے (مترجم)

کی عجیب اور حیرت بخش تصویریں کھی ہیں۔ مگر وہ ہر ایک کو نہیں کھائی جاتیں۔ محمد فاتح - بایزید صوفی،
سلیمان عظیم الشان - احمد اول - بانی شش مینار جامع مسجد - محمود مصلح قاتل ینگچریاں و رولج وہند فیس
اور دیگر اکثر سلاطین نے اسی وسیع و فراخ محل میں اپنی زندگیاں بسر کی تھیں۔ یہ سلاطین تھے تو ایک ہی خاندان
کے۔ مگر ہر ایک کی امنگیں اور خواہشیں ایکدوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ یعنی ایسی عیاش منش تھے
کہ رومن قیصروں کے وہم و گمان میں بھی ویسے عیش و عشرت کے سامان کبھی نہ گذرے تھے۔ بعض
سپاہی منش اور سادہ طبیعت اور سخت مزاج۔ چند کمال رحمدل اور بعض سفاک و خونخوار۔ مگر
مطلق العنانی میں البتہ سب یکسان تھے۔ فرق یہ تھا کہ بعض اصولاً تو اسکے قائل تھے۔ مگر عمل نہیں کرتے
تھے۔ بعض اسپر عامل تھے۔ اور باقی میں دونوں باتیں تھیں۔ ان سب کی تصویریں یہاں موجود ہیں
ہر ایک بادشاہ پورا سلح۔ شاندار درباری پوشاک میں ملبوس اور مرصع کلغی دار عمامہ باندھے ہوئے ہے
اکثر کے چہروں پر درشتی اور جلال برستا ہے۔ اسبات سے وہ بھی خالی نہیں۔ جن کے بشروں پر زنانہ
عیش و عشرت کے بھی تھوڑے بہت آثار پائے جاتے ہیں کیونکہ سلطان صرف بادشاہ (شہنشاہ کا مرادف)
ہی نہیں بلکہ "هندکار" (تلفظ منکیا) قاتل انسان کا بھی لقب رکھتا ہے۔ محل کی ڈیوڑھی میں
دونوں پھاٹکوں کے درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ جو مقتل کا کام دیتا تھا۔ وہیں بے شمار پاشا
وزرا اور ارکان سلطنت جلاد کی کمان کا شکار ہوئے تھے۔ چند لمحے پہلے ان کے دلوں میں
ارمان ہوتے تھے کہ سلطان ہمپر یہ نوازش کریگا۔ اور ہمیں فلاں عزت بخشے گا۔ مگر ان کو یہ خبر
نہ تھی۔ کہ قضا سر پر کھیل رہی ہے۔ سمندر کی طرف محل میں ایک چھوٹا سا پھاٹک ہے۔ اسکی نسبت
بیشمار روایتیں مشہور ہیں۔ مگر وہ ویسے مستند تاریخی واقعات نہیں۔ جیسے کہ متذکرہ صدر کمرہ
"جلاد اوداسی"[1] کے متعلق روایتیں معتبر ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ جن کنیزوں پر سلطان کا عتاب
وارد ہوتا انکو ٹاٹ کے تھیلیوں میں جنہیں پتھر وغیرہ ڈالکر اور بوجھل کر دیا جاتا تھا۔ بند کر کے اس
دروازہ کے رستہ سمندر میں پھینک دیا جاتا تھا۔ جہاں انکا جسم مچھلیوں کی خوراک بنجاتا تھا لیکن
اگر تمہارے ساتھ کوئی یونانی ہمراہ ہو۔ تو وہ تمہیں قسمیں کھا کر یقین دلائیگا۔ کہ پہلے سلطان متمول یونانیوں
کو یہ بتانے کیلئے جسمانی عقوبت پہنچایا کرتے تھے۔ کہ انہوں نے اپنا زر و مال کہاں چھپایا ہوا ہے
اور پھر انکی لاشوں کو اس دروازہ کے رستہ سمندر میں پھینکوا دیا کرتے تھے۔ لیکن سلاطین نے عیسائیوں کو
جو شاہی سندات عطا کی تھیں انہیں دیکھکر اس روایت پر مطلق اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مزید براں خود عیسائی
مؤرخین کی کتابوں سے بھی اس امر کی بہت ہی کم (جو نہ ہونیکے برابر ہے) تصدیق ہوتی ہے۔ البتہ خاتونان

[1] جلاد اوداسی کے لفظی معنی ہیں جلاد کا کمرہ - یہ کمرہ "دروازہ اوسط" کا پہرہ یعنی محل کے بڑے دروازے کے پیچھے ہے مترجم ۱۲

حرم کے قصے کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے حالات بیرونی دنیا کو شاذ و نادر معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس وسیع عظیم الشان محل کے کمروں میں سیّاح کو عالم تصور میں اب تک یہی محسوس ہوتا ہے۔ کہ اب تک نازنینانِ حرم کی دلآویز آنکھیں سفید یشمقوں میں سے اُسے دیکھ رہی ہیں۔ اس کتب خانہ کے شاہی قصوں میں کسی بیگم کی تصویر نہیں ہے۔ یہاں کی دکانداری اور خرید و فروخت بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ انگریزی میں مثل ہے کہ ہر شخص کا گھر اس کا قلعہ ہے۔ یہ ٹرکی میں ہر ایک شخص کی دکان پر لفظاً و معناً زیادہ صادق آتی ہے۔ ہر گاہک کا دوکان کے سامنے نمودار ہونا اسکی باقاعدہ محاصرہ کرنیکے برابر ہے۔ ٹرکی میں سودا پختہ کرنے پر لازمی طور پر بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اور یہی تعویق غالباً بازاروں میں ہر وقت انبوہ رہنے کا باعث ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی چیز کے خریدنے کا خواہشمند ہو جسکی قیمت عام معلوم یا ازروئے رواج مقرر نہ ہو تو خریدنے سے پہلے اسے کئی مرتبہ دوکاندار کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اگر ہر شخص کی نسبت قیاس کر لیا جائے۔ تو اُسے چار مرتبہ جانا پڑتا ہے۔ تو اسکا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہو گا۔ کہ بازار کے پیچ در پیچ رستوں اور بغلی گلیوں میں فی الواقع کاروبار اور خرید و فروخت کی مقدار کے مطابق جس قدر آدمی ہونے چاہئیں۔ اُن سے چوگنے موجود رہتے ہیں۔ یہ طریق واقعی بڑا تکلیف دہ ہے۔ جسوقت اول اول مطلوبہ شے نظر آئے۔ تو تم کو بالکل اندھا بن جانا چاہیئے۔ اور اپنا چہرہ ایسا قائم رکھو کہ گویا تمہیں اس چیز سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں۔ پھر دوکاندار سے کم از کم سو مختلف چیزوں کی قیمت پوچھو اور انہی میں اُس خاص چیز کی قیمت پوچھو۔ اگر تم چھوڑ جاؤ گے۔ تو سوداگر کو یہ شبہ ہو جانا امکان میں داخل ہے۔ کہ تم فی الواقعہ اسی چیز کے متلاشی ہو۔ معائنہ سے فارغ ہو کر قہوہ کی پیالی طلب کرو۔ اور دوکاندار سے کہدو۔ کہ ہمنے کوئی چیز خریدنی نہیں تھی۔ محض تفریح کے لیے قیمتیں پوچھتے رہے تھے۔ اسکے بعد چند دنوں کا وقفہ کرکے پھر جاؤ۔ اور متعدد اشیاء کا مول کرکے واپس چلے جاؤ۔ تیسری مرتبہ اگر تم شئے مطلوبہ کو زیادہ غور سے دیکھو۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو دام دوکاندار کہے اس کا تیسرا حصہ اسے بتاؤ۔ چوتھی مرتبہ معرکہ کی تیاری کرکے جاؤ۔ دوکاندار نے اگر دیکھ لیا۔ کہ تم بے حد متمول اور غیر مستقل مزاج نہیں۔ تو غالباً قیمت مطلوبہ کی دو تہائی پر فیصلہ ہو جائیگا۔ اور اس میں تم گھاٹے میں نہ رہو گے۔ لیکن دوکاندار کے مسلمان یا یہودی ہونیکی شرط لازمی ہے۔ عیسائی دوکاندار تو سر سے پاؤں تک مونڈ لیتے ہیں۔ اُن سے ایسے بچتے رہو۔ جیسے طاعون سے۔ یہ طریقہ بجائے خود بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ان متواتر جھگڑوں اور دوڑ دھوپ کا معاوضہ کافی مل جاتا ہے۔ بازار میں ہر ایک چیز پُراسرار ہے۔ اور اکثر خوبصورت بھی ہیں۔ اس ہیرا پھیری میں تمہیں انکی صفت میں

سیر ہوجائیگی۔ بازار کیا ہے! فصیلدار شہر کے اندر دوسرا فصیلدار شہر ہے۔ اور اس دوسرے شہر میں ایک ناممکن التسخیر قلعہ بنا ہوا ہے۔ جسکے چاروں طرف تنگ گلیاں، اور تاریک کوچے اور راستے موجود ہیں۔ کل مجموعہ پر جسکے پیچ در پیچ راستے بھول بھلیاں کو برے کرتے ہیں۔ اور خود وہاں کے رہنے والے بعض اوقات ان میں چکرا جاتے ہیں۔ ڈاٹ دار سقف ہے۔ جسپر دریچہ دار چھوٹے چھوٹے گنبد روشنی کیلئے بنے ہوئے ہیں۔ اس چھت کے نیچے دنیا کے ہر حصہ کے باشندوں کا جم غفیر کاروبار میں ادہر ادہر چکر لگاتا رہتا ہے۔ اور ہر دوکان اور کنج مغربی تہذیب اور مشرقی صنعت کی ہر ایک پیداوار سے پٹا ہوا ہے۔ مگر مشرقیت کی بو ہر طرف پائی جاتی ہے۔ یہ وہ بو ہے۔ جو نوواردوں کو تو بہت پیاری معلوم ہوتی ہے۔ مگر ان یورپینوں کو جنہوں نے مشرق میں رہائش اختیار کرلی ہو سخت ناگوار گذرتی ہے۔ الغرض کل دنیا میں یہ فخر استنبول کے بازار" چارشی" کو ہی حاصل ہے۔ کہ یورپ ایشیا، اور افریقہ تینوں براعظموں کی پیداوار ایک جگہ ایک دوسرے سے ملی جلی ہوئی موجود پائی جاتی ہے سب مرکزوں کا مرکز اور قسطنطنیہ کے سوداگروں کا محفوظ امانت گھر اور قلعہ " بازستان" درنہ فروشوں کی منڈی ہے۔ چارشی کے اس اندرونی حصہ میں کہا جاتا ہے۔ کہ انتہا زر و دولت موجود ہے۔ ہر قسم کے سکے جواہرات جملہ قسم کے قیمتی پتھر۔ ریشمی قالین۔ بیش بہا اقمشہ اور کارچوبی پارچات۔ سونا چاندی۔ اسلحہ اور ہر قسم کے مشرقی دستکاری کے بیش قیمت نمونے لکڑی کے صندوقوں میں ایسی بے احتیاطی سے رکھے ہوئے ہیں۔ کہ یورپین دیکھکر حیران رہجاتا ہے۔ ان صندوقوں کو کم بیش آہنی پتریاں اور پٹیاں تو لگی ہوئی ہیں۔ مگر قفل معمولی قسم کے ہیں۔ تاہم آجتک بازستان میں کبھی کوئی چوری نہیں ہوئی۔ اسمیں بڑے بڑے مضبوط پھاٹک ہیں۔ جو شام کو سویرے بند کئے اور زیادہ دن چڑھے کھولے جاتے ہیں اور سوداگروں اور دیگر امانت جمع کرنیوالوں نے بیشمار چوکیدار نوکر رکھے ہوئے ہیں۔ جو مشرق کے قدیم طریق کے مطابق جس کا یورپ میں بھی عنقریب رواج ہونے والا ہے۔ دن رات پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ عجیب و غریب قفلوں اور زنجیروں ڈبلیوں کے بنانے میں صدیوں تک اپنی ذہانت صرف کرکے یورپ کو اب یہ سمجھ آنی شروع آگئی ہے کہ سب سے بڑھکر حفاظت صرف زیادہ روشنی اور معتبر چوکیدار سے ہوسکتی ہے۔

اس جگہ جو سوداگری کا مال یا قدیم اشیاء فروخت کیلئے جمع ہیں انکی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کرنا سراسر فضول ہے ایسی فہرست ایکسو جلدوں میں بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ وہاں کوئی دو چیزیں یکساں نہیں وہاں انسان مشرق کی دستکاری کی مقدار عظیم۔ اسکی مختلف اقسام اور گوناگونی اور صنعتی خوبصورتی دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ اہل مغرب ان امور سے بیس برس گذشتہ کی نسبت اب زیادہ باخبر اور واقف ہیں۔ اسوقت

تو ایک معمولی تربیت یافتہ یورپین کسی قالین کو دیکھکر یہ تمیز نہیں کر سکتا تہا۔ کہ آیا یہ فرانس کے شہر جیبرڈ
کی ساخت ہے۔ یا سمرنا کی۔ لیکن ان دستکاریوں کو دیکھ کر انسان کے دل میں خود بخود یہ سوال اٹھتا ہے۔ کہ اگر وہ
بیشمار آنکھیں جو فضول کتابوں کی تحریر میں ذرات عرق ہستی ہیں۔ اور وہ بیرون از حد و حساب انگلیاں جنکا بڑا کام تم
ہے۔ کہ بنجوں کے ہاتھوں کیطرح بیکار رہیں۔ کسی ایسی مفید چیز کی تیاری میں مصروف ہوں جو مشین کی بجائے
بلکہ ہاتھ سے بنائی گئی ہو۔ تو کیا دنیا اب سے زیادہ دولتمند اور زیادہ خوبصورت نہو جائے؟

قسطنطنیہ کی دلفریبی زیادہ تر اُن تین سمندروں کی بے نظیر خوبصورتی پر منحصر ہے۔ جو اُس کی دیوار کے
نیچے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور ان تین سمندروں کی شہرت زیادہ تر انکی قایقوں کی طفیل ہوئی ہے
یہ امر متنازعہ فیہ اور قابل تصفیہ ہے۔ کہ آیا ترکوں نے اہالی وینس کی کشتی موسومہ گنڈولا کی نقل اتاری ہے
یا وینس والوں نے ترکی قایق کی۔ لیکن ان دونوں میں ایسی زبردست مشابہت ہے کہ یہ یقینی امر ہے۔ کہ ان
دونوں کی اصلیت مشترک ہے۔ گنڈولا سے اسکی چھتری اتار لو اور منقار نما اگلے حصہ کو ہٹا دو تو جو
باقی رہجاتا ہے۔ وہ ہو بہو قایق ہے۔ قایق اپنے حجم اور جسامت کے برابر کی تمام دوسری کشتیوں سے
سبک سیر کمال آرام دہ اور بآسانی قابو میں رہتی ہے۔ باقی رہے انکے ملاح وہ ترک ہوتے ہیں۔ جو یورپ بہرمیں بہترین
ملاح مانے گئے ہیں۔ اگر وہ ایسے نہوں تو ایک دن کام نہ کر سکیں۔ باسفرس اور گولڈن ہارن ہر قسم کی کشتیوں اور
جہازوں سے پر رہتے ہیں۔ اور انکا پانی اس تیزی سے بہتا ہے کہ ذرا سی غفلت بھی مہلک اثر رکھتی ہے
مزید بریں ان کشتیونکو عموماً فاصلے بھی ایسے ایسے لمبے طے کرنے پڑتے ہیں کہ معمولی لیاقت کا کشتی بان محض
تفریح یا کثرت کیلیے انکو طے کرنا گوارا نہ کرے ایسے دریا میں جسکی دھار بعض بعض جگہ چار یا پانچ میل فی گھنٹہ کی
رفتار سے چلتی ہو دھار مذکور کے مقابل ۱۵ یا سولہ میل تک کشتی کو کھینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

اجنبی اکیلا ہونیکی صورت میں قایق سے محترز رہتا ہے۔ کیونکہ ایک تو وہ کشتی بانوں سے کرایہ کا فیصلہ نہیں
کر سکتا۔ یا اگر رہنما ساتھ ہو اور اسنے سودا کرا دیا۔ تو ملاحونکے علاوہ صرف اسی اکیلے کی صحبت میں بیٹھنا پڑتا
ہے۔ اور وہ مسلسل بکواس کرتے رہنے سے دماغ کو چاٹ جاتا ہے۔ مگر یہ سواری نہ کرنے سے وہ گھاٹے میں رہتا ہے
کبھی جمعہ کی سہپہر کو گولڈن ہارن میں ایسے وقت جبکہ کشتی بحری کارخانہ سے پرے کی چوڑی کہاڑی میں داخل ہو
اور سورج پہاڑی کے عقب میں چھپ گیا ہو۔ خاموش ملاحوں کے بالمقابل کسی ساتھی کے بغیر تن تنہا گدی پر تکیہ
پر سہارا لگا کر بیٹھے ہوئے سگرٹ پیتے رہنے سے جبکہ کشتی تیزی کیساتھ سطح آب پر تیرتی جارہی ہو وہ کیفیت
حاصل ہوتی ہے۔ جو مدتوں نہیں بھول سکتی۔ خلیج جا بجا تنگ اور چوڑی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں وہ چوڑی ہوگئی
ہے۔ تو کچھ آگے جا کر یکبارگی تنگ ہو جاتی ہے اور اسی طرح پھر چوڑی اور پھر تنگ سایہ اور روشنی دوش بدوش پڑ رہی

ہیں سبز پہاڑیوں کا عکس برابر پانی میں پڑتا ہے چھوٹی چھوٹی ہلکی پھلکی کشتیوں کی رفتار سے پیدا شدہ ننھی
ننھی سی موجیں قایق جیون یعنے ملاحوں اور مردانہ سواروں کی سرخ ٹوپیاں سفید براق قمیصیں اور
زرق برق کی پوشاکیں اور زنانہ سواریوں کی سیاہ مخملی گونوں اور فریجوں کے گوناگون رنگ عجب دلکش سماں
بنا رہے ہوتے ہیں۔ جہاں دریا خلیج (جو) چوڑا ہو وہاں کل کشتیاں دستی پنکھا کیطرح اسکی سطح پر پھیل جاتی ہیں
اور ہر ایک کشتی والے کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ تنگ موقعوں پر سب سے اول وہی پہنچے ان تنگ موقعوں پر
کشتیوں کا پھر ہجوم ہو جاتا ہے اور اسوقت ملاحوں کی استادی ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ بھیڑ میں سے کسطرح
اپنی کشتیوں کو بچائے رکھتے ہیں اور کوئی تصادم نہیں ہونے دیتے اور شاذونادر اگر ایک کشتی دوسرے سے
چھو جائے تو طبیعت پر کیسا ضبط رکھتے اور ایکدوسرے سے قطعاً سخت کلامی یا گالی گلوج نہیں کرتے

ان تنگ حصوں میں جابجا خوبصورت چوبی پل بنے ہوتے ہیں اور خلیج کے کنارے ان موقعوں پر
پست اور سبز گھاس سے ڈھپے ہوئے ہیں۔ کشتیاں ان پلوں کے نیچے سے عجب پھرتی کیساتھ گذرتی ہیں
کناروں پہ جابجا چھوٹے چھوٹے گھنے جھنڈ ہیں۔ ہر ایک جھنڈ میں قہوہ فروش اپنی چھوٹی سی انگیٹھی جسمیں
ہروقت کوئلے دہکتے رہتے ہیں پانی کی صراحی اور مصفا پیالیوں کی قطار لگائے بیٹھا ہوا ہوتا ہے ان کناروں
اور مرغزار میں کنبوں کے ٹھنڈے گھنے سایہ میں ساری سہ پہر آرام کرتے رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے
گھاس پر ایک طرف جھرمٹ باندھے ہوتے ہیں اور مرد انسے کسیقدر فاصلہ پر آپسمیں ملکر بیٹھے ہوتے ہیں
عورتیں فریجوں سے سارے جسم کو لپیٹ کر اور اپنے نقابوں سے خوب احتیاط سے چہروں کو چھپا کر بیٹھتی ہیں
قیصری بنگلہ کے قریب درخت زیادہ گھنے ہیں اور لوگوں کا ہجوم بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے مصری میں نواز
اور تنبورے بجانیوالوں کی عجیب و غریب عربی سروں سے جنمیں سے بعض کرخت بعض معمولی مگر جو وقت کے گیر بھی
میں سب یکساں ہیں شام کی سہاونی فضا میں اور دلفریبی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لوگ آپسمیں کم بات چیت
کرتے ہیں چپکے بیٹھے یا لیٹے ہوئے قدرت کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔ البتہ سبطرف قفلیاں بیچنے والوں کی صدا
دو دونداره قیماق ملائی کی قفلیاں) برابر گونجتی رہتی ہے۔ محل سے اوپر درخت اور بھی بڑے گنجان اور بلند ہیں
اور خلقت کا وہاں زیادہ ہجوم ملتا ہے۔ اعلےٰ سے اعلےٰ اور نفیس سے نفیس گاڑیوں سے لیکر ٹوٹے ہوئے
دہقانی چھکڑے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئیں جابجا سائبان اور خیمے بھی موجود ہوتے ہیں
یہ دوکانداروں کے ہیں اور وہاں سے تم گوشت۔ ملائی پنیر۔ سادہ قفلیاں شربت قہوہ اور سگرٹ جو ہر شخص
کے منہ میں ہوتا ہے۔ خرید سکتے ہو۔
یہ وہ موقعہ جو یورپ کے آب شیرین کے نام سے مشہور ہے اس جگہ خوشگوار سایہ میں خنک آب رواں

کے قریب کچھ دیر بیٹھکر مشرق کی بھینی بھینی ملایم ہوا کا لطف اٹھاؤ اور اسوقت تک جبکہ شفق نمودار ہو جائے اور قایقین واپس جانی شروع ہو جایئں۔ اپنے تصورات کا مزہ اٹھاتے ہو یا اگر تمہاری طبیعت کاروباری ہو اور صبح کو تم خرید و فروخت کے لیئے بازار میں رہے ہو اور وہاں تمہیں کسی دوکاندار ایرانی قالین پسند آیا ہو تو وہاں لیٹ کر اس (یہودی) اسحاق یا موسیٰ لیا عیسائی، مارسٹو یا دیا سندار ترک دوکاندار مسمی عثمان بک کو قابو کرنے کی تدابیر سوچتے رہو۔

قسطنطنیہ کا رہائشی حصہ

کاروباری محلوں کے حدود اور سرکاری دفاتر اور وزارت خاتون کے قریب جو رستے پر قسطنطنیہ دنیا کے خاموش ترین شہروں میں شمار کیئے جانے کے قابل ہے یورپین لوگوں کی نظروں میں ترکوں کی خانگی معاشرت پر اسرار معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت وہ ایسی مخفی چیز نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہو دیگر بلاد کیطرح بلاد مشرق میں بھی گھر کے نوکروں کا یہی حال ہے کہ وہ اکھٹی ہو کر گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور آپسمیں عموماً ذکر کرتے رہتے ہیں کہ آج اُن کے آقاؤں نے فلان فلان کھانے کھائے انکی خاتونیں اتنی دفعہ بالونکو خضاب رنگتی ہیں۔ دن میں اتنی مرتبہ غصہ سے بے بس ہو جاتی ہے۔ اور اسقدر رقم کی دوکانداروں کی مقروض ہیں لیکن گو یہاں بھی سب چیزیں اسیطرح وقوع میں آتی رہتی ہیں جسطرح کہ انسانی بود و باش کے دیگر مقامات میں تاہم تنگ و تاریک کوچوں کے مکانات کے بند دروازے لو رجالی دار کھڑکیاں نامحرم کی نظر کو ہرگز اندر دخل نہیں پانے دیتیں۔ کاروباری حصص شہر کے مرکز یعنی بازار سے مغرب کیطرف جانے پر دوسرے حصوں کی نسبت بازاروں میں بہت کم عورتیں دکھائی دیتی ہیں لیکن جو باہر نظر بھی آتی ہیں انکے نقاب زیادہ دبیز اور چہرہ کے زیادہ حصہ پر پڑے ہوتے ہیں۔ یہاں ترکی آبادی ہے جو شہر کے وسط سے شروع ہو کر دروازہ ایڈریانوپل اور قہریہ مسجد کی جانب بڑھتی چلی گئی ہے۔ مکانات عموماً دو منزلہ ہیں اور مختلف الحیثیت۔ بعض نہایت مضبوط اور بعض بالکل بوسیدہ اور دوسرے ان دونوں کے بین بین ابھی تم کو پختہ اینٹوں یا پتھر کی نہایت خوبصورت نقیس و مصفا عمارت ملیگی۔ جسکے چہرے کے باہر کو نکلے ہوئے ہونگے۔ اور زینہ تک ایسے صاف و شفاف ہونگے۔ کہ بوٹ سمیت انپر چڑھنے کو دل نہ چاہیگا۔ اسکے ساتھ ہی دوسرا مکان ایک چھوٹا سا چوبی جھونپڑا ہوگا۔ جسکے تختے اور کڑیاں ایسی بوسیدہ و خمیدہ نظر آئینگی۔ کہ تم اسکو دیکھتے ہی حیران رہجاؤ گے یہ مکان قائم کس طرح ہے! اسکے بعد تمہیں غالباً کسی کفشدوز کم حیثیت درزی یا قہوہ فروش کا پست سا بدنما چھپر دکھائی دیگا چھپر سے آگے کسی فوارہ کا زنگ آلودہ جنگلہ اور بعد ازاں چار پانچ گز مربع کا چھوٹا سا قبرستان ہوگا۔ جسمیں قبروں کے سرہانے کے سنگی منار لمبے گھاس کیطرح جھکے ہوئے یا چاروں طرف لیٹے ہوئے ہونگے۔ اس

آگے پھر مکانات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا۔ جنمیں سے کوئی سیدھا اور مستقیم کھڑا ہوگا اور کوئی خم کھایا گیا ہوگا
پھر کوئی چھوٹی سی مسجد اُس سے آگے دو سرا قہوہ خانہ بعد ازاں گلی کا سرا جہاں لاغر بدن لڑکے کرایہ کیلیے
دو یا تین مضبوط گھوڑے (جو قسطنطنیہ میں اسی طرح کرایہ پر چلتے ہیں جیسے دوسرے شہروں میں گاڑیاں) پکڑے
ہونگے۔ پھر یہ گلی دوسرے بازار یا کوچہ میں جا ملیگی۔ غرض یہ نقشہ ہے ترکی آبادی کی گلیوں کا۔ جو پہاڑی
سے اوپر نیچے بازاروں اور کوچوں کے برائے نام قابل شرم فرش پر سے گذرتے ہوئے تم کو فصیل شہر کے
قرب وجوار تک دکھائی دیگا۔ البتہ مکانوں کی حیثیت اور بناوٹ آبادی کی ہر حصہ میں تمہیں کم و بیش
مختلف نظر آئیگی۔ فصیل کے برابر برابر زمین یکبارگی معقول فاصلہ تک پشتہ کی طرح دروازوں اور فصیل کے
کے کھیتوں کی سطح کے برابر بلند ہو گئی ہے*

مسجد قھریہ

ہر نووارد اور سیّاح قھریہ مسجد کو ضرور دیکھتا ہے۔ یہ کسی زمانہ میں یونانی راہب خانہ اور پرانا کنیسہ
تھی۔ اسکی عمارت تو مختصر سی ہے۔ مگر نقش ونگار اور تصویروں کی وجہ سے قابل دید ہے۔ مسجد کا ملا
خالص النسل روشن خیال ترک ہے۔ آنکھیں نیلی، بال بھورے اور رنگ نکھرا ہوا اُس کا سبز عمامہ بتا رہا ہے
کہ وہ آل رسولؐ ہے اور وہ تھوڑی سی فرانسیسی بھی بول سکتا ہے۔ اور اپنی مسجد کی عمارت کی خوبی
سے ویسی ہی دلچسپی رکھتا ہے جیسا کہ کسی عجوبہ پسند یورپین سیاح کو ہو سکتی ہے۔ اسی کی طفیل ہے کہ
مسجد کی دیواروں سے چونہ کے پلاستر کے حصّہ کو دور کر کے پرانے نقش ونگار اور تصویریں آشکارا کر
دی گئی ہیں۔ اور عمارت ہر وقت درست حالت میں رہتی ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں فدا سا کہ ابھی
مرمت طلب ہوا فوراً درستی کر دیجاتی ہے*

قسطنطنیہ کا نظارہ فصیل سے

متذکرہ صدر پشتہ کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قہوہ خانہ حال میں تعمیر ہوا ہے۔ وہاں سے شہر کا ایسا
نظارہ ہوتا ہے۔ جو باقی جوانب کے نظاروں سے بہت ہی مختلف ہے۔ اسطرف سے قسطنطنیہ کی شکل ہی بالکل
نئی دکھائی دیتی ہے باسفرس سے انسان کو مسجدوں کے گنبد اور مینار کے سوا جنمیں کہیں کہیں
تھوڑی تھوڑی سبزی یا سیاہ شمشاد یا سرو کے بلند درختوں کا سایہ بھی جلوہ فگن ہوتا ہے اور کچھ بہت ہی
کم دکھائی دیتا ہے مگر شہر کے اس سرے سے دیکھنے پر مکانوں کی نسبت درخت زیادہ معلوم ہوتے ہیں

لہ سبز عمامہ کا لازمی طور پر سادات کا نشان ہونا درست نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ خالص النسل ترک ہونا کچا اور
سید ہونا کچا۔ ہر نوع عمامہ کا نشان غلط ہے یا ملا ترک نہیں (مترجم)

شہر میں ہر جگہ ہری سبزی خاکی مائل چھتوں کے بیچوں بیچ ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ بائیں میں اور بائیں جانب خلیج گولڈن ہارن کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ زیر قدم نشیب میں مشہور قبر مسجد اور اسکا تین سرو میں اور دور فاصلہ پر سر عسکر کے قریب وجولرکی بڑی بڑی عمارتیں اور ایا صوفیا کا دھندلا سا خاکہ نظر آتا ہے۔

فصیل و یدی قلہ

شہر کے اس حصہ میں آبادی پتلی ہے۔ اور بظاہر تقریباً ویران سا معلوم ہوتا ہے جوں جوں زمین بلند ہوتی جاتی ہے مکان کم اور بہت سے بیڈول سے کشادہ میدان ملتے جاتے ہیں جن پر موسم بہار میں ہری ہری گھاس گرما میں بالشت بالشت بھر گرد و غبار اور سرما میں گھٹنوں تک کیچڑ ہو جاتا ہے شہر کے اس طرف گولڈن ہارن سے لیکر بحیرہ مارمورا تک وہ برجدار مستحکم فصیل چلی جاتی ہے جسکے سامنے ایوب جیسے نامور غازی کی کوئی پیش نہ گئی اور وہ اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں شہید ہوئے تھے اور یہ وہی فصیل ہے جسنے آخری محاصرہ میں محمد فاتح کو کئی ہفتہ شہر کے اندر قدم نہ دھرنے دیا تھا سمندر سے بالکل قریب قلعہ موسومہ یدی قلہ (ہفت بروج) واقع ہے جسے محمد فاتح نے تعمیر کیا ہے یہ اب بالکل ویران پڑا ہے۔ اسکا فراخ صحن بیٹھا۔ برج پھاٹک اور فصیلیں الغرض کل وسیع و فراخ کھنڈرات کا مجموعہ انقلابات زمانہ سے اب ایک بے نام و نشان ارمن موچی کا مسکن بنا ہوا ہے پہلے یہ شہر کا محافظ قلعہ اور گودام تھا پھر قید خانہ ہوا۔ جسمیں سلاطین قانون بین الاقوام اور تعلقات باہمی کے من مانتے معنی کرکے ان ممالک کے سفرا کو جن سے جنگ کا اعلان کیا جاتا تھا قید کر دیا کرتے تھے بعد ازاں یہ مدرسہ کا کام دیتا رہا۔ اور اب بالکل کھنڈر پڑا ہے پہلی دفعہ جب میں وہاں گیا تو حسب معمول پتھروں کی مینڈ میر سے مشہور خونی چاہ کو دیکھنے کیلئے بیرونی دروازہ سے گذرتے وقت ایک پتھر سے جو محراب کے نیچے پڑا ہوا تھا مجھے ٹھوکر لگی میں نے اسکو اٹھا لیا۔ وہ کسی عورت کی قبر کے سرہانے کے پتھر کا ٹکڑا تھا کیونکہ اسپر سرخ مٹی کا پھول پتھر کو کھود کر بنا ہوا تھا۔ جو عورتوں کی قبروں کا نشان ہے۔ مردوں کی قبروں کے پتھروں پر پہلے عمامہ اور اب فس کا نشان ہوتا ہے۔ پھول کے نیچے کتبہ کا کچھ حصہ موجود تھا جو ابھی تک بخوبی پڑھا جا سکتا تھا پہلے عربی زبان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اسکے نیچے ترکی میں چند الفاظ تھے جنکے معنی یہ ہیں ہمیں اس باغ عالم میں آئی مگر مروت و احسان کا کہیں پتہ و نشان نہ پایا" معلوم ہوتا تھا کہ آگے بھی کچھ عبارت موجود تھی مگر پتھر اسجگہ سے ٹوٹ گیا ہوا تھا۔ ان الفاظ میں عجیب بے حد درد بھرا تھا۔ خدا معلوم یہ عورت جو سالہا سال سے فصیل سے باہر مدفون ہے کون تھی مگر مجھے ایسا معلوم ہونے لگ گیا کہ گویا اس ناشاد عورت کی روح پھر واپس آکر اس باغ عالم

کے دروازہ کو کھٹکٹا رہی ہے۔ اور التجا کر رہی ہے کہ زندگی میں تو نصیب نہوا اب ہی کوئی تھوڑی سی مروت اور احسان کر گذرے۔ میری چاروں طرف سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی دھوپ باغ کی پژمردہ جھاڑیوں اور گرد آلود روشوں پر جو کسی زمانہ میں قلعہ کے صحن کی رونق تھا اور نیز سامنے کی ویران پہاڑسی منہدم مسجد اور خونی چاہ کی منڈیر پر جو کشادہ پھاٹکوں سے پرے تھا خوب تیزی سے پڑ رہی تھی اور اس ہو کے عالم میں اس ترکی عورت کی نامراد روح درمیانی محراب میں کھڑی بیفائدہ رحم و کرم کی درخواست کر رہی تھی جسکو پورا کرنیوالا وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

ارمن موچی کا بیان ہے کہ جب محمود مصلح نے ینگریوں کی فوج کو نیست و نابود کیا تو ینگیچریوں کے سر اسی کنوئیں میں پھینکے گئے تھے۔ وہ تاریک اور بہت گہرا ہے پانی اسمیں ابتک موجود ہے۔ مگر مقتولین کے سروں کی کوئی کھوپری اب غالبًا باقی نہیں رہ گئی ہوگی۔

قلعہ کی وسعت کا اندازہ کسی برج پر چڑھنے سے بخوبی ہو سکتا ہے فصیل پر کھڑے ہونیسے یہ بات حاصل نہیں ہوتی یہ برج بھی بجائے خود نہایت وسیع اور تاریک ہیں اور اکثر کے گرداگرد چوبی خانے بنے ہوئے ہیں جنمیں صرف دستی چوبی زینوں کے راستہ پہنچا جا سکتا ہے یہ خانے کسی وقت سپاہیوں کی خوابگاہوں کا کام دیتے تھے برجوں کے اندر پیچ در پیچ زینے ایسے تاریک ہیں کہ منی موچی کو راستہ دکھانے کیلئے روز روشن میں لالٹین جلا کر ساتھ لانی پڑتی ہے ان برجوں کے نیچے اوپر قید خانے بنے ہوئے تھے نچلے قید خانے کھڑکی دار اور بالائی بلا دریچہ تھے آخری یورپین سفیر جو یہاں قید ہوا فرنچ سفیر مسمی رفن تھا جو ۱۷۹۸ء میں ٹرکی اور فرانس میں جنگ کا اعلان ہونے پر نظر بند کیا گیا۔ جس کمرہ میں اسے قید رکھا جانا بیان کیا جاتا ہے اسمیں روشنی کیلئے صرف ایک سلاخدار دریچہ ہے جو دو فیٹ مربع سے بھی کم ہے۔ اور فرش سے اسقدر بلند ہے کہ بہت ہی دراز قد آدمی اسمیں سے باہر کو دیکھ سکتا ہے۔ اس امر کا سب کو اعتراف کرنا پڑیگا۔ کہ ترک قانون بین الاقوام کو جس سادگی اور دلیری سے بالائے طاق رکھکر ممالک اجنبیہ کے سفرا کو قید کر دیا کرتے تھے وہ خالی از ہیبت و جلال و دلچسپی نہ تھی برجوں کی کھڑکی جہتوں پر پچاس یا زیادہ برسوں کے عرصہ میں آندھیوں سے مٹی کے انبار جمع ہو گئے ہوئے ہیں اور انپر جھاڑیاں بوٹیاں بکثرت اگی ہوئی ہیں۔ موچی کا بیان ہے کہ مقتول سفرا کے روحین جنکے سر اسی طرح فصیلوں کے کنگرہ پر چن دیئے جاتے ہیں جیسے طرح لندن کے ٹمپل بار کے کنگرہ پر رات کو اس باغ آویزاں میں گشت کرتی رہتی ہیں۔

ترکوں کی معاشرت

اکثر دیگر ایشیائی شہروں کی طرح قسطنطنیہ کے باشندے بھی دو مختلف طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں

یعنے اندرون خانہ وبیرون خانہ اکثر ترک علی الصباح گہروں سے نکلجاتے ہیں۔ اور کام سے فارغ ہوکر سہ پہر کو شام کو کچھ پہلے ہی پہلے واپس آتے ہیں دنکو گہروں سے باہر بازاروں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ مگر جونہی کہ انکا کام ختم ہوجائے وہ فوراً گہر ونکو چلدیتے ہیں اور اگر اسوقت تم کسی ترک کو گہر پر ملنے جاؤ تو جواب ملیگا کہ وہ حرم میں ہے! اور وہاں سے اسکو بلایا نہیں جاسکتا حتی کہ نوکر اسے تمہاری آنیکی اطلاع کرنے سے انکار کردینگے لیکن اگر تمہیں اس سے سخت ضروری کام ہو اور ملاقات کئے بغیر چارہ نہو تو تم کو سلاملق میز بیٹھکر اسکے خود بخود اپنی مرضی سے باہر نکلنے کیوقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ سلاملق مردانہ نشستگاہ کو کہتے ہیں جو ہر ترک کے مکان میں ضرور ہوتی ہے۔ اور اس سے پرے حرم کا پراسرار علاقہ ہوتا ہے حرم مروجہ اصطلاح کے مطابق خاص پرائیویٹ جہاں غیر جا سکیں) کمرونکو کہتے ہیں۔ اس لحاظ یہ لفظ مجرد آدمی کے مکان کے پرائیویٹ کمرو نپر بھی جسمیں صرف مرد بستے ہوں صادق آتا ہے مگر بالعموم یہ ہر ایسی جگہ کے لیئے بولا جاتا ہے جو عورتوں کے لیئے مخصوص ہو۔ چنانچہ ترکی ریلوے گاڑیوں کے آخری کمرہ کو بھی جسکے اور گاڑی کے باقیماندہ حصہ کے درمیان پردہ ہوتا ہے حرم کہتے ہیں۔ اسیطرح جہاز میں عورتونکے کمرہ کو اور مسجد کی جالیدار گیلری کو بھی حرم پکارا جاتا ہے۔ رہائشی مکان میں حرم ہی وہ حصہ ہے جہاں صاحب خانہ کی بیوی بچے اور کنبہ کی دوسری خاتونیں رہتی ہیں۔ ضمناً اسموقعہ پر یہ تحریر کردینا نامناسب نہوگا۔ گو قرآن کریم ایک ہی وقت چار تک اجازت دیتا ہے اور طلاق کا مختار ہونیکی وجہ سے مرد اگر چاہے تو ہمیشہ بیوی کو بدلتا رہسکتا ہے بایں ہمہ آجکل بہت کم ترک ایسے ہیں۔ جنکی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اب وہ پرانے زمانہ کے ترک جنکی بیشمار بیویاں اور کنیزکیں ہوتی تھیں سوائے شاذ ونادر مستثنیات کے بالکل نہیں رہ گئے البتہ مسلمانوں نے پردہ کو جو مذہبیاً اور رواجاً انمیں چلا آتا ہے اور کئی فایدے رکھتا ہے نہیں چھوڑا۔ اس دروازہ کے پیچھے جو سلاملق سے اندر جاتا ہے جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ گذرے اسمیں غیر کو مداخلت کرنے کی مجال نہیں حتی کہ وہ لوگ جنہیں مشرقی رسم ورواج کا کچھ بھی علم ہے مکان میں عورتوں کی موجودگی کی نسبت اشارہ کرنیکا خیال تک نہیں کرتے ترکوں کی زندگی مکان سے باہر دن کیوقت صرف مردوں کی صحبت میں بسر ہوتی ہے دن کیوقت وہ اپنے کنبہ کی کسی عورت کی صحبت یا رفاقت میں دیکھا جانا پسند نہیں کرتے ہمنے ایکدو دفعہ ایکدو ترکوں کو ایشیائی ساحل پر علاقہ کے دوراندر نقاب پوش خاتونوں کے ہمراہ گاڑی پر سفر کرتے ہوئے دیکھا ہی مگر استنبول میں ایسے مشاہدہ کا کبھی موقعہ نہیں ہوا۔ دن کو ترک گہر سے باہر اپنے کار منصبی اور فراغت کے لحاظ سے بازاروں میں یا کہلے میدانوں میں درختوں کے نیچے یا بازار کی دوکانوں میں کہانے پینے اور قہوہ وسگرٹ نوشی کرنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے مصروف اور کاروباری حصہ میں باورچیخانوں

اور قہوہ خانوں کی بہت کثرت ہے! اور پھیری والوں کا تانتا جو کہانے پینے کی چیزیں بیدکے خوانچوں میں رکھے
ہوئے ہجوم میں ادہر ادہر چکر لگاتے رہتے ہیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ جدہر نگاہ کرو کوئی نہ کوئی خونچہ والا
کھڑا ہوگا۔ یہاں ایک شخص ڈبل روٹی "پیدہ" (فطیری روٹی) اور "کیمت" (بسکٹیں) بیچ رہا ہے اس سے
چند قدم پر پنیر فروش موجود ہے۔ جو مدور بانسی ٹوکرے میں دو تین قسم کا پنیر اور "یودز" (دہی) رکھے ہوئے
ہے۔ وہاں ایک باورچی کباب گرم گرم پلاؤ۔ ساگ اور دوسری ترکاریوں کا سالن بیچ رہا ہے۔ حلوائیوں
مٹھائی فروشوں اور شربت بیچنے والوں کا تو حد و حساب ہی نہیں۔ سب سے زیادہ کثرت سقوں کی ہے
وہ بالعموم ایک ڈھول کی شکل کا آبدان کندھوں پر اٹھائے ہوتے ہیں جس پر دھوپ سے بچاؤ کرنے کیلئے ہری
ٹہنیاں اور شاخیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں ایک ہاتھ میں چرمی نلکی کا پتلی موہانہ اور دوسرے میں دو یا
تین وزنی مسی کٹورے ہیں جنکو انگلیوں کی عجب استادانہ حرکت سے وہ ہر وقت بجاتے رہتے ہیں اور
اس آواز سے رہگذروں و تشنہ دہانوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ میاں بہشتی اسوقت کہاں براج رہے ہیں
اگر سیاح اٹلی کے راستہ یہاں آیا ہو تو وہ ہر قسم کے ماکولات اور مشروبات کے بیچنے والوں کی ذاتی صفائی
اور ستھرا پن دیکھکر دنگ ہوجائیگا۔ اور ان کی چیزیں بھی ایسی نفیس ہوتی ہیں کہ خواہ شکم سیر ہو اسے خودبخود
بھوک پیدا ہوجائیگی۔ خونچہ والوں کے علاوہ بازار میں کئی باورچیخانے اور ہوٹل بھی ہیں۔ اسی بازار میں ایک
ایک فربہ اندام خوشرنگ ترک ایسے کباب بناتا ہے کہ کل دنیا میں ویسے کباب نہ بنتے ہونگے۔ اس کی
مختصر سی دکان بازار کے متصل ایک چھوٹے سے چوک میں ہے۔ مرمر کی صاف سل پر جو دریچہ کی ہلیز کا کام
دیتی ہے۔ چوبی سیخوں کی قطاریں لگی ہیں۔ کہ حسب ضرورت فی الفور اٹھا کر آگ پر رکھدی جائیں پلاؤ
بڑی بڑی سینیوں میں پڑا ہے جسکو ہر وقت گرم رکھنے کیلیے سینیوں کے نیچے کوئلے جل رہے ہیں۔ اور پاکیزہ بدن
چابکدست لڑکے گاہکوں کی خدمت کے لیئے دست بستہ کھڑے ہیں گاہک یا تو اس میز پر بیٹھکر کھانا کھائے
میں جو باورچیخانہ کے عقب میں بچھی ہوئی ہے۔ یا دروازہ سے باہر خاموش چپ چاپ چوک میں جو باورچیخانہ
کے سامنے ہے۔ سب سے مرغوب کھانیکی ترکیب یورپینوں کو لاکلام نہایت عجیب معلوم ہوگی۔ جو حسب ذیل ہے
"پیدہ" (فطیری روٹی) کے مربع ٹکڑے کاٹ کر شوربے کی رکابی میں اوپر تلے رکھدیئے جاتے ہیں اس پر بلوی
بلوئی ہوئی ملائی دو انگشت موٹی تہ بچھا دیجاتی ہے۔ پھر اس پر آگ سے اسوقت اترے ہوئے گرما گرم گوشت کی بوٹیوں کا
انبار لگا دیا جاتا ہے۔ بعدہ ان سب چیزوں میں نمک مرچ الائچی اور گرم مصالح ڈالکر ان کو ملا لیا جاتا ہے یہ
کھانا نہایت لذیذ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ زود ہضم ہوتا ہے۔
اس امر کی تصدیق ان سیاحوں سے ہو سکتی ہے جو وہ میں ہر چیز کو ترش ملائی کیساتھ کھانیکے عادی

رہے ہیں۔ پلاؤ بھی کوئی بری چیز نہیں مَیں اُسکے تیار کرنیکی درست ترکیب بتانے سے محترز رہتا ہوں۔ اس کیلئے بہت جگہ چاہیئے۔ دنیا میں ترکی یونانی ایرانی اور ہندوستانی یہ چار قسمیں پلاؤ کی بہت مشہور ہیں بوجہ ان کے فرق کے بتانے سے بھی اغماض کرتا ہوں البتہ یہ لکھے دیتا ہوں کہ میری سمجھ میں ایرانی پلاؤ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ باورچی فقط کھانے کی چیزیں دیتا ہے پانی بہم پہنچانا اُسکا کام نہیں اگر تمہیں ضرورت ہو تو اس سقہ کو جو بازار میں چکر لگاتا رہتا ہے بلا کر پانی یا شربت کا کٹورہ خرید لو قسطنطنیہ میں بھی اب تہذیب گھر کر گئی ہے ہر گاہک دوکاندار سے اسبات کا متوقع ہوتا ہے کہ کھانے کیساتھ چھری کانٹا آئے۔ ان دونوں چیزوں کو اب ترک نہایت سلیقہ کیساتھ استعمال کر سکتے ہیں ایران میں شوربہ کیساتھ فطیری روٹی علیحدہ دیجاتی ہے۔ جسے گاہک ہاتھ سے توڑ توڑ کر کھاتا ہے۔ اور میری بھی ہمیشہ یہی رائے رہی کہ کانٹے کی نسبت انگلیوں کو ہی بدرجہا مناسب آلہ غذا کھانیکا سمجھنا چاہیئے کھانے والیکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکی اپنی انگلیاں ہیں اور ان کو اس نے کھانیسے پہلے دھولیا ہے۔ مگر ہوٹلوں اور عام ضیافتوں میں جو کانٹے دیئے جاتے ہیں انکی نسبت دھلے ہوئے ہونیکا کبھی پختہ یقین نہیں ہوسکتا اور خدا معلوم پہلے انکو کس شخص نے اور کس طرح پر استعمال کیا تھا۔ ہم مسواک کرنیکے بغیر رہنے کی تکلیف گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر دوسرے آدمی کی مسواک یا دانتوں کا برش استعمال نہیں کرتے لیکن کانٹے خواہ کل دنیا کے مستعملہ ہوں انکی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اس ایک ہی امر سے اکثر بیرونی اور ظاہر دارانہ صفائیوں اور نفاستوں کی قلعی بخوبی کھل رہی ہے۔

ترک جو کچھ بازاروں میں کھاتے ہیں وہ سب ایک طرح سے تیسرے پہر کا ناشتہ ہوتا ہے۔ اصل کھانا وہ شام کے بعد اپنے گھروں میں کھاتے ہیں۔ بازستان کے تاریک کونہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسکے چھوٹے سے مینار کی چوٹی بازار کی ڈاٹ دار چھت کے نیچے بعینہٖ بچوں کے کھلونا مکان کے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ دوپہر کیوقت مؤذن اس مینار پر چڑھکر اسکے دریچہ میں سے اسی زور شور کیساتھ مسلمانوں کو نماز کے لیئے بلاتا ہے۔ جسطرح سلطان احمد کی عالیشان جامع کا مؤذن اُسکے سر بفلک میناروں کی چوٹی سے بازار کے کھلا رہنے کے اثنا میں جتنی نمازوں کا وقت ہے اتنی دفعہ یہ مؤذن برابر اذان دیتا رہتا ہے دوپہر (ظہر) کی اذان سے کو چھوٹے بڑے سب کو خبر ہو جاتی ہے۔ کہ دوپہر ہو گئی ہے۔ اسوقت کا کھانا کھانا چاہیئے۔ مگر جسطرح کہ یورپ کے جنوبی عیسوی ممالک میں دوپہر کے کھانیکے وقت لوگوں میں عام ہلچل پڑجاتی ہے۔ یہاں خلقت کے اژدہام میں ویسی کوئی عام دوڑ دھوپ نہیں دیکھی جاتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ترک جب گھر سے باہر ہو تو اسکے کھانے کا وقت کوئی معین نہیں ہوتا۔ اور اسے اسبات کی پرواہ نہیں

ہوتی کہ ٹھیک مقررہ وقت پر کھانا کھائے۔ بلکہ جب فرصت ہوئی کھا لیا۔ صرف شام کا کھانا ایسا ہوتا ہے جسے وہ پابندی کیساتھ پرانے دستور کے مطابق گھر میں بیٹھکر کھاتا ہے ابھی تک کئی ایسے ترکی خاندان ہیں جنکے ہاں کھانیکا دسترخوان ہر روز سلاملق میں بچھایا جاتا ہے۔ اور غریب و امیر جو آجائے اسکے لیئے کھلا ہوتا ہے۔ اسوقت جو آجائے اسے کھانے میں شریک کر لیا جائیگا۔ فرق اتنا ہو گا۔ کہ وارد صاحب خانہ کی حیثیت کا ہو تو اسکے ساتھ بیٹھ جائیگا۔ اور کم درجہ کا ہو تو دوسرے دسترخوان جو اسی کمرہ میں ذرا علیحدہ کرکے کم درجہ والوں کے لیئے بچھا ہوا ہوتا ہے۔ ترکی میں کھانا کھانے کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ مہمان رات بھی وہیں بسر کرے میزبان اپنے مہمان کو پلنگ و بستر کے علاوہ شب خوابی کے کپڑے اور سلیپر بھی بہم پہنچاتا ہے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ خاتونان حرم اس دسترخوان پر نہیں ہوتیں۔ وہ حرم کے اندر علیحدہ دسترخوان پر کھاتی ہیں۔ میرے ایک دوست کے خانساماں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے سخت شکایت کی۔ کہ عموماً مہمان صبح بہت سویرے اٹھکر وہ سلیپر اور کپڑے اڑا لے جاتے ہیں۔ جو رات کو انہیں دیئے جاتے ہیں اور میرے آقا کی کشادہ دلانہ میزبانی اور مہمان پروری کا یہ کمینہ بدلا دیتے ہیں۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ترک میز پر زیادہ دیر نہیں بیٹھتے۔ کھانا ہوتا تو بیشک بہت قسموں کا ہے مگر ہر ایک قسم ہر ایک مہمان کے سامنے صرف ایکدفعہ رکھی جاتی ہے۔ اور جونہی اسکی رکابیاں خالی ہوئیں۔ ملازم جھٹ پٹ انہیں اٹھا کر دوسری قسم رکھ دیتے ہیں۔

جو سڑک ڈاکخانہ سے نور عثمانیہ کو جاتی ہے۔ وہ قسطنطنیہ کی قابل ذکر سڑکوں میں سے ہے۔ غلطہ پل اور بازار کے درمیان زیادہ تر اسی پر آمد و رفت ہوتی ہے۔ اسمیں بھانت بھانت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اور ہر ایک قسم کی تجارت اور ہر قوم کے لوگوں کی اسمیں دوکانیں اور کوٹھیاں موجود ہیں اس کی کیفیت ناقابل بیان ہے یونانی اور ارمنی معالج دندان اس نواح میں بکثرت رہتے ہیں انکی دوکانوں کے دروازوں پر بڑے بڑے تختے آویزاں اور بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ جو اگر ان کی قابلیت کے مقدار کے لحاظ سے ہیں تو وہ بیشک بڑے ماہر دندان ساز ہونگے۔ اسی جگہ ڈاکخانہ کے قرب و جوار میں منشی اور خطوط نویس ناخواندوں کے نامہ و پیام لکھنے کیلیئے سارا دن سایہ میں بت بنے بیٹھے رہتے ہیں زیادہ تر ترکی مستورات انکی گاہکنیں ہیں جو ہیبے اور رازدارانہ لب و لہجہ میں انکو اپنے خط لکھواتے وقت چہرہ کو بالعموم نقاب سے زیادہ احتیاط کیساتھ ڈھانپ لیتی ہیں اٹلی اور یونان نیز اکثر کئی مشرقی ممالک میں یہ طریق عام مروج ہے۔ مگر پھر بھی ان عورتوں میں جنکے چہروں کی ایک جھلک دیکھنے کیلیئے جو منشی کی میز پر بڑے شوق سے جھکی ہوئیں۔ اسکی تیزی کیساتھ چلتی ہوئی قلم کو دیکھتی رہتی ہیں تھوڑی دیر کیلیئے

ٹھیر جانا تضییع اوقات نہیں ہے ترکی کانی کی قلم اسے لکھی جاتی ہے۔ اور دوات میں سوف دار سیاہی
ہوتی ہے اسی مقام کے قریب بنی جامع ہے۔ جو قسطنطنیہ کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی
ہے اور ہر وقت مختلف الاقوام والعمر نمازیوں کا اسمیں جمگھٹا لگا رہتا ہے بازار کے شور و غل یا دھوپ
اور چمک دمک کو پیچھے چھوڑ کر مسجد کے دروازہ پر سے بوٹ پر سلیپر پہننے کے بعد کسی نماز کے وقت متبرک
عمارت کے اندر داخل ہو جاؤ وہاں تمہیں بالکل دوسرا نقشہ دکھائی دیگا جو عجیب با متانت اور شاندار ہوگا اور
ساتھ ہی تم پر اہالی مشرق کی طرز زندگی کا پر اسرار مقاصد اور راز سربسر واضح و آشکار ہو جائیگا۔ تم دیکھو گے
کہ خنک سایہ میں ہر عمر کے مسلمان محراب یا دیواروں کی مقدس تحریروں اور کتبوں کیطرف منہ کئے
رکوع و سجود میں مصروف ہیں۔ انکی حرکات و سکنات مختلف اوضاع اور لب و لہجہ سے ایسی صداقت
اور مخلصانہ اعتقاد مترشح ہو رہا ہے۔ کہ وہ جسطرح بلحاظ نوعیت مشرق الاقصیٰ کے مشرکانہ توہم سے بدرجہا افضل
و فائق ہے اسیطرح اسکی سادی صداقت اور اخلاص معمولی لیاقت کے عیسائی کی سمجھ سے اعلےٰ و ارفع ہے
مسلمانوں میں کچھ عرصہ بود و باش رکھنے کے بعد اس امر کا یقین کامل ہو جانا ناممکن ہے کہ وہ مذہبی معاملات
میں کامل مخلص ہیں ان کی مذہبی پرجوشی اور مذہبی رسوم کی پابندی میں ریاکاری کو مطلق دخل نہیں
اور کہ حبیب سید کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کا جھنڈا کھولا گیا جس امر کے وقوع میں آنیکے امکان کو
کبھی ہمارے عیسائی بھائی اشارتاً کنایتاً مبہم و مشکوک سا بتاتے ہیں تو اس سے ایسے نتائج پیدا ہونگے
جو یورپ کے فلسفہ کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آئے۔

قسطنطنیہ کو دنیا کے دوسرے شہروں پر ایک بڑا فخر یہ حاصل ہے کہ اسمیں قدم قدم پر اجتماع ضدین
پایا جاتا ہے یہاں کچھ اور نقشہ ہے دو قدم آگے جاؤ تو اس سے بالکل برعکس کیفیت دیکھی جاتی ہے۔
ان اچانک تغیرات میں سب سے زیادہ موثر تغیر وہ ہے جو بازاروں سے مساجد و مقابر میں داخل ہونے پر پایا
جاتا ہے اول الذکر میں وہ چہل پہل اور دھکم دھکا کہ الامان چند قدم پر آخر الذکر میں بالکل خاموشی اور مودبانہ
سکوت کا عالم اکثر جوامع کے اندرونی حصوں کی حیرت افزا زیب و زینت دیکھکر مشرقی خاصہ کا سر نہاں ہویدا
ہو جاتا ہے اکثر مشرقی ممالک کیطرح یہاں بھی صنعت و دستکاری کے بعض اعلےٰ ترین نمونوں کے دوش بدوش
کمال بھدی چیزیں اور مکروہ سجاوٹیں پائی جاتی ہیں اکثر چیزوں کی شان و شوکت جس کیوجہ سے ہی مشرق کو
عموماً شاندار مشرق پکارا جاتا ہے۔ بعض بے اندازہ بھدی اور بد سلیقہ چیزوں کے قرب سے جو یورپین کی نگاہ
میں کمال مکروہ معلوم ہوتی ہیں اور بھی زیادہ نمایاں اور واضح ہو رہی ہے۔ مگر یورپ کیطرح یہاں بھی صنعت
دستکاری اور فنون زیادہ تر مذہب اور مذہبی خیالات سے وابستہ ہیں۔ سنت والجماعت عقیدہ کے

مسلمانوں نے جو کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ فن تحریر پر اسقدر توجہ صرف کی ہے۔ کہ جسقدر مغرب میں مصوری اور نقاشی پر کی گئی ہے تعلیم یافتہ ترک کو خوشخط قطعہ دیکھکر ویسی ہی خوشی ہوتی ہے جیتنی کہ ہمیں استاد زمانہ مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھکر یورپین کیلئے عربی رسم الخط سے جو ایک طرح کی شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی) ہے کچھ عرصہ میں مانوس ہوجانا مشکل امر نہیں تھوڑی مدت کی مشق سے وہ اسکو اسی تیزی اور روانی کیساتھ پڑھنے کے قابل ہوجاتا ہے جس طرح کہ لاطینی اور گوتھک خط کو پڑھ سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے۔ کہ وہ فن تحریر کے ان نکات۔ صنعتوں اور خوبیوں کو کبھی تمیز کرنیکے قابل نہیں ہوسکتا۔ جو ایشیائیوں کے نزدیک ویسی ہی منزلت رکھتی ہیں جیسی کہ ہمارے مذاق میں رنگوں کی شوخی اور ہلکا پن اور سایہ و روشنی کے متعلق مصوری اور نقاشی کی باریکیاں تھوڑے دنوں کی بات ہے ایک ترک نے ایک قطعہ کی طرف جو دیوار پر آویزاں تھا۔ اور جسکی سفید زمین پر صرف سیاہی سے ایک آئت لکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی رنگ آمیزی یا گلکاری کسی طرح کی نہیں تھی۔ اشارا کرکے کہا۔ "یہ تحریر مجھے ویسی ہی خوبصورت اور پیاری معلوم ہوتی ہے جیسی کہ تمہیں ماہر مصور اطیلیان کی کوئی تصویر" فن خوشنویسی کے ایسے اعلےٰ نمونوں کو نہائت بیش قیمت۔ چوکھٹوں میں جڑوا کر شیشوں کے پیچھے رکھا جاتا ہے۔ مگر بعض نہائت ہی اعلےٰ اور ان سب سے زیادہ خوبصورت نمونے ان روغنی کھپریلوں پر پائے جاتے ہیں۔ جو آرائش اور زینت کے لیئے مسجدوں اور مقبروں میں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض کتبوں کی ترکوں کی نگاہ میں ایسی وقعت ہے۔ کہ انکے خیال کے مطابق کہ ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہوسکتی۔ یورپین شائقین صنعت قدیمہ کی نظر میں بھی بسرعت تمام ان کی یہی وقعت ہوتی چلی جارہی ہے۔ مگر ان کتبوں کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی دستیاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ عموماً مذہبی ہیں اور مذہبی مقدس مقامات میں ہی بالعموم اعلےٰ ترین نمونے پائے جاتے ہیں افسوس مشرقی صنعت و دستکاری کا دن بدن تنزل ہو رہا ہے۔ اور ان عجیب و غریب کھپریلوں کے جنمیں سے ابتک ہزاروں موجود ہیں بنانے کا راز ہمیشہ کیلیئے دنیا سے ناپید ہوگیا ہے۔ قسطنطنیہ ابھی روغنی کھپریلیں یعنی ان کی نقلیں بنتی ہیں مگر بہت ادنےٰ درجہ کی اور بالکل بے حقیقت مزید براں یہ کام از سرتاپا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

مشرق کی کونسی داستان یا افسانہ ہے جسمیں عربی گھوڑے کا لمبا چوڑا ذکر نہوا۔ اور اسنے اسمیں بہت بڑا حصہ نہ لیا ہو جب میں اول اول استنبول کے نخاس اسپان کو گیا۔ تو مجھے خیال تھا۔ میں وہاں ایسے ایسے خالص النسل بدیع الزمان نجیب الطرفین گھوڑے دیکھوں گا۔ کہ لیڈی این بلنٹ اور اس کے

خاوندؔ[1] کے دل بھی انہیں دیکھکر باغ باغ ہو جائینگے۔ مگر مجھے ایسی مایوسی ہوئی کہ عمر بھر ویسی نہیں ہوئی تھی
آت بازار نخاس محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کی جامع مسجد سے بجانب شرق ہے۔ اول تو وہاں کوئی گھوڑا
ہی نہ تھا۔ لیکن اگر ہوں بھی تو اس مثلث کشادہ میدان سے جسپر فرش کی بجائے چھوٹے بڑے سنگریزے اور
پتھر کھڑے ہوئے تھے۔ بڑھکر بُری جگہ خریدار ونکو گھوڑے دکھانے کیلئے کوئی نہیں ہو سکتی ہے میدان
ایک چھوٹی سی پہاڑی کے عمودی ڈھلاؤ پر واقع ہے۔ اور اسکے چاروں طرف متعدد شکستہ حال
چوبی مکان ہیں جنمیں اکثر تاریک دبلا ہا کوٹھریاں اصطبل کا کام دیتی ہیں اور ان میں متعدد مالکوں کے معدودے
چند گھوڑے معمولی تھانوں پر بری طرح سے بندھے رہتے ہیں۔ عموماً دو تین دیوقامت ہنگرین جانور
اور بارہ چودہ پست قامت مضبوط جسم سالونیکی یابو ہاں موجود رہتے ہیں ایکدفعہ میتے وہاں ایک عجیب
الخلقت گھوڑا دیکھا کہ شاید ساری عمر اسکے ساتھ کا دکھائی نہ دے۔ اسکی ٹانگوں کی لمبائی اسی سے
قیاس کر لو کہ وہ پوری اٹھارہ مٹھی بھر بلند تھا۔ مگر طول میں متذکرہ صدر سالونیکی یابوؤں میں سے کسی ایک سے
زیادہ نہ تھا۔ ہمارے گھر میں ٹوپیاں رکھنے کا ایک پرانا چرمی بکس چلا آتا ہے سال کا کوئی موسم نہیں جسکا
اسے ذاتی تجربہ نہو۔ کوئی ڈاک گاڑی ایسی نہ ہوگی جس کی اسنے سیر نہ کی ہو اور جہاں میں شاید کوئی ہی
ایسا شہر ہوگا جسکے نام کے پرچے سبز سرخ سفید زرد نیلگوں وغیرہ رنگ کی اُسپر چسپاں نہو الغرض اس دیو
کا سر بعینہ اس ٹوٹے پھوٹے چرمی بکس کے مشابہ تھا۔ یہ جانور فی الواقع ایسا عجیب الخلقت تھا کہ کئی منٹوں
تک میری نظر اسپر جمی رہی اس سے میرے رہنما جو نخاس کا مہتمم اور اعلےٰ دلال تھا شبہ سا ہوگیا شاید میں اسے
خریدنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور وہ میری طرف کمال تعجب و حیرت سے دیکھنے لگے۔ یہ سب سے آخر جو گھوڑا
مجھے دکھایا گیا۔ وہ فی الواقع دیکھنے اور خریدنے کے قابل تھا۔ اسے ایک ایسی تاریک کوٹھری کے قعر
عمیق سے نکالا گیا کہ اگر یورپ کے کسی گھوڑے کو چند لمحے میں بھی اسمیں بند رکھا جائے تو اسے
سکتہ ہوجائے سائیس نے صاف کرنے کیلئے خرخری کے دو چار یونہی رگڑے لگا کر میرے سامنے کیا۔
اس سے بہتر عربی گھوڑا عرب سے بھی دستیاب ہونا مشکل تھا۔ گھوڑے کی جو خوبیاں اور وصف آت بازار
جانے سے پہلے میرے دماغ میں ذہن نشین تھے وہ سب اس میں موجود تھے۔ سیدھی گاؤدم ٹانگیں
چھوٹے چھوٹے پاؤں۔ سر کسیقدر بڑا اور استخواندار کان چھوٹے اور سیدھے۔ جلد ریشم ایسی نرم اور

---

[1] مسٹر ونفرڈ بلنٹ کتاب فیوچر آف اسلام اس جینٹلمین کو گھوڑوں کا بہت شوق ہے عباس اول خدیو مصر نے عربی گھوڑوں کا جو اسٹڈ قائم کیا تھا۔ وہ اسی شخص نے کئی لاکھ روپیہ کو خدیو خاندان سے خریدا تھا۔ مسٹر موصوف کے اصطبل کل انگلستان بھر میں مشہور ہیں۔ (مترجم)

رنگ شوخ کمیت۔ تازہ ہوا میں پہنچکر اسنے جسم کو جھنجوڑا اور پھر زور سے ہنہنایا۔ گویا اپنے اصطبل پر کمال نفرت ظاہر کی وہ گداگروں میں بادشاہ اور کمینوں میں مرد میدان تھا۔ اور اسے دیکھکر میری توقع و امید کا کچھ حصہ پھر بحال ہو گیا۔

مگر قسطنطنیہ میں ایسے شاندار جانور کم دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ سے گھوڑے باہر لیجانے کی سخت ممانعت ہے۔ کہ بڑے بڑے جلیل القدر بھی اسکی خلاف ورزی کرنیکی جرات نہیں کرسکتے اسوجہ سے سلطنت کے اندر عرب گھوڑوں کی عام کثرت ہونی چاہیئے اس امتناعی حکم کی تعمیل کرانا بھی ویسا مشکل نہیں جیساکہ اس حکم کی تعمیل کرانا جو تمام ایسی چیزوں کے باہر لیجانے کی ممانعت کرتا ہے جنپر کوئی مذہبی عبارت تحریر یا چھپی ہوئی ہو۔

نخاس کا ذکر آجانے پر سراجوں کا بازار بھی یاد آگیا ہے۔ یہ ایک بجائے خود ایک چھوٹا سا محلہ ہے جو استنبول کے مشہور بازار دیوان یول کے متصل واقع ہے زینوں اور سازوں کے بنانے اور چرم کی تیاری کا کام کسی زمانہ میں اس ملک میں بہت زور پر تھا اور ایسے ملک میں جہاں صرف گھوڑوں اونٹوں یا دیگر بارکش جانوروں کے ذریعہ ہی آمدرفت ہوتی تھی ایسا ہونا تھا بھی لازمی امرا اپنے جانوروں کے ساز و یراق کو بڑی بڑی لاگت اور صرف سے بنواتے تھے اور اس کام کی ایسی عزت تھی کہ سراجوں اور زین سازوں کی ایک مستقل جماعت بنگئی تھی۔ دیگر صنعتوں کیطرح یہ صنعت بھی چند برسوں سے ٹرکی میں بہت متنزل ہوگئی ہے۔ لیکن پھر بھی ابتک بعض بعض چیزیں وہاں دیگر ممالک سے بہتر تیار ہوتی ہیں۔ بازار سراجان میں میرے خیال میں ڈیڑھ سو دوکانیں ہونگی۔ یہ پست قامت شید نما دکانیں ہیں۔ ان کے آگے ازار کی سطح سے تھوڑی سی بلندی پر چوبی تختے لگے ہوئے ہیں دوکاندار ان پر دوکان میں تیار اسباب فروخت کیلئے لٹکا کر سارا دن چوبی تختوں پر بیٹھے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اکثر چیزوں کا چمڑا روسی بتایا جاتا ہے مگر در اصل وہ مشرقی دیعنی ملکی، ہی ہوتا ہے۔ جس میں ایک خاص طرح کی بو اس طرح سے پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ چمڑے کو معمولی طریق سے کمانے کی بجائے پتوں کے دھوئیں سے کمایا جاتا ہے۔ ان دوکانوں میں چرمی۔ مخملی یا باناتی بڑے بڑے چار جامے اور انہی کے ہم انداز و رنگدار لگامیں جنکی باگوں پر دستی سلائی سے بیل بوٹے کاڑھے ہوتے ہیں جسقدر چاہو دستیاب ہوسکتی ہیں۔ خاص دار الخلافہ ان کا عرصے سے رواج نہیں رہ گیا۔ قبول اور خرجیاں بھی ہر قطع و وضع اور حجم کی یہاں تیار ہوتی ہیں۔ ان کی ساخت میں سادگی اور استادی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور لمبے سفروں میں جو پشت توسن پر کیئے جائیں بہت مفید ثابت ہوتی ہیں قسطنطنیہ سے

اکثر لوگ ایشیائی علاقہ کی طرف ایسے سفر پر جاتے ہیں۔ کل بازار میں سب سے عمدہ چیز چمڑی صندوق ہیں
یہ مضبوط روسی چمڑے کے ہوتے ہیں اور ایسی استادی مضبوطی اور صفائی سے بنے ہوتے ہیں۔ کہ
یورپ بھر میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ٹرکی میں شہر کی چار دیواری کے اندر مردوں کے دفن کرنیکی ممانعت نہیں مگر
قبر پر قبر بنانے کو رواج ایسا نا پسند کرتا ہے۔ کہ قبرستان کیلئے بہت وسیع رقبہ ضروری ہے استنبول
اور پیرا کی مساجد کے قرب و جوار کے بیشمار چھوٹے چھوٹے قبرستانوں اور ان گنت مقبروں کے علاوہ استنبول
اور اسکودرا کے گرداگرد خشکی کی طرف قبرستانوں کا تقریباً نا تمام ہی سلسلہ چلا گیا ہے۔

بطور قاعدہ عمومیہ ہر مسجد کے متصل اُسکے بانی اور بانی کے زن و اطفال کی قبریں ایک چھوٹے
سے قبرستان یا مقبرہ میں بنی ہوئی ہیں۔ ان مقبروں میں سے بعض کی عمارتیں کثیر الزاویہ اور اکثر
کی ہشت پہلو ہیں۔ یہ آٹھ ضلعے۔ اللہ محمدؐ اور چھ اماموں کے نام کی تعداد کی مناسبت سے ہیں۔
شہر کی سب سے شاندار اور مکلف عمارتیں یہی مقبرے ہیں۔ اور انہیں میں وہ کتبے لگی ہوئی ہیں جنمیں
فن تحریر کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ متوفی کی لاش اسلامی رواج کے مطابق درمیانہ قد کے آدمی کے برابر
گڑھا کھودکر دفن کیجاتی ہے۔ سلطان یا بانی مسجد کے قبر ہمیشہ عین دروازہ کے سامنے اور اسکی بیویوں بچوں
کی قبریں اُسکے گرداگرد سلیقہ سے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہر قبر پر چوبی صندوق یا تعویز بنا ہوا ہے یہ صندوق
مدفون کی قدر و منزلت کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ کل استنبول میں سب سے بڑا تعویز محمد ثانی
کی قبر کا ہے۔ یہ صندوق سیاہ مخمل کی چادروں سے جنکے حاشیوں پر زردوزی کا بیش بہا کام ہوا ہوا ہے
ڈھپے ہوئے ہیں۔ بعض مقبروں میں ان چادروں پر بے بہا دوشالے بھی ڈالے ہوئے ہیں یہ سب چادریں اور دوشالے
کچھ عرصہ حضرت سرور کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کی مرقد منورہ پر رہنے کے بعد ان قبروں پر ڈالے گئے تھے
ان کل مقبروں میں سے عجیب مقبرہ سلطان سلیم کا ہے جسکی قبر کے گرداگرد اسکی چاروں بیویوں اور
تقریباً چالیس لڑکے لڑکیوں کی جو سب کے سب صغر سنی میں فوت ہو گئے تھے۔ موجود ہیں۔ لڑکیوں کی
مزاروں سے لڑکوں کی قبروں کی تمیز چھوٹے چھوٹے سفید عماموں سے ہوتی ہے۔ ایک مقبرہ میں
چاندی کا ایک ایک صندوق رکھا ہے۔ جنمیں آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ریش مبارک کا ایک ایک بال
تیمناً و تبرکاً بند ہے۔ قبروں کے گرد جنگلے بنے ہوئے ہیں۔ جنمیں سے بعض ٹھوس چاندی کے ہیں ان عمارتوں
کا مسجدوں کے برابر ادب کیا جاتا ہے۔ فرشوں پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔ جنپر غلیظ پاؤں کوئی لیکر نہیں
جاسکتا۔ سلاطین کے مقبروں میں بادشاہوں کی قبروں کے سرہانے بالعموم تین تین چار چار شمعدان جن پر

نہایت اعلےٰ درجہ کی صنعت کا کام کیا ہوا ہے رکھی ہوئی ہیں اور اُنپر کمال خوشخط زرفشان قلمی قرآن مجید
ہیں انمیں سے مقبرہ کے مہتمم ہر روز چند سورتیں پڑھ چھوڑتے ہیں بعض بعض قرآن شریفوں کی طلاکاری
ایسی بدیع اور خوشرنگ ہے۔ کہ یورپ میں ان کی نظیر موجود نہیں اور زمانہ وسطیٰ کی نہایت خوش قلم اور طلاکار
کتابوں کے بہترین صفحات بھی ان کے سامنے گرد ہیں۔

مقبروں کے علاوہ مسجدوں کیساتھ چھوٹے چھوٹے قبرستان بھی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی جگہیں بالعموم
خوشنما معلوم ہوتی ہیں انمیں چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں یادگاری ستون مختلف اوضاع میں کھڑے ہیں اور
گلاب کے درخت اور دوسری جھاڑیاں ان میں بکثرت لگی ہوئی ہیں۔ ترکی میں قبروں کی مرمت
کرتے رہنے کا رواج نہیں اسلیئے یادگاری ستون جو عموماً لمبے نازک اور عمودی ہوتے ہیں جلد ٹیڑھے
ہوکر اِدھر اُدھر جھک جاتے ہیں جس سے قبرستانوں کی شکل عجیب و غریب اور ڈراؤنی سی ہوجاتی ہے سلطان محمود
فن کو رواج دینے کے زمانہ تک مردانہ قبروں کے سرہانے کے پتھروں پر عمامے کندہ کیئے جاتے رہے۔ بعدازاں فس
کا عام دستور ہوگیا۔ جنکو شروع میں سرخ رنگ دیا جاتا ہے۔ اور نیلا پھندنا بھی بنا دیا جاتا ہے مگر یہ رنگ
جلدی ہٹ جاتا ہے ستونوں کے درمیانی حصہ میں عموماً طویل کتبے لکھے ہوتے ہیں پہلے بسم اللہ و قرآن شریف
کی کوئی آیت اور پھر متوفی کے مختصر حالات درج ہوتے ہیں عورتوں کی قبروں پر یا تو قطعاً کوئی نشان نہیں ہوتا۔ یا زیادہ
تر سورج مکھی کا پھول اور بعض بعض پر کوئی بیل بوٹا یا شاخ بنا دیجاتی ہے۔ اُن کے ستونوں پر بالعموم منظوم کتبے
ہوتے ہیں بعض بعض قبروں پر متمولوں نے بڑی قیمت اور لاگت سے شاندار یادگاریں بنوائی ہیں۔ مگر بلا مرمت
رہنے سے انکی اصل کیفیت باقی نہیں رہ گئی۔ ان چھوٹے چھوٹے قبرستانوں میں سے اکثر میں خود قبروں کی
سطح سے نشیب میں خوب مصفا روشیں موجود ہیں جو دونوں طرف کی بے ترتیب جھاڑیوں اور درختوں
کے مقابلہ میں عجیب حیرت بخش معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ زہد و تقدس میں مشہور ہوں انکو بالعموم خاصکر
مضافات میں علیحدہ احاطہ میں دفن کرکے ان کی قبروں کے گرد جنگلا لگا دیا جاتا ہے اور اوپر چھت یا گنبد بنا دیا
جاتا ہے ان بزرگوں کے مزاروں پر جسطرح رومن کیتھولک ملکوں میں عیسائی اولیا کے مزاروں پر ہوتا ہے رات کو عموماً
متعدد چراغ روشن دکھائی دیتے ہیں جنکو منتیں ماننے والے جلا جاتے ہیں مسلمان متوفی کو نہ فقط
ادب سے یاد رکھتے ہیں۔ بلکہ انکا اعتقاد ہے کہ متوفی بزرگوں کی شفاعت اور دعا بھی مستجاب ہوتی ہے بزرگوں کی
قبروں کے اردگرد کی جھاڑیوں پر اکثر سینکڑوں ہزاروں چھیتڑے دکھائی دیتے ہیں ان کو زائرین اپنے کپڑوں
سے پھاڑ کر جھاڑیوں سے اٹکا جاتے ہیں انکا اعتقاد ہے کہ ایسا کرنیوالا بیماری سے محفوظ رہتا ہے مگر کل
مدفنوں میں سب سے زیادہ دلکش اور متوحش وہ بڑے بڑے قبرستان ہیں۔ جو فصیلوں سے باہر ہیں وہاں

موسنوں کی قبروں پر بڑے بڑے شاندار سرو جنکی عمریں کئی صدیوں سے کم نہیں سایہ فگن ہیں اور وہ سایہ ایسا گھنا ہے۔ کہ موسم گرما کی دوپہر کو بھی ایک گونہ تاریکی سی رہتی ہے سرو کے سایہ میں کوئی اور پودہ زندہ نہیں رہ سکتا اسلیئے زمین پر کوئی جھاڑی بوٹی نہیں ہر طرف جہانتک نظر جا سکتی ہے خاکی مائل یادگاری ستونوں کی نا ختم ہی قطار در قطار دکھائی دیتی ہے۔ کوئی سیدھا کھڑا ہے کوئی جھکا ہوا ہے کوئی دائیں بائیں یا آگے پیچھے زمین پر پڑا ہے۔ کہیں کہیں لمبے لمبے فاصلے پر بعض بعض ستونوں پر شوخ رنگ کا نشان چمکتا نظر آتا ہے یہ رنگ مردانہ قبروں کے ستونوں پر فسون کا ہے جسے موسم کے انقلابات نے ابھی تک دور نہیں کیا۔ یہ قبرستان دوپہر اور دھندلے یا نیم تاریک شفق کے وقت کسی قدر اور رات کو بالکل ڈراونے اور ہیبت انگیز ہوتے ہیں۔ ان قبرستانوں کو دیکھکر کوئی تعجب نہیں رہتا کہ ترک بھوت پریت غول و جنات اور عالم ارواح متعلق تمام دیگر اقسام کی وہمی دہشت انگیز چیزوں پر کیوں اور کس طرح اعتقاد کرتے ہیں۔ عوام الناس ترکوں کو ان باتوں پر ایسا یقین ہے کہ جانباز اور تقدیر کا قایل مسلمان گو اور سب طرح سے موت کا مقابلہ کرنے کے لیئے فی الفور تیار ہو جائیگا۔ لیکن اگر اسے قبرستان میں سے رات کیوقت گذرنا پڑے تو بچہ کی طرح تھرتھرائیگا۔ بہرحال یہ امر واقع ہے کہ قبرستان بالخصوص شام کے بعد ہرگز محفوظ مقام نہیں رہتے کیونکہ اسی وہم کی بدولت فراری مجرموں اور بدمعاشوں کو ان میں خوب محفوظ مامن اور جائے پناہ ملجاتی ہے اور ان میں پناہ جا لیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی طرف سے اکیلے دوکیلے مسافر یا راہرو کے ساتھ جو کچھ سلوک ہو سکتا ہے اسکے بتانے کی کوئی احتیاج نہیں ؎

لیکن اس تاریکی و وحشت اور ویرانی کے باوجود یا شاید انہی باتوں کی طفیل ترکی قبرستان عیسائی قبرستانوں سے بدرجہا دلچسپ اور خوشنما ہوتے ہیں۔ عیسائی قبرستانوں میں یادگاریں بالکل بے مذاق اور بھدی بنی ہوتی ہیں۔ پھولوں کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں قطعاً بے محل معلوم ہوتی ہیں۔ اور کتبے بھی روکھے پھیکے اور بے لطف سے ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر ترکی قبرستان ایک صاحب ہوش و ذکا کی نظر میں عیسائی قبرستانوں پر وہی فوقیت اور فضیلت رکھتے ہیں جو ہزاروں برسوں کے پرانے جنگل کو جسکے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہوں ایک چھوٹے سے باغ کی مالی کے لگائے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودوں اور کیاریوں پر ہے۔ موجودہ زمانہ کی وہ صنعت جو مذہب سے تعلق رکھتی ہے مجھے بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی زمانہ کے فیشن کیساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہے مسلمان اس غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ مردوں کی قبروں کو سجا سجا کر رکھنا اور قرینہ وار بنانا جسطرح کہ کتب خانہ میں کتابیں قربت کے مطابق عین سلسلہ وار جھاڑ پونچھ کر رکھی جاتی ہیں مجھے تو یہ بات پسند نہیں

موجودہ مسیحی قبرستان کیا ہیں اچھے خاصے تجارتی اور کاروباری دفتر ہیں۔ کہ کوئی چیز قرینہ و سلیقہ کے بغیر نہیں۔ کیا ان لوگوں کی روحوں کو جو پرانے مذاق اور خیالات کے آدمی تھے۔ ایسی جگہ کوئی آرام مل سکتا ہے۔ ہم چینیوں کیطرح قبر اور بزرگ پرست نہیں اور ہم میں سے جنکو آخرت اور عالم ثانی پر اعتقاد ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ راحت و آرام و جزا یا عذاب صرف روح کیلیئے ہے نہ کہ جسم کیواسطے تو کیا پھر اس چیز کے محفوظ رکھنے کیلیئے جو بموجب اس اصول کے بالکل فضول اور بیکار شے ہے بڑی بڑی رقمیں صرف کرنا حماقت و سفاہت نہیں ہے؟ کسی یورپین شہر میں مرکز زمانہ حال کی نئی بدعتوں صندوقنما اور قبرستان مرمری تعویذ بنانے والے اور میونسپلٹی کی دستبرد اور لوٹ مار کا شکار بننے کی بجائے میں تو اسی ہزار درجہ ترجیح دیتا ہوں۔ کہ بری سیاحت کرتے کرتے اگر موت آجائے تو زیر فلک کسی دامن کوہ پر لیٹ رہیں گے۔ یا بحری سفر میں موت آپہنچے تو پاؤں میں وزن باندھکر لاش کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔ یا غایت درجہ خیر کسی قبرستان میں ہی زمین کھود کر دفنا دیا جائے۔ اور اوپر سے مٹی ڈالکر قبر کو بے نام و نشان چھوڑ دیا جائے موت کیا اور یہ تکلف کیا۔ لیکن میری نصیحت کون سنتا ہے موت تو اٹل ہے سب کو آئیگی۔ باقی رہی تدفین وہ ہمیشہ قوموں کے اپنے اپنے مذاق پر منحصر رہیگی

پیرا و غلطہ

اب تک میں نے پیرا و غلطہ اور ان گنجان آباد مضافات کا جو خلیج گولڈن ہارن کی شمالی جانب میں ہیں۔ بہت کم ذکر کیا ہے۔ اہالی جنوا کا یہ پرانا شہر (غلطہ و پیرا) قسطنطنیہ میں نہ پہلے کبھی شامل ہوا۔ نہ آیندہ کبھی ترکی دارالخلافہ میں فی الحقیقت داخل سمجھا جائیگا۔ وہ ایک طرح سے شروع سے ہی علیحدہ آبادی چلی آتی ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ سلطان المعظم "ییلدز کشک" کے انتہائی سرے لور یلدیز کوشک میں جو عین باسفورس پر واقع ہے رہتے ہیں اور جیسا کہ دنیا میں ہوتا آیا ہے۔ بادشاہ کی موجودگی کی وجہ سے اکثر بڑے بڑے امرا جلیل القدر اہلکار بھی اسی نواح میں جا بسے ہیں۔ مگر یہ جگہ پیرا اور غلطہ سے پرے ہے۔ ان دونوں جگہ زیادہ تر عیسائی اور یہودی ہی جنمیں بہت سے یورپین ہیں آباد ہیں۔ اور اسی لیئے وہاں کے بازاروں میں بہت کم شرقیت اور بنا برین بہت کم دلچسپی پائی جاتی ہے۔ یہ ہر ایک معلوم ہے کہ پیرا امرا و متمولین کا محلہ ہے یورپین سفرا موسم سرما میں اسی جگہ رہتے ہیں۔ اور یہیں وہ یورپین صراف اور تاجر جن کا کام بن جائے اپنی رہایش کیلیئے بدمعاشوں کے خرابا تکدوں کے درمیان اپنے عالیشان اور پر تکلف محل بناتے رہتے ہیں باقی رہا غلطہ اسے کل دنیا کی بدمعاشیوں اور خراباتیوں کے منجمد کا متعفن اور کھولتا ہوا جوہر سمجھنا چاہیئے۔ میرا قیاس ہے کہ دنیا کے کسی شہر میں ایسی سیاہ کار اور بد باطن آبادی نہیں پائی جائیگی۔ جیسی کہ کنارہ آب یعنی

قاسم پاشا سے لیکر توپخانہ عامرہ (توپ ہانہ) تک کھچا کھچ بھری ہوئی ہے جس شخص کو مجرموں کے علم قیافہ کا شوق ہے۔ وہ اس علاقہ کو اپنے مطالعہ اور علمی تحقیقات کیلیئے نہایت مفید پائیگا۔ کیونکہ یہاں کے غلیظ بازار زہر آلود گلیاں اور مسموم شراب خانے اس قسم کے بدمعاشوں کے بدترین نمونوں سے جنکو مجبوراً مہذب بدمعاش کہنا پڑتا ہے ہروقت بھرے رہتے ہیں۔ یہ ایسی حیثیت کے لوگ ہیں کہ بالائے محلہ پیرا کے یورپین ہمیشہ ان سے خائف رہتے ہیں اور دوسری طرف یعنے استنبول کے ترک بالکل بجا طور پر اُن کو کمال نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں ارمنی اور یونانی باشندے جو ایک طرح سے زیرزمین زندگی بسر کرتے ہیں۔ طرح طرح کی بدمعاشیوں سے خوب روپیہ کماتے رہتے ہیں مگر چونکہ یہ سب لوگ عیسائی ہیں اور کسی نہ کسی یورپین سلطنت کی رعیت بنکر اسکے سفیر کی پناہ میں رہتے ہیں۔ ترکی حکام اپنے ملک کی پولٹیکل حالت کے لحاظ سے کسی بدمعاش کو گرفتار یا سزا دینے کی جرات نہیں کرسکتے اگر وہ لوگ ان کی آزادی میں ذراسی بھی مداخلت کریں تو ممکن ہے کہ وہ حکومت جسکی پناہ میں ہونیکی یہ لوگ مدعی ہوں فی الفور اس امر کو وجہ مخاصمت اور جنگ کا بہانہ بنالے غلطہ میں کوئی ایسا شرابخانہ نہیں جسکے ساتھ مکان کے پچھواڑے کسی خفیہ کمرہ میں قمارخانہ نہو پیرا کے بھی چند نسبتاً معتبر اور معزز قہوہ خانے اس بدعت سے خالی نہیں۔ انمیں گول میز کے ذریعہ سے جوا کھیلا جاتا ہے جنپر گھڑی کے ڈائل کیطرح نمبر اور بڑی سوئی لگی ہوتی ہے۔ چکر میں دو جگہ صفر اور نوے یا دس جگہ اعداد لکھے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نووارد بفرض محال خوش نصیبی سے کچھ جیت بھی لے تو کیا یہ ممکن کہ وہ جیتی ہوئی رقم کو اپنے ساتھ لیجا سکے۔ ہر ایک قمارخانہ میں مصنوعی پولیس موجود ہوتی ہے جو اشارہ پاتے ہی فوراً اس شخصکو کمرہ سے باہر نکلتے ہی لوٹ لیتی ہے۔ اور اگر ضرورت آپڑے تو اسکو قتل کردینے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

باقی رہا اسکودرہ جو باسفرس کے ایشیائی ساحل پر واقع ہے۔ اسکا رنگ ڈھنگ بالکل نرالا ہے اس میں زیادہ تر ترک آباد ہیں۔ عیسائی بہت کم ہیں ناظرین سے ترکونکا ایشیائی حصن ہونا مخفی نہیں مگر دونوں براعظموں کے محل اتصال پر اپنی اوصاف حمیدہ سے انہوں خاص امتیاز حاصل کرتا ہے اسکودرہ کے کوچہ و بازار میں طمانیت اور سکون سا برستا ہے دو طرفہ مکانات کی کھڑکیاں اور دیگر جالی دار ہیں جن سے خود بخود معلوم ہوجاتا ہے کہ انمیں مسلمان آباد ہیں مکانات کی قطع وضع اور حیثیت سے گو واضح ہو رہا ہے کہ انکے مالک چنداں خوشحال اور فارغ البال نہیں تاہم وہاں کچھ ایسی خوشگوار خاموشی اور بے امنی پائی جاتی ہے کہ استنبول کے بارونق اور پرانے ہجوم بازاروں اور غلطہ کے دماغ کو منتشر

کر دینے والے خرابکدوں سے نکلکر طبیعت کو اسجگہ بہت فرحت اور راحت ملتی ہے۔ بازاروں میں
خلقت کا بہت کم اژدہام رہتا ہے۔ اور اسی گاڑیاں پرانی قسم کی اور بھدی ہیں۔ بیلوں کے چھکڑے
بھی بافراط ہیں۔ یہ چھکڑے پچھلے او پلیے سے بہت بھدے اور موٹے اور اتنے بڑے ہوتے ہیں۔ کہ
کنبہ کا کنبہ مع کل اثر کھنگران میں سما سکتا ہے۔ اور ایسا اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ عورتیں اور بچے
ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوب ٹھنس کر اور کنبہ کا مالک عموماً گاڑی کے پیچھے آلتی پالتی مار کر
بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اُسکے چہرہ کا بشرہ اُسوقت بعینہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایسے حالات میں یورپ
خاندان کے بزرگ کا ہوتا ہے۔ یعنی تردد تکان آزردگی اور حجاب یہ سب باتیں اُس بشرہ میں پائی
جاتی ہیں۔ جو اہل مشرق کے متین اور ثقہ چہرہ پر ہرگز زیب نہیں دیتیں مگر عورتیں جنکے نقاب
استنبول کی عورتوں سے زیادہ دبیز اور نیچے ہوتے ہیں سفر کا بڑی دلچسپی سے لطف اٹھاتے ہیں اور راستہ
میں ہر ایک چیز کو بڑے شوق سے دیکھتی جاتی ہیں۔ اور جسوقت کسی یورپین کی ہلکی پھلکی گاڑی
فراٹے بھرتے ہوئی انکے پاس سے گذرتی ہے تو وہ اچنبھے کی نگاہ سے اُسے تکتی رہتی ہیں جوں جوں
مضافات میں بڑھتے جاؤ بیلوں کے چھکڑوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسکودرہ میں قابل دید
چیزیں کوئی زیادہ نہیں ہاں اگر تم وہاں کی عمودی پہاڑ پر چڑھنے کی تکلیف گوارا کرو تو اسکی چوٹی سے
تم چاروں طرف فی الواقع نہایت شاندار نظارہ کر سکوگے۔

قاضی کوئی

قصبہ قاضی کوئی جو قدیم قصبہ کالیسڈوں کے موقع پر آبادی ہے اسکو درہ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے اسکا محل وقوع بھی نہایت خوشگوار
اور خوشنما ہے۔ اور مزید برآں اسمیں ایک ترکی تھیٹر بھی ہے کل قسطنطنیہ اور اسکے قرب وجوار میں یہی ایک تھیٹر
ہے۔ مانک گھر شہر کے پچھواڑے ایک عریض مرغزار کے سر پر چوبی تختوں کی بھدی سی عمارت ہے پردے معمولی
موسیقی قابل نفرت اور تماشہ میں صرف مرد ہی مرد ہوتے ہیں۔ عورتوں کا نام و نشان نہیں پایا
جاتا۔ مگر اُس مالک اور منیجر ایک اعلٰے پایہ کا ایکٹر (سولنگ بہر نوالا نقال) ہے وہ ٹھیٹھ ترک ہے اور
اگر اسکی پوری پوری سرپرستی اور معاونت کیجائے تو اُسکا تھیٹر دنیا کے کسی اور تھیٹر سے کم
نہ رہے۔ ہفتہ دو یا تین دفعہ تماشا ہوتا ہے۔ جو فقط دن کو کیا جاتا ہے اور یہ نہیں کہ وقت مقررہ
پر پردہ اُٹھا کر کھیل کو شروع کر دیا جائے۔ بلکہ سامعین و ناظرین کی آسایش و فراغت کو وقت کی
پابندی پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ عمارت گو چوبی ہے مگر تمباکو نوشی کی کوئی ممانعت نہیں سب سگرٹ پیتے رہتے
ہیں۔ اور یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جہاں ترکوں کا کچھ مجمع ہو۔ قلفی بیچنے والے اور قہوہ فروش ضرور

موجود ہونگے۔ ناٹکوں کے محل وقوع علاوہ بادہ فرضی ایشیائی ممالک ہوتے ہیں۔ جو قصہ کہانیوں میں مذکور ہیں کھیل کی روح و رواں صرف ایک مینیجر ہے۔ جو ایسی عمارگی سے ایکٹ کھیل کرتا ہے۔ کہ جو لوگ ترکی زبان نہیں سمجھتے۔ وہ بھی غش غش کر اٹھتے ہیں۔

قاضی کوئی سے پرے بحیرہ مارمورا کے ساحل پر ہی جزائر شاہزادگان کے مقابل ایسا مقام ہے۔ جو خوبصورتی اور خوشنمائی قرب وجوار کے کل مقامات پر فضیلت رکھتا ہے۔ اس کا نام "فنار باغچہ" (روشنی کے مینار کا باغ) ہے۔ یہ خوبصورت جنڈا ایک چھوٹی سی راس کی سمندر کے طرف کے انتہائی سرے پر واقع ہے۔ اسکے شمشاد سینکڑوں مانند اور انقلاب دیکھے ہوئے ہیں۔ کبھی وہ ویبی ہیرا کے مندر پر سایہ افگن تھے۔ بعد ازاں قیصر جسٹینین کے تابستانی محل پر پرتو فگن رہتے۔ اور اب اُن خود رو اور جنگلی پھولوں پر سایہ ڈال رہے ہیں۔ جو ان دونوں عمارتوں کے در و دیوار اور منہدم بنیادوں پر اُگے ہوئے ہیں۔ گرمی کی موسم میں یہاں ہر وقت سطح سمندر سے ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ یونانی ماہگیر اپنے جالوں کو خشک کرنے کے لئے دھوپ میں پھیلا کر خود سایہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور امرا کے مرغوب خاطر مقام مودا بورنو (راس مودا) اور اس مقام کے درمیان کی خلیج میں جو سرکنڈوں کی خلیج کہلاتی ہے۔ چند چھوٹی بڑی تفریحی کشتیاں دکھائی دیتی ہیں۔

اس نواح کی قدر و منزلت دن بدن لوگوں کے دلوں میں بڑھ رہی ہے۔ تابستانی رہائش کے لئے اب اُسے زیادہ پسند کیا جانے لگ گیا ہے جس سے باسفرس کی قدر گھٹتی جاتی ہے۔ اور اس طرف زمین کی قیمت روز بروز ترقی پر ہے۔ یہاں کی ہوا نسبتاً خشک ہے۔ اور شام کو وہ سخت خنک ہوا نہیں ہوتی۔ جو باسفرس کی طرف بحیرہ اسود سے آتی ہے۔ اس نواح کے ساحل میں صرف یہ ایک نقص ہے۔ کہ مودا بورنو اور فنار باغچہ ایسے متعدد موقعوں کے سوا درخت تقریباً ناپید ہیں۔

باسفرس باسفرس کی مفصل کیفیت بیان کرنے کی اس مختصر سے رسالہ میں گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اسکی خوبصورتی اور دلفریبی کے متعلق سیاحوں کی رایوں میں بہت اختلاف ہے۔ میرے نزدیک تو وہ خلیج نیپلز (اٹلی

یا کریمیا کے جنوبی ساحل سے لگا نہیں کھاتی۔ ایک نا قدر شناس امریکن سیاح
مجھ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ سوئٹزرلینڈ کی جلیج کومو اور
باسفرس میں صرف یہ فرق ہے۔ کہ پہلی چوڑی زیادہ ہے۔ اور آخر الذکر
تار کی طرح لمبی کھنچی ہوئی ہے۔ اس میں اس نے گو بہت مبالغہ سے کام
لیا ہے۔ مگر یہ بیان صداقت سے بالکل معرا نہیں۔ رومیلی اور اناطولی حصاروں
(یعنی یورپین و ایشیائی قلعوں) کے گرانڈیل برج جن قلعوں کو محمد ثانی
نے تعمیر کرایا تھا۔ بے شک نہایت پُرجلال عظیم الشوکت اور خوشنما ہیں
اور اُن کے درمیان باسفرس کی دھار ایسی تیزی سے بہتی ہے۔ کہ اُس کا
نام ہی "شیطان کی دھار" پڑ گیا ہے۔ مگر ماسوا ازیں اسکو درہ سے لیکر
بحیرہ اسود کے دہانہ تک اس آبنائے پر کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی۔ جسے
شاندار اور عظیم الشوکت کہا جا سکے۔ اس کے دونوں ساحل دیہات۔ بنگلوں
اور دولمہ باغچہ و بیلربک ایسے عالی شان سلطانی محلات سے لیکر غریب
و نادار ماہیگیروں کی بے حقیقت جھونپڑیوں تک جو اناطولی قواق کے پاس
ہیں۔ ہر حیثیت اور ہر قسم کی عمارتوں سے معمور ہیں۔ مگر کچھ عرصہ گذرا ہے
کہ تب تک باسفرس وزراء سلطنت۔ سفراء دول اور متمول یونانیوں کی مرغوب
و دل پسند تابستانی رہائش گاہ تھی۔ موسم گرما میں یہ سب وہیں رہتے تھے
مگر جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں۔ اب اُس کی قدر گھٹتی جاتی ہے۔ اور امراء
و متمولین موداً بورنو اور جزائر شہزادگان کو زیادہ پسند کرنے لگ گئے ہیں۔
تاہم یہ آبنائے بجائے خود خوبیوں سے خالی نہیں۔ اور یہ خوبیاں اور دلفریبیاں
صرف اسی کا حق ہیں۔ دونوں طرف کی پست قامت پہاڑیوں کے
نشیب و فراز باغات سے ڈھنپے ہوئے ہیں۔ اکثر عمارات عین برلب
آب واقع ہیں۔ اور خود سطح آب ہر وقت گوناگون کشتیوں اور جہازوں
سے پٹی رہتی ہیں۔ دیہات عموماً یکساں وضع کے ہیں۔ مگر بعض بعض
شلاً درہ آب نیلی۔ تھراپیا۔ بیوک درہ۔ اور وادی
گلاب۔ خاص حسن و ملاحت رکھتے ہیں۔ درہ آب نیلی میں جیسے یوپین

ایشیا کا آبِ شیریں" کہتے ہیں۔ یورپ کے آبِ شیریں یعنی کاغذ خانہ
(بلفظ کیات ہانہ) کی طرح اکثر ترک جمعہ کے جمعہ سہ پہر کے وقت زن
و فرزند سمیت کل کنبہ تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اور اس کے خوشگوار سایہ
میں برلبِ دریا سگرٹ و قہوہ کا مزہ اُڑاتے ہیں۔ بلغراد کا مشہور
پُر فضا جنگل بیوک درہ (وادی کلاں) سے ہی شروع ہو کر
میلوں چلا جاتا ہے۔ اور آخر بحیرۂ اسود کے سواحل پر ختم ہوتا
ہے۔ اس جنگل میں کئی نہایت عمدہ سڑکیں مختلف اطراف کو جاتی
ہیں۔ اور پگ ڈنڈیاں تو بے شمار ہیں۔ ان میں سے سوار کسی
پر موسم گرما کی سہ پہر کو خواہ تیس میل چلا جائے۔ درختوں
کا سایہ کسی جگہ بھی اُسکے سر سے دُور نہ ہوگا۔ جو انسان
اجتماعِ ضدین۔ دھوپ و سایہ۔ پست و بلند۔ نور و ظلمت
ویرانی و رونق۔ وغیرہ وغیرہ دیکھنے کا مشتاق ہو۔ اس سیر سے اس کا یہ
اشتیاق بھی پورا ہو جائیگا۔

فرض کرو کہ اس سیر کے لئے تم اپنے ہوٹل (واقع تھراپیا) سے
چار بجے گھوڑے پر سوار ہوتے ہو۔ سوار ہوتے ہی تمہیں تقریباً
قریباً اپنے گرد و پیش یہ سماں دکھائی دیگا۔ کہ بیوک درہ کی گھاٹ
پر انبوہ جمع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ کچھ سٹیمر بیلباپہ کو آ رہے اور
کچھ وہاں سے واپس جا رہے ہیں۔ سفید پوش قایقچی مسافروں
کو قابو کرنیکے لئے اپنی اپنی کشتیوں پر مستعد بیٹھے ہیں۔ ایرانی
تاجر سودا سلف لگانے کے لئے درختوں کے نیچے اپنے
اپنے قالین بچھائے ہیں۔ بارہ چودہ ترکی سائیس اپنے
اپنے مالکوں کے تیز و طرار گھوڑوں کو جن پر زینیں کسی
ہوئی ہیں لئے ہوئے ادہر ادہر ٹہل رہے ہیں۔ بازاری حجام
سایہ دار گوشہ میں ایک ملاح کی حجامت کر رہا ہے۔ اور قفلی
فروش "دوندرمہ قیماق" کے آوازے لگا رہا ہے۔ ادھر ساحل

سے پرے تین چار بادبانی کشتیاں لہر اور ہوا کا مقابلہ
کرتی ہوئیں آہستہ آہستہ سطح آب پر تیرتی جا رہی ہیں۔
ان پر کری سفیر سوار ہونگے۔ جن کو بیکار بیٹھے
ہوئے فتنہ و شرارت کی کھچڑی پکاتے رہنے کے
سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ ادھر گلاب کی بھینی
بھینی خوشبو روسی سفارت خانہ کے باغ کے پھاٹکوں
سے نکلکر دماغ کو معطر کئے دیتی ہے۔ چند
لمحوں میں تم ان سب چیزوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہو۔
اور پھر سامنے اسکے چھوٹے سے بازار میں جسکے دونوں طرف
قصابوں نانبائیوں اور غلہ فروشوں کی دوکانیں ہیں۔ گذر کر
وسیع میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں سے تم کچھ
دیر دائیں ہاتھ لو وادی میں سے اوپر کو بڑھے جانے
کے بعد اس پر اسرار جنگل میں داخل ہو جاتے ہو۔
اور استنبول۔ باسفرس۔ یونانی۔ ترک۔ ارمنی
اور سفرا سب پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ سب
صرف غلط کی طرح تمہارے دماغ سے محو ہو جاتے
ہیں۔ اور تم خدائی کائنات کی قدرتی صنائع و بدائع
کے تماشہ میں مستغرق ہو جاتے ہو۔ اب اگر تم برابر
بڑھے جاؤ۔ تو شام کے قریب آخر ایک
سنسان دلدل کے کنارے پہنچ جاؤگے۔ جو
یکبارگی عمودی چٹانوں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔
اور پھر ان چٹانوں سے سمندر کی لہریں ٹکرا
رہی ہیں۔ تم چاہو تو یہاں گھوڑے سے اتر پڑو۔ اور
ان کھنڈرات کے قریب جو کسی وقت جلاوطن۔
"اودڈو" کا مسکن تھے۔ کھڑے ہو کر بحر بے پایاں (یعنی

بحیرۂ اسود) کی موجوں کا جو ڈوبتے ہوئے سورج کی ترچھی
کرنوں سے زردی مائل ہو رہی ہیں۔ نظارہ کرو۔
اور اُس وقت غالباً تمہارا تصوّر اس تمام سر
زمین (یعنی علاقہ کوہ ارارات و کوہسار آرمینیا و قاف)
کی طرف بھی جا دوڑے۔ جو اس موقعہ سے جہاں تم کھڑے
ہو گے۔ کوئی بہت دُور نہیں۔ اور جو اُن
بھلی یا بُری قوموں کا گہوارہ رہ چکی ہے۔
جو دُنیا کی سب سے بڑی استخوان تنازعہ
قسطنطنیہ پر لڑتی۔ اور لڑ رہی ہیں اور
ابھی اور صدیوں تک لڑتی رہیں گی ؎

کتاب قسطنطنیہ دونوں حصص ختم ہوئی

یکم مئی سنہ ۱۹۱۲ء

صحت کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ بچوں کی تعلیم اور مدارس و مساجد میں تقسیم کرنے کے لئے خاص کر موزون ہے۔ تقطیع کلاں ۱۸×۲۲/۴ تعداد صفحات ۶۱۴۔ کاغذ کی عمدگی اور صحت کے مقابلہ میں ہدیہ گویا کچھ بھی نہیں۔ قیمت بلا جلد ہر رنگ کے کاغذ کی ۱۲/
قیمت جلد پارچہ ۲/۱۲ قیمت جلد چرمی ۳/۱۴

(۵) **قرآن مجید معرا ۱۵ اسطری** بخط بمبئی۔ تقطیع خورد ۲۰×۲۶/۸ صفحات ... (۵۴۴)
جلد پارچہ والے کی قیمت ۱/۱۴

کتب تفاسیر

(۶) **مقدمہ تفسیر القرآن** مرتبہ کارخانہ وطن لاہور۔ ضخامت (۴۸) صفحے۔ قیمت .... /۴

(۷) **تفسیر القرآن جلد اول** سورۂ الحمد و سورۂ بقر کی مکمل و مفصل تفسیر۔ سینکڑوں محبان ملت اور مقتدر علماء اس کے از بس مفید ہونے کی تصدیق کر کے لکھتے ہیں۔ کہ فی زمانہ ایسی تفسیر کی اشد ضرورت تھی۔ ضخامت ۹۸۶ صفحات۔ قیمت ۵/

(۸) **تفسیر القرآن جلد دوم** یعنی تفسیر سورۂ آل عمران۔ ضخامت ۴۳۶ صفحے۔ قیمت ۲/

(۹) **تفسیر القرآن جلد سوم** یعنی سورۂ نساء کی مکمل تفسیر۔ قرآن کی منزل اول اس جلد پر ختم ہوتی ہے۔ ضخامت (۲۸۲) صفحے۔ قیمت ۲/

(۱۰) **تفسیر القرآن جلد چہارم** جس میں سورۂ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال توبہ۔ یونس کی مشرح تفسیر ہے۔ ضخامت (۶۱۰) صفحے قیمت ۳/

(۱۱) **اردو ترجمہ تفسیر کبیر جلد اول** (فاتحۃ العلوم) یعنی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی

تفسیر الحمد شریف کا مکمل ترجمہ۔ آج تک کسی کو اس کے ترجمہ کی ہمت نہ پڑی تھی عہ ملے

اسلامی تاریخ

قوم کو ترقی و فلاح کے اسباب و موجبات یقینی کا علم صرف سلف صالحین کے حالات اور اسلام کی ابتدا اور نشو و نما کی تاریخ پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ بنا بریں کارخانہ وطن اس مدعا کو پورا کرنے والی کتابوں کے بہم پہنچانے میں روز افزوں کامیاب ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ایسے اہل دل اور ولی کامل عالم متبحر کی مستند ترین تصنیف

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سے معتبر اور صحیح تاریخ دربارہ خلافت اسلامی کا بہم پہنچانا مشکل ہے جو تین حصوں میں مشتمل ہے۔ اور تینوں کی قیمت آٹھ روپے . . . . ۸ر ملے

دوسری عصر جدید کے مشہور ترین اسلامی فلاسفر اور مؤرخ رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب بالقابہ کی

انگریزی تاریخ اسلام کا اردو ترجمہ

ہے۔ اس تاریخ اسلام کی قیمت باوجود بے شمار خوبیوں اور صفائیوں کے صرف عہ ہے

نیز افریقہ کی واحد باقی ماندہ آزاد اسلامی سلطنت مراکو کی حالت آج کل جیسی کچھ مخدوش ہے۔ باخبر ناظرین سے مخفی نہیں۔ موجودہ معاملات کو سمجھنے بھید حریفوں کی مساعی کی تہ کو پہنچنے اور اس سلطنت کی حقیقی اہمیت کو محسوس کرنے میں تاریخ مراکو کے مطالعہ سے چونکہ خاص مدد مل سکتی ہے۔ مکمل ہر دو نسخے قیمت . . . . ۱ر ملے

نسبت سارہ عہد حکومت: سلطان عبد الحمید خان ثانی غازی مع تصاویر طبع چہارم عہ۔ تاریخ خاندان عثمانیہ کل عہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں تینوں کی قیمت ۶ر۔ تاریخ عہد عراق قیمت . . ۶ر

المشتہر مینجر اخبار وطن لاہور